
جہنم کے پجاری
اے حمید

قبرستان کی سنسان اندھیری رات!

یہ مسلمانوں کا قبرستان معلوم نہیں ہوتا...... قبروں پر جو کتبے لگے ہیں وہ تکونے اور چوکور ہیں...... محراب نما نہیں ہیں...... کسی کتبے پر اللہ رسول ﷺ پاک کا مبارک نام نہیں لکھا ہوا، بلکہ ہر کتبے پر انسانی کھوپڑی کا نشان بنا ہوا ہے...... اس نشان کے نیچے مرنے والے کا نام اور تاریخ وفات لکھی ہوئی ہے...... یہ کسی اور ہی قوم، کسی اور ہی فرقے کے لوگوں کا قبرستان لگتا ہے...... یہ بڑا پرانا قبرستان ہے، قبروں کی حالت بے حد شکستہ ہو رہی ہے...... کئی قبروں کے کتبے گرے ہوئے ہیں، جو گرنے سے بچ گئے ہیں وہ ٹیڑھے ہو کر ایک طرف کو جھک گئے ہیں...... قبرستان ایک چار دیواری میں گھرا ہوا ہے...... یہ چار دیواری خستگی کا شکار ہے اور جگہ جگہ سے ٹوٹ پھوٹ گئی ہے...... قبروں کو جانے والا راستہ ایک ڈیوڑھی میں سے ہو کر گزرتا ہے جس میں دن کے وقت بھی اندھیرا چھایا رہتا ہے...... ڈیوڑھی کی پیشانی پر بھی کھوپڑی کا نشان بنا ہوا ہے...... ایک جنگلی بیل نے ڈیوڑھی کی آدھی دیوار کو ڈھانپ رکھا ہے...... قبروں کے اُوپر عجیب شکل والے ڈراؤنے درختوں کی بے برگ و بار سوکھی ٹہنیاں اپنے پنجے پھیلائے جھکی ہوئی ہیں۔

آدھی رات کا وقت ہے...... شاید یہ مہینے کی سب سے تاریک رات ہے......

اندھیرے میں قبروں پر جھکے ہوئے تکونے اور چوکور کتبے سایوں کی طرح لگ رہے ہیں، جو قبروں کے اُوپر جھک کر ساکت ہو گئے ہوں...... ہر طرف موت کی خاموشی اور سناٹا چھایا ہے...... ایک پراسرار سی دُھند چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی جس نے قبرستان کی ماتمی فضا کو اور زیادہ سوگوار بنادیا تھا...... اس خاموشی اور سناٹے میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد دبی دبی گھٹی گھٹی ایک انسانی آواز سنائی دے جاتی تھی...... کبھی یہ آواز ایک لمبی کراہ میں تبدیل ہو جاتی تھی...... ایک لمحے کے لئے یہ آواز خاموش ہو جاتی، اس کے بعد ٹھک ٹھک کی آواز آنے لگتی...... جیسے کوئی لکڑی کے کسی تختے کو اکھاڑنے کی کوشش کر رہا ہو...... قبرستان کی پراسرار خاموشی میں یہ رونگٹے کھڑے کر دینے والی آواز ایک قبر کے اندر سے آ رہی تھی...... یہ تازہ بنی ہوئی قبر تھی...... لگتا تھا کسی میت کو وہاں دفن کیئے چھ سات گھنٹے ہی گزرے ہیں...... چھڑکاؤ کی وجہ سے قبر کی مٹی ابھی تک گیلی تھی اور اس پر چند ایک تازہ پھولوں کے ہار پڑے تھے...... آواز اسی قبر کے اندر سے آ رہی تھی۔

کیا اس قبر میں کسی کو زندہ دفن کر دیا گیا تھا یا مرنے کے بعد مردہ قبر میں زندہ ہو گیا تھا؟

اس سوال کے جواب کے لئے ہم آپ کو تھوڑا پیچھے لئے چلتے ہیں...... یہ قبر ایک ایسے انسان کی تھی جس کا نام جمشید تھا اور جس کا تعلق آتش پرستوں کے ایک قدیم فرقے سے تھا...... اس فرقے کے لوگ مرنے والوں کو آتش پرستوں کے عام رواج کے برخلاف زمین میں دفن کرتے تھے...... آتش پرستوں کے اس فرقے کے صرف چند ایک لوگ ہی باقی رہ گئے تھے...... ان آتش پرستوں میں کالے جادُو ٹونے کا عام رواج تھا...... یہ لوگ سینکڑوں برس پہلے وسطی ایشیا کے ایک ملک سے نقل مکانی کر کے بھارت میں آکر آباد ہو گئے تھے...... ان میں سے چند ایک خاندان پاکستان بننے سے پہلے پنجاب اور سندھ میں آکر آباد ہو گئے تھے...... یہ بڑے محنتی، دیانتدار اور

کاروباری لوگ تھے، مگر ان میں کچھ گھرانے ایسے تھے جنہوں نے جادُو ٹونے اور بدرُوحوں کو حاضر کرنے اور ان سے سفلی کام لینے کا دھندا شروع کر دیا تھا...... جمشید کا تعلق ایسے ہی ایک آتش پرستوں کے منحرف قبیلے کے خاندان سے تھا جو پاکستان کے ایک دور دراز گاؤں میں آباد تھے...... جمشید خاندان کے دوسرے لوگ چھوٹا موٹا کاروبار کرتے تھے، مگر جمشید نے راتوں رات امیر بننے اور بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے دنیا بھر کی دولت جمع کرنے کے لئے سفلی اور کالے جادُو کی کتابوں کو پڑھنا شروع کر دیا...... ان کے گھر میں کالے جادُو کی ایک پرانی کتاب تھی...... جمشید نے اس کتاب کو کئی بار پڑھا اور اسے لے کر دور دراز گاؤں سے لاہور شہر میں آگیا...... یہ سن 1965ء کے بعد کا واقعہ ہے...... لاہور میں آکر جمشید نے شہر کی ایک کالونی میں مکان کرائے پر لے لیا اور مکان کے باہر جمشید عامل کا چھوٹا سا بورڈ لگا کر جادُو ٹونے کا دھندا شروع کر دیا...... ضعیف الاعتقاد لوگ تو دُنیا کے ہر معاشرے میں پائے جاتے ہیں، چنانچہ ایسے لوگ جمشید کے پاس بھی اپنے اپنے مسئلے مسائل لے کر آنے لگے...... ان میں ضعیف الاعتقاد عورتیں زیادہ ہوتی تھیں۔

جمشید انہیں جادُو ٹونا بتاتا...... تعویذ لکھ کر دیتا اور ان سے بھاری فیس وصول کرتا، جس کا کام اتفاق سے ہو جاتا وہ جمشید کا اور زیادہ عقیدت مند بن جاتا، جس کا کام نہ ہوتا وہ یہی سمجھتا کہ اس سے کوئی غلطی ہو گئی ہے...... اس میں عامل کا کوئی قصور نہیں ہے...... کچھ ہی عرصے بعد جمشید کافی خوش حال ہو گیا...... وہ تیس پینتیس سال کا بھرپور صحت مند جوان تھا...... شادی اس نے نہیں کی تھی...... وہ دُنیا کا دولت مند ترین آدمی بن کر کسی امیر ترین گھرانے میں شادی کرنا چاہتا تھا...... یہ جمشید کا ایک دیرینہ خواب تھا جو ابھی تک پورا نہیں ہوا تھا اور وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ یہ خواب صرف کالے جادُو کے کسی کارگر ٹونے ٹوٹکے سے ہی پورا ہو سکتا ہے...... اس کے لئے ضروری تھا کہ کسی نہ کسی بدرُوح یا بھوت کو قابو کر کے اس کے ذریعے بنکوں اور بنک کے

لاکروں اور دولت مند لوگوں کی تجوریوں میں رکھی ہوئی دولت حاصل کرے۔

جمشید ایسے ہی کسی جن یا بدرُوح کی تلاش میں لگ گیا...... اس نے کالے جادُو کی ایک کتاب میں عفریتی نام کی ایک بدرُوح کے بارے میں پڑھا کہ یہ بدرُوح اتنی طاقتور ہے کہ اسے دُنیا کے سارے دفن شدہ خزانوں کا علم ہے...... اگر یہ قابو میں آجائے تو آدمی ساری دُنیا کی دولت حاصل کر سکتا ہے...... کتاب میں لکھا تھا کہ عفریتی بدرُوح کو قابو کرنے کے واسطے کالے جادُو کا ایک چلہ کرنا پڑتا ہے، لیکن اس میں ایک بہت بڑا خطرہ بھی ہے...... اگر اس چلے میں ذرا سی بھی کمی رہ جائے اور کالے جادُو کا عمل اُلٹا پڑ جائے تو چلہ کرنے والا ایک ایسی اذیت ناک مصیبت میں پھنس جائے گا کہ جس سے اسے قیامت تک چھٹکارا نہیں ملے گا...... اس کتاب میں کالے جادُو کے چلے کے وہ منتر بھی درج تھے اور یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ یہ چلہ آتش پرستوں کے منحرف فرقے کے مردہ عورت یا مرد کی قبر میں بیٹھ کر اس کی کھوپڑی پر موم بتی جلا کر کیا جائیگا۔

عامل جمشید نے اسی وقت عفریتی بدرُوح کو قابو کرنے کے لئے چلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا...... وہ یہ بھول گیا کہ اگر چلے اور کالے جادُو کا عمل اُلٹا پڑ گیا تو وہ کسی اذیت ناک عذاب میں گرفتار ہو سکتا ہے...... اس کو صرف اتنا یاد تھا کہ کالے جادُو کے اس عمل کا چلہ کاٹنے کے بعد ایک ایسی بدرُوح اس کے قبضے میں آجائے گی جو اس کے حکم کی غلام ہو گی اور اس کے ایک اشارے پر شہر کے تمام بنکوں اور زمین کے نیچے دفن شدہ خزانوں کی ساری دولت اس کے قدموں میں لا کر ڈھیر کر دے گی...... پھر وہ شہر کے مضافات میں اپنا ایک عالی شان بنگلہ بنوا کر اس میں عیش کی زندگی بسر کرے گا...... اس کے پاس نئے ماڈل کی کاریں ہوں گی...... وہ یورپ اور امریکہ کی سب سے حسین ترین ماڈل گرل سے شادی کرے گا...... دنیا کے ہر شہر میں اس کے عالی شان بنگلے ہوں گے...... یورپ کے اخباروں اور رسالوں میں حسین ترین ایکٹرسوں اور ماڈل گرلز کے ساتھ اس کی تصویریں چھپیں گی اور کوئی تعجب نہیں کہ دُنیا کے امیر ترین انسان کی

حیثیت سے اس کا نام گنی بک میں بھی آجائے...... یہ عامل جمشید کا خواب تھا جسے وہ : حالت میں پورا کرنے کا ارادہ کر چکا تھا اور اپنے انجام سے بے خبر تھا، جس فرقے سے جمشید کا تعلق تھا، آتش پرستوں کے اس منحرف فرقے کا یہ عقیدہ تھا کہ جو کچھ ہے اس دُنیا میں ہی ہے...... آگے کچھ نہیں ہے...... جتنی خوشیاں اور غم ہیں صرف اس فانی دُنیا تک ہی محدود ہیں...... مرنے کے بعد ایک پردہ گر جاتا ہے اور آگے اندھیرا ہی اندھیرا ہے...... اگرچہ یہ حقیقی آتش پرست فرقے کے عقیدے کے خلاف تھا، کیونکہ حقیقی آتش پرست دوزخ اور جہنم کو مانتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد آدمی کے اعمال کا حساب کتاب ہوتا ہے اور اس کی رُوح کو اس کے اعمال کے مطابق بہشت یا دوزخ میں جگہ ملتی ہے، لیکن کالے جادُو کے عامل جمشید کے فرقے کے لوگ حقیقی فرقے سے الگ ہو گئے تھے اور ان کے عقائد کو نہیں مانتے تھے...... حقیقی مرنے والوں کے نزدیک یہ کفر تھا۔

عامل جمشید کفر کی دلدل میں ڈوب چکا تھا اور دولت کی ہوس نے اسے اتنا اندھا کر دیا تھا کہ وہ یہ بھول گیا تھا کہ وہ کفر کے جس راستے پر چل پڑا ہے اس کا انجام عبرت ناک ہلاکت کے سوا اور کچھ نہیں ہو گا...... جمشید لاہور کی مضافاتی کالونی کے مکان میں اکیلا رہتا تھا...... اس نے کسی کو اپنا دوست یا ہمراز نہیں بنایا تھا...... محلے والوں سے بھی اس کی معمولی سی سلام دعا تھی...... محلے والے بھی جمشید عامل کو زیادہ پسند نہیں کرتے تھے...... وہ جانتے تھے کہ یہ آدمی کافروں والے جادُو ٹونے کرتا ہے...... چونکہ عامل جمشید کے جادُو ٹونے سے کبھی کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا اس لئے محلے والے درگزر سے کام لے رہے تھے۔

جمشید نے گھر کے کام کاج کے واسطے ایک غیر مسلم ادھیڑ عمر عورت رانی کو ملازم رکھ لیا تھا جو اس کا کھانا وغیرہ بھی پکاتی تھی...... جمشید رانی سے بھی زیادہ بات نہیں کرتا تھا...... بس اپنے کالے جادُو کی دُنیا میں گم رہتا تھا...... جب حصول دولت کے لئے

عفریتی نام کی طاقتور بدرُوح کو اپنے قبضے میں کرنے کا منتر جمشید کے ہاتھ لگ گیا تو اس نے اس کا چلہ کرنے کا پروگرام بنالیا...... شہر کے باہر اس کے فرقے کے لوگوں کا ایک پرانا قبرستان موجود تھا...... جب اس فرقے کے کچھ خاندان لاہور کی ایک بستی میں رہا کرتے تھے تو وہ اپنے مردے اسی قبرستان میں دفن کیا کرتے تھے...... ان کے چلے جانے کے بعد یہ قبرستان ویران ہو گیا تھا اور خستگی اور شکست و ریخت کا شکار ہونے کے بعد اور زیادہ ڈراؤنا ہو گیا تھا۔

عامل جمشید کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس قبرستان کی کون سی قبر میں کون دفن ہے...... کون سی قبر عورت کی ہے، کون سی قبر مرد کی ہے...... اسے یہ جاننے کی ضرورت بھی نہیں تھی...... کالے جادُو کی کتاب میں لکھا تھا کہ یہ چلہ کسی بھی مرد عورت یا مردہ آدمی کی قبر میں گھس کر اس کی کھوپڑی پر موم بتی جلا کر کیا جا سکتا ہے...... جمشید کے لئے آسانی پیدا ہو گئی تھی، ورنہ اسے یہ معلوم کرنے میں بڑی مشکل پیش آتی کہ کون سی قبر عورت کی ہے اور کون سی قبر آدمی کی ہے۔

جمشید ایک روز اپنے فرقے کی قبروں کا جائزہ لینے کے لئے اس پرانے ویران قبرستان میں چلا گیا...... وہ کوئی ایسی قبر تلاش کرنا چاہتا تھا جس کے اندر مردے کی کھوپڑی بھی موجود ہو اور جہاں بیٹھ کر وہ بدرُوح عفریتی کا چلہ کر سکے...... یہ چلہ آدھی رات کو شروع ہوتا تھا اور اسے سورج نکلنے سے پہلے ختم ہو جانا تھا...... اس وقت سب سے طاقتور اور بدرُوحوں کی مہارانی بدرُوح عفریتی نے حاضر ہو کر اپنے آپ کو عامل جمشید کے حوالے کر دینا تھا اور اس کا مطیع ہو جانا تھا...... جمشید دوپہر کے وقت قبرستان میں آیا تھا...... دن کے وقت بھی اس قبرستان میں ہو کا عالم تھا...... ایسی آسیب زدہ خاموشی طاری تھی کہ لگتا تھا ابھی کسی قبر سے کوئی مردہ نکل کر اسے دبوچ لے گا۔

یہ قبرستان جمشید کے ہوش سنبھالنے سے بہت پہلے ہی ویران ہو گیا ہوا تھا، کیونکہ لاہور شہر میں اس کے فرقے کا آخری خاندان پچاس سال پہلے نقل مکانی کر کے

سندھ کے دُور دراز علاقے میں چلا گیا تھا...... جمشید اسی دور دراز صحرائی علاقے کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا تھا...... لاہور میں وہ ہوش سنبھالنے کے چھ سات سال بعد اپنے خاندان کے ایک بزرگ کے ساتھ اپنے صحرائی گاؤں سے اس قبرستان میں آیا تھا...... اس کے بعد اسے آج آنے کا موقع ملا تھا...... کوئی قبر اپنی اصلی حالت میں نہیں تھی...... کسی قبر کا کتبہ صحیح سلامت نہیں تھا...... قبریں مٹی کی ڈھیریوں میں بدل چکی تھیں جن میں گڑھے پڑے ہوئے تھے۔

کچھ قبریں ڈھے چکی تھیں اور ان میں مردوں کی ہڈیاں دکھائی دے رہی تھیں...... جمشید کو کسی ایسی قبر کی تلاش تھی جس کی چھت سلامت ہو، کیونکہ کالے جادُو کی کتاب میں لکھا تھا کہ جس قبر میں بیٹھ کر یہ چلہ کیا جائے اس کی چھت ضرور ہو۔ آخر جمشید کو ایک ایسی قبر مل گئی...... اس قبر کے پہلو میں ایک کافی بڑا شگاف تھا...... جمشید نے سر شگاف کے اندر ڈال کر دیکھا...... قبر کے اندر مردے کا پنجرا ابھی تک اسی حالت میں پڑا تھا اور اس کی کھوپڑی بھی موجود تھی...... شاید کوئی سرجن ڈاکٹر ہی یہ معلوم کر سکتا تھا کہ یہ پنجر کسی عورت کا ہے یا کسی مرد کا ہے...... جمشید کو اس کا کوئی اندازہ نہیں تھا...... وہ عورت اور مرد کی لاش کے پنجر سے اس کے عورت یا مرد ہونے کا پتہ نہیں چلا سکتا تھا، لیکن چلے کی یہ شرط بھی نہیں تھی...... قبر اگرچہ خستہ حالت میں تھی لیکن اس کی کرسی اونچی تھی اور سرہانے کی جانب کھوپڑی کے پاس بیٹھنے کی تھوڑی سی جگہ موجود تھی...... جمشید نے اس قبر کی نشانی یاد کر لی...... یاد رکھنے کے لئے وہاں درخت کی ایک سوکھی ٹہنی بھی توڑ کر لگا دی، کیونکہ اسے رات کی تاریکی میں وہاں آنا تھا۔

قبر دیکھنے کے بعد عامل جمشید اپنے مکان پر واپس آ گیا...... مکان پر اس کی خادمہ اُدھیڑ عمر رانی شام کے واسطے کھانا تیار کرنے میں لگی تھی...... جمشید نے کپڑے بدلے اور کالے جادُو کی پرانی کتاب لے کر دالان میں تخت پوش پر بیٹھ کر وہ منتر یاد کرنے لگا جو اس نے عفریتی چڑیل کا چلہ کاٹتے وقت قبر کے اندر پڑھنے تھے...... کالے جادُو کی

کتاب بیس پچیس صفحوں کی چھوٹی سی پرانی کتاب تھی اور اس کے ورق بڑے خستہ ہو رہے تھے..... وہ آتش پرستوں کے منحرف فرقے کی قدیم ترین زبان اور اسی رسم الخط میں لکھی ہوئی تھی..... جمشید یہ زبان بول اور پڑھ سکتا تھا..... یہ ان کے منحرف قبیلے کی خاندانی زبان تھی اور وہ اپنے گھروں میں یہی زبان بولتے تھے..... نوکرانی رانی چھوٹے سے باورچی خانے میں کھانا تیار کر رہی تھی..... موسم ستمبر کے مہینے کی آخری تاریخوں کا تھا اور دن ٹھنڈے ہونا شروع ہو گئے تھے..... اتنے میں نوکرانی رانی دوپٹے کے پلو سے ہاتھ صاف کرتی ہوئی تخت پوش کے قریب آ کر فرش پر بیٹھ گئی۔

جمشید نے کتاب بند کر دی..... رانی کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"کیا بات ہے رانی؟"

رانی کہنے لگی۔

"بابو جی! آپ کے جانے کے بعد ایک بزرگ آدمی آیا تھا۔"

جمشید بولا۔

"اسے کہہ دینا تھا کہ میں گھر پر نہیں ہوں۔"

رانی بولی۔

"میں نے کہہ دیا تھا کہ بابو جی گھر پر نہیں ہیں۔"

جمشید نے تعجب سے پوچھا۔

"پھر اب تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

رانی کہنے لگی۔

"میں یہ کہنا چاہتی ہوں بابو جی کہ اس بزرگ آدمی نے آگے سے کہا تھا کہ میں جانتا ہوں کہ جمشید گھر پر نہیں ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ کہاں گیا ہوا ہے..... وہ آئے تو اسے میری طرف سے خبردار کر دینا کہ وہ جادو ٹونے اور کالے جادو کے چلے کرنے سے باز آ جائے..... یہ کافروں کا کام ہے اور پاکستان اسلام کا گھر ہے..... بس اتنا

کہہ کر وہ بزرگ بندہ چلا گیا تھا۔"

عامل جمشید پر رانی نوکرانی کی باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا..... اس قسم کے بزرگ کبھی کبھار اسے نصیحتیں کرنے اور اسے کالا جادو کرنے سے منع کرنے کے واسطے اس کے پاس آ جایا کرتے تھے..... جمشید نے نوکرانی رانی کی زبانی اس بزرگ بندے کی باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیں اور رانی سے کہا۔

"اب جاؤ اور جا کر اپنا کام کرو۔"

رانی جانتی تھی کہ جمشید اس کی عزت کرتا ہے اور اس کی باتیں سن لیا کرتا ہے۔ رانی نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"بیٹا! تم یہ جادو ٹونے کا کام چھوڑ کیوں نہیں دیتے..... جب سے اس بزرگ بندے کی باتیں سنی ہیں میرا دل ڈرنے لگا ہے۔"

جمشید نے کہا۔

"یہ میرا کاروبار ہے رانی..... میں یہی کام کر کے اپنی روٹی کماتا ہوں اور پھر میرے جادو ٹونے سے آج تک کبھی کسی کو نقصان نہیں پہنچا۔"

نوکرانی رانی بولی۔

"بیٹا! میں تمہیں اپنے بچوں کی طرح سمجھتی ہوں..... میں نہیں چاہتی کہ تمہیں کوئی دکھ پہنچے..... میں تمہیں یہی کہوں گی کہ جادو ٹونے کا کام چھوڑ ہی دو..... خدا کا دیا تمہارے پاس سب کچھ ہے..... کوئی دوسرا کاروبار شروع کر دو۔"

جمشید کو نوکرانی رانی کی باتیں بری لگی تھیں، مگر وہ اس کا ادب کرتا تھا، کہنے لگا۔

"رانی میں سوائے اس کام کے دوسرا کوئی کاروبار نہیں کر سکتا..... تم بے فکر رہو..... مجھے کچھ نہیں ہوگا، جاؤ۔"

اُدھیڑ عمر رانی اُٹھ کر باورچی خانے میں چلی گئی..... عامل جمشید پھر سے کالے جادو کے منتر یاد کرنے لگ گیا..... یہ تین منتر تھے جنہیں یاد کرنا تھا..... اسے بڑی

جلدی تینوں منتر یاد ہو گئے...... رانی جمشید کو رات کا کھانا کھلانے کے بعد اپنے گھر چلی گئی...... جمشید کالے جادو کی کتاب لے کر بیٹھ گیا...... منتر اگرچہ تین ہی تھے مگر ان کی زبان مشکل اور اُلجھی ہوئی تھی...... جمشید ہر منتر کو بار بار دہرانے لگا...... آج رات اسے قبرستان میں چلہ کرنے جانا تھا...... اس کے لئے کچھ اتنی تیاری کی ضرورت نہیں تھی...... اسے صرف اپنے ساتھ ایک ماچس اور ایک موم بتی اور تھوڑا سا لوبان لے جانے کی ضرورت تھی...... رات کے دس بجے اس نے نہانے کے بعد دوسرے کپڑے پہن لئے اور ٹیلی ویژن کھول کر بیٹھ گیا...... ٹیلی ویژن پر کوئی ڈرامہ ہو رہا تھا...... جمشید کو دو گھنٹے گزارنے تھے...... ڈرامہ ختم ہوا تو دوسرا پروگرام شروع ہو گیا۔

جب کمرے میں لگی ہوئی گھڑی نے رات کے ٹھیک بارہ بجائے تو جمشید اُٹھ کھڑا ہوا...... موم بتی، ماچس اور لوبان کا لفافہ جیب میں ڈالا...... کمرے کی بتی جلتی رہنے دی...... مکان سے باہر نکل کر دروازے کو تالا لگایا اور آدھی رات کی خاموشی اور اندھیرے میں قبرستان کی طرف روانہ ہو گیا...... اس کا مکان کالونی میں ایسی جگہ پر تھا کہ جہاں اس کے اِرد گرد نزدیک کوئی دوسرا مکان نہیں تھا...... کچھ دُور کالونی کا بڑا بازار تھا جس کی ساری دکانیں بند تھیں...... جمشید کالونی سے نکلتے ہی کھیتوں میں ہو گیا...... وہ اپنے دل میں کالے جادو کے تینوں منتر بار بار دہرا رہا تھا...... جو اب اسے پوری طرح سے یاد ہو گئے تھے۔

وہ آتش پرستوں کے منحرف فرقے کے ویران قبرستان کے پاس پہنچ گیا۔ قبرستان کا شکستہ دروازہ رات کے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا...... قبرستان کی ڈیوڑھی میں بھی خوفناک تاریکی چھائی تھی...... وہ ڈیوڑھی میں سے گزر گیا...... اب وہ قبروں کے درمیان چل رہا تھا...... شکستہ قبریں اندھیرے کی چادر اوڑھے چپ چاپ پڑی تھیں...... عامل جمشید دن کے وقت قبر پر درخت کی ٹہنی کی نشانی لگا گیا تھا...... وہ اس قبر کے پاس آکر بیٹھ گیا...... اس نے موم بتی جلا کر اس کی روشنی میں جھک کر شگاف

میں سے قبر کے اندر دیکھا...... مردے کا پنجر صحیح سالم حالت میں اسی طرح پڑا تھا...... اس کی کھوپڑی بھی گردن کی ہڈی کے اُوپر ٹکی ہوئی تھی...... جمشید قبر میں داخل ہو گیا۔ اس نے لاش کی کھوپڑی کو غور سے دیکھا۔

یہ عام انسانی کھوپڑیوں سے ذرا بڑی کھوپڑی تھی، جس شخص کی لاش کا یہ پنجر تھا وہ اُونچے قد کاٹھ کا آدمی معلوم ہوتا تھا...... جمشید نے کھوپڑی کے اُوپر پگھلی ہوئی موم کے قطرے گرا کر موم بتی لگا دی...... کھوپڑی کے قریب ی لوبان سلگا دیا...... اور کھوپڑی کی طرف منہ کر کے کالے جادو کے منتر پڑھنے شروع کر دیئے...... اس کا چلہ شروع ہو چکا تھا...... قبرستان کا ماحول ہولناک سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا...... عامل جمشید بھی دل میں کالے جادو کے منتر دہرا رہا تھا...... اس کے ہونٹ بند تھے...... اس نے دو ہزار مرتبہ یہ منتر پڑھنے تھے، اس طرح یہ چلہ رات کے آخری پہر تک جاری رہنا تھا۔ اس نے اپنی نگاہیں موم بتی کی لو پر مرکوز کر رکھی تھیں...... موم بتی کی لو بالکل ساکت تھی۔

جب وہ ایک سو مرتبہ کالے جادو کے منتر دہرا چکا تو اسے موم بتی کی لو میں عجیب و غریب شکلیں نظر آنے لگیں...... کبھی کسی عورت کا چہرہ سامنے آ جاتا...... کبھی ایک شیر ایک طرف سے دوڑتا ہوا آتا اور دوسری طرف نکل جاتا...... کبھی ایک ڈراؤنا انسان نما چہرہ نمودار ہو کر جمشید کو ڈرانے کی کوشش کرتا، مگر جمشید ایک تجربہ کار عامل تھا...... وہ بالکل نہ ڈرا اور اپنی جگہ پر جم کر بیٹھا رہا اور کالے جادو کے منتر پڑھتا رہا، پھر ایسا ہوا کہ موم بتی کے شعلے میں نظر آنے والی ساری شکلیں غائب ہو گئیں اور کھوپڑی نے تھوڑی سی حرکت کی...... جمشید منتروں کا جاپ کرتے ہوئے کھوپڑی کو دیکھ رہا تھا...... کھوپڑی پر ایک تھر تھراہٹ سی طاری ہو گئی...... کھوپڑی پر جمی ہوئی موم بتی کی لو بھی تھر تھرانے لگی...... اسے سرگوشیوں کی آوازیں سنائی دیں...... کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ یہ سرگوشیاں انسانوں کی ہیں یا کالے جادو کی بدرُوحوں کی ہیں......

جمشید پوری توجہ سے منتر پڑھتا رہا۔

اچانک ایک ہلکے سے دھماکے کے ساتھ کھوپڑی اُچھل کر نیچے گری...... پھر ایک کرب ناک چیخ کی آواز بلند ہوئی...... جمشید ایسا عامل بھی ڈر کر پیچھے ہٹ گیا...... کھوپڑی کے اُچھلنے سے موم بتی نیچے گر کر بجھ گئی تھی...... جمشید یہی سمجھا کہ جس بدرُوح عفریتی کا وہ چلہ کر رہا ہے وہ منتر پورے ہونے سے پہلے ہی حاضر ہو گئی ہے...... اس نے جیب سے ماچس نکال کر جلائی اور نیچے گری ہوئی موم بتی کو پھر سے روشن کیا اور دیکھا کہ کھوپڑی اپنی جگہ پر ہی تھی مگر اس کا ماتھے سے اُوپر کا حصہ ٹوٹ کر الگ ہو چکا تھا اور کھوپڑی کی ایک آنکھ میں سے سیاہ دھوئیں کی ایک پتلی لہر سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی باہر نکل رہی تھی...... اس کے دیکھتے دیکھتے کھوپڑی کی آنکھ کے سوراخ میں سے دھواں نکلنا بند ہو گیا اور سوراخ میں سے ایک کالا بچھو نکل کر آنکھ کے سوراخ سے چمٹ کر ساکت ہو گیا۔

عامل جمشید یہ سب کچھ بڑے غور سے دیکھ رہا تھا...... وہ خوفزدہ نہیں تھا، مگر حیران ضرور تھا کہ یہ سب کچھ اس کے چلہ پورا کرنے سے پہلے کیسے وقوع پذیر ہو گیا ہے...... وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ بدرُوحوں کی مہارانی بدرُوح عفریتی اسی ٹوٹی ہوئی کھوپڑی میں سے نمودار ہو گی...... اس نے دوبارہ منتروں کا جاپ شروع کر دیا...... ابھی اس نے دوبارہ منتر پڑھنے شروع ہی کئے تھے کہ اچانک وہی ڈراؤنی چیخ ایک بار پھر بلند ہوئی اور ٹوٹی ہوئی کھوپڑی اُچھل کر اتنے زور سے جمشید کے ماتھے سے ٹکرائی کہ وہ پیچھے کو گر پڑا...... موم بتی بجھ گئی تھی...... جمشید پر خوف طاری ہو گیا...... وہ گھبرا کر اُٹھا اور قبر سے نکل کر قبرستان کی ڈیوڑھی کی جانب دوڑنے لگا۔

ڈیوڑھی سے نکل کر وہ بھاگتا ہوا اندھیرے میں اُجاڑ میدان کی سوکھی جھاڑیوں میں اُلجھتا ایک کھیت میں آ کر بیٹھ گیا...... اس کا سانس پھول گیا تھا...... ماتھے پر پسینہ آ گیا تھا...... جسم گرم ہو رہا تھا...... اس کا سانس تیز تیز چل رہا تھا...... اسے کچھ معلوم نہیں

تھا کہ یہ سب کچھ کیا اور کیسے ہو گیا تھا...... وہ گرتا پڑتا اپنے مکان پر آ گیا...... دروازہ کھول کر اُوپر کمرے میں جا کر بستر پر گر پڑا اور گرتے ہی اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ اسے ہوش اس وقت آیا جب اس کے کان میں ملازمہ رانی کی آواز آئی...... یہ آواز اسے دُور سے آتی محسوس ہو رہی تھی، نوکرانی رانی کہہ رہی تھی۔

بابو بیٹا! یہ دوائی پی لو۔

جمشید نے آنکھیں کھول دیں...... اس کی آنکھوں میں سے سینک نکل رہا تھا...... اس نے اُٹھ کر بیٹھنا چاہا، مگر وہ اپنے جسم کو حرکت نہ دے سکا...... اس نے دیکھا کہ وہ اپنے بستر پر اسی حالت میں پڑا ہے...... روشن دان میں سے دن کی روشنی آ رہی ہے...... رانی اس کے پاس بیٹھی ہے اور اس کے ہاتھ میں شیشے کا گلاس ہے جس میں کسی دوائی کا نسواری رنگ کا مکسچر ہے...... جمشید نے بول کر کچھ پوچھنا چاہا، لیکن یہ دیکھ کر اس کے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی کہ اس کی زبان بند ہو گئی تھی...... وہ بول نہیں سکتا تھا...... اس نے منہ کھول کر کچھ کہنا چاہا مگر اس کا منہ بھی نہ کھل سکا...... اس کی صرف آنکھیں حرکت کر رہی تھیں...... باقی سارا جسم جیسے پتھر کی طرح ساکت ہو گیا تھا...... اس کے ساتھ یہ کیا ہو گیا تھا؟

یہ سوچ کر عامل جمشید کا دل ڈوبنے لگا...... وہ سب کچھ سن رہا تھا...... اسے نوکرانی رانی کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی، مگر وہ بول نہیں سکتا تھا...... ہاتھ اُٹھا کر دوائی کا گلاس بھی نہیں پکڑ سکتا تھا...... رانی بے چاری سخت گھبرائی ہوئی تھی...... اس نے جمشید کا منہ کھول کر چمچ سے دوائی ڈالنے کی کوشش کی مگر جمشید کے بند ہونٹ اپنی جگہ پر جم کر سخت ہو گئے ہوئے تھے...... رانی رونے لگی...... اس نے دوائی کا گلاس ایک طرف رکھا اور جلدی سے کمرے میں سے نکل گئی...... تھوڑی ہی دیر بعد وہ محلے کے ایک ڈاکٹر کو لے کر آ گئی...... جمشید اس ڈاکٹر کو جانتا تھا...... اس کا کلینک کالونی کے بازار میں تھا...... ڈاکٹر نے سیتھوسکوپ نکال کر جمشید کے دل کی دھڑکن چیک کی، پھر اس کا

بلڈ پریشر لیا...... جمشید آنکھیں کھولے ڈاکٹر کو دیکھ رہا تھا...... ڈاکٹر نے ہلکی سی تسلی آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"جمشید صاحب! گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے...... آپ بڑی جلدی ٹھیک ہو جائیں گے۔"

ڈاکٹر نے اپنے بیگ میں سے ڈسپوزیبل سرنج نکال کر اس میں ایک چھوٹی سی شیشی کا اُوپر کا حصہ کاٹ کر سرنج میں ٹیکے کی دوائی بھری اور جمشید کے بالکل سیدھے پڑے بازو پر سے آستین اُونچی کی اور بازو میں انجکشن لگانے کے لئے جھکا...... جیسے ہی اس نے جمشید کے بازو میں سرنج کی سوئی چبھونے کی کوشش کی سوئی ٹوٹ گئی...... اسے ایسے لگا جیسے اس نے پتھر میں سوئی چبھوئی تھی...... ڈاکٹر نے جلدی سے جمشید کے بازو کو ٹٹولا...... جمشید کا بازو پتھر کی طرح سخت ہو گیا ہوا تھا...... ڈاکٹر نے اس کے سارے جسم کو ٹٹول کر دیکھا...... اس کا سارا جسم پتھر بن چکا تھا۔

ڈاکٹر حیران رہ گیا...... جمشید کی آنکھیں کھلی تھیں...... ڈاکٹر نے جمشید سے کہا۔

"یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟"

جمشید نے کوئی جواب نہ دیا...... ٹکٹکی باندھے ڈاکٹر کو رحم طلب نظروں سے تکتا رہا...... ڈاکٹر نے جمشید کے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر دبایا، مگر ہونٹ بھی پتھر کی طرح سخت تھے...... ڈاکٹر نے جلدی سے سیٹھوسکوپ بیگ میں رکھی اور رانی سے کہا۔

"انہیں فوراً ہسپتال لے جاؤ۔"

رانی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے...... اس نے جلدی سے محلے کے دو تین آدمیوں کو بلایا اور جمشید کو ٹیکسی میں ڈال کر ہسپتال پہنچا دیا...... اس وقت دن کے گیارہ بجے تھے...... ہسپتال میں ڈاکٹروں نے جمشید کو چیک کیا مگر ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ مریض کو کیا ہو گیا ہے...... سب سے زیادہ ڈاکٹروں کو اس بات کی حیرانی تھی کہ مریض کا جسم پتھر کیوں ہو گیا ہے، نہ اسے انجکشن لگ سکتا تھا...... نہ اسے خوراک دی جا سکتی

تھی...... صرف مریض یعنی جمشید کا دل بدستور دھڑک رہا تھا...... وارڈ کے انچارج ڈاکٹر نے الگ ہو کر اپنے اسسٹنٹ ڈاکٹر سے کہا۔

"یہ شخص تقریباً مر چکا ہے...... صرف دل ابھی تک دھڑک رہا ہے اور آنکھوں میں تھوڑی بہت حرکت ہے...... تھوڑی دیر میں یہ بھی ختم ہو جائے گا۔"

رانی بے چاری جمشید کے بستر کے قریب بنچ پر سوگوار بیٹھی تھی...... جمشید ہسپتال کے بیڈ پر ساکت پڑا وارڈ میں لوگوں کے چلنے پھرنے اور ڈاکٹروں اور نرسوں کی آپس میں باتیں کرنے کی آواز برابر سن رہا تھا...... کالے جادو کے عامل کی حیثیت سے وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ چلہ اُلٹا پڑ گیا ہے اور کچھ دیر بعد اس کا اثر ختم ہو جائے گا اور وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا، لیکن جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے دل کی دھڑکن مدھم پڑتی جا رہی ہے اور اسے اپنی آنکھوں کو حرکت دینے میں دقت پیش آ رہی ہے...... دن کے ایک بجے کے قریب جمشید کے دل کی دھڑکن بند ہو گئی اور اس کے فوراً بعد اس کی آنکھیں بھی پتھرا گئیں۔ وارڈ کی نرس راؤنڈ لگاتے جمشید کے پاس آئی...... اس نے جمشید کی پتھرائی ہوئی آنکھیں دیکھیں تو جلدی سے ڈاکٹر کو بلا لیا...... ڈاکٹر نے آ کر چیک کیا...... رانی جو پریشان صورت لئے پاس ہی کھڑی تھی...... ڈاکٹر نے رانی سے کہا۔

"بی بی! مریض کا کوئی بہن بھائی، کوئی رشتے دار نہیں ہے؟"

رانی نے کہا۔

"جی نہیں ڈاکٹر جی! بابو اکیلا ہی رہتا ہے...... میں اس کی پرانی نوکرانی ہوں۔"

ڈاکٹر نے کہا۔

"بی بی! مریض کا انتقال ہو چکا ہے...... ہمیں پولیس کو رپورٹ کرنی ہو گی۔"

رانی رونے لگی...... جمشید کے دل کی دھڑکن بند ہو چکی تھی...... اس کی آنکھیں پتھرا کر ایک جگہ ساکت ہو گئی تھیں، مگر وہ دیکھ سکتا تھا...... سن سکتا تھا...... ڈاکٹر نے

جب رانی سے کہا کہ مریض مرچکا ہے تو اس نے چیخ کر کہنا چاہا کہ میں مرا نہیں ہوں...... میں زندہ ہوں، لیکن وہ آواز نہ نکال سکا...... تھوڑی دیر بعد پولیس کا ایک سپاہی اور ایک کانسٹیبل وہاں آگئے...... وہ رانی کا بیان کاپی پر لکھنے لگے...... جمشید یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا...... سب کچھ سن رہا تھا...... وہ چیخ چیخ کر کہنا چاہتا تھا کہ میں زندہ ہوں...... میں مرا نہیں ہوں، مگر اس کی آواز اس کے حلق سے باہر نہیں نکل رہی تھی۔

جب کانسٹیبل نے ڈاکٹر سے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب! پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کب تک مل سکے گی۔"

تو جمشید پر سکتہ سا طاری ہو گیا...... پوسٹ مارٹم کا مطلب تھا کہ اب اس کے جسم کو چیرا پھاڑا جائے گا...... ڈاکٹر نے کانسٹیبل سے کہا۔

"آپ کو ایک ڈیڑھ گھنٹے میں پوسٹ مارٹم رپورٹ مل جائے گی۔"

کانسٹیبل نے رانی سے کہا۔

"بی بی! اس آدمی کا کوئی رشتے دار ہو تو بتاؤ...... ہمیں لاش کا پوسٹ مارٹم کرنا ہے...... ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اسے کسی نے زہر تو نہیں دے دیا۔"

رانی نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"یہاں اس کا کوئی رشتے دار نہیں ہے۔"

کانسٹیبل بولا۔

"ٹھیک ہے بی بی...... ہمیں قانونی کارروائی پوری کرنی ہوگی۔"

جمشید کی "لاش" کو پوسٹ مارٹم والے کمرے میں پہنچا دیا گیا...... رانی باہر زمین پر بیٹھ گئی...... پوسٹ مارٹم کرنے والا ڈاکٹر جب جمشید کی "لاش" کا پوسٹ مارٹم کرنے لگا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ لاش پتھر کی طرح سخت ہو چکی تھی...... اس نے اسی وقت وارڈ کے انچارج ڈاکٹر کو اطلاع کر دی...... انچارج ڈاکٹر پولیس کانسٹیبل کو ساتھ لے کر پوسٹ مارٹم روم میں آگیا...... لاش کو ایک بار پھر چیک کیا گیا...... لاش اتنی

سخت ہو چکی تھی کہ پوسٹ مارٹم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا...... پولیس کانسٹیبل نے یہ صورت حال دیکھی تو ایک کاغذ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب یہاں دستخط کر دیجیے، ہمیں ضابطے کی کارروائی پوری کرنی ہے۔"

جب ضابطے کی تمام کارروائی پوری ہو گئی تو جمشید کی "لاش" رانی کے حوالے کر دی گئی...... رانی روتی ہوئی "لاش" کو کسی نہ کسی طرح گھر واپس لے آئی...... جمشید سب کچھ دیکھ رہا تھا...... سب کچھ سن رہا تھا، مگر کسی کو نہیں بتا سکتا تھا کہ وہ زندہ ہے...... اسے مردہ نہ سمجھو، وہ زندہ ہے...... وہ اس تصور سے کانپ رہا تھا کہ اب اس کو زمین میں دفن کر دیا جائے گا...... محلے کے کچھ لوگ جمع ہو گئے...... رانی نے انہیں بتایا کہ اس کے صاحب کا تعلق آتش پرستوں کے ایک خاص فرقے سے تھا اور اس فرقے کا ایک قبرستان شہر سے باہر ابھی تک موجود ہے، چنانچہ "لاش" کو غسل دیا جانے لگا...... جب جمشید کی "لاش" پر پانی ڈالا گیا تو اس نے ایک بار پھر اُونچی آواز میں کہنا چاہا۔

"یہ تم کیا کر رہے ہو...... میں ابھی زندہ ہوں...... میں مرا نہیں ہوں۔"

لیکن وہ آواز ہی نہیں نکال سکا...... اس کی وہاں سنتا کون...... سب یہی سمجھ رہے تھے کہ جمشید عامل کا انتقال ہو چکا ہے اور اب اسے اس کے فرقے کے قبرستان میں دفن کر دیا جائے گا۔

جمشید کی حالت اندر سے بہت بری ہو رہی تھی...... اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہاں سب لوگ اسے مردہ سمجھ رہے تھے، جبکہ وہ زندہ تھا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد اسے زندہ دفن کیا جانے والا تھا...... وہ ان سب کو چیخ چیخ کر کہنا چاہتا تھا کہ مجھے قبر میں مت اتارو...... میں زندہ ہوں...... تم مجھے دفن کر دو گے تو پھر میں ضرور مر جاؤں گا، مگر اس کی آواز ہی بند تھی...... اس کی فریاد کون سنتا؟

محلے کے چند ایک خدا ترس آدمی اسے کفنا کر ایک چارپائی پر رکھ کر اس کے فرقے کے قدیم اور ویران قبرستان میں لے گئے...... قبر پہلے سے کھودی جا چکی

تھی...... وہاں کوئی گورکن تو تھا نہیں...... لوگوں نے خود ہی ایک جگہ دوسری شکستہ قبروں کے درمیان زمین کھود کر ایک گڑھا بنادیا تھا...... جمشید کے زندہ جسم کو مردہ سمجھ کر قبر میں اتار دیا گیا...... پھر مٹی ڈال کر اس کی ایک ڈھیری سی بنادی اور جو چند ایک لوگ جنازے کے ساتھ آئے تھے وہ واپس چلے گئے...... اُدھیڑ عمر نوکرانی رانی قبر پر اکیلی رہ گئی تھی...... اس نے اپنے مذہب کے مطابق مرنے والے کے حق میں دعا مانگی...... قبر پر دو ایک پھول رکھے اور آنسو پونچھتی وہ بھی واپس چلی گئی۔ اب ایسا ہوا کہ جیسے ہی جمشید کی زندہ لاش کو قبر میں اتار کر قبر کو مٹی ڈال کر بند کیا گیا تو جمشید ڈر کے مارے یا کسی اور خوف کے زیر اثر بے ہوش ہو گیا...... اس کے سننے اور محسوس کرنے کی جو حس زندہ تھی وہ بھی ختم ہو گئی...... قبرستان میں سورج ڈھلنے لگا...... شام کے سائے تیزی سے بڑھنے شروع ہو گئے...... شام کے سائے گہرے ہو کر رات کی تاریکی میں بدل گئے اور قبرستان پر پہلے سے زیادہ موت کا سناٹا چھا گیا...... سیاہ ماتمی رات دھیرے دھیرے گزر رہی تھی۔

اب ہم واپس اپنی ہوش رُبا داستان کے اس پہلے مقام پر آتے ہیں جہاں سے ہم نے اسے شروع کیا تھا، جب رات کی تیرگی اور سنسان سناٹے میں ایک قبر کے اندر سے کبھی کسی کے رونے اور کبھی ٹھک ٹھک کی رونگٹے کھڑی کر دینے والی آوازیں آتی تھیں...... یہ قبر عامل جمشید کی ہی تھی، جو قبر میں زندہ دفن کئے جانے کے بعد بے ہوش ہو گیا تھا لیکن جسے اب ہوش آگیا تھا...... ہوش میں آتے ہی جمشید نے سب سے پہلی اور حیرت انگیز تبدیلی یہ محسوس کی کہ اس کا سارا جسم زندہ ہو گیا تھا...... اب وہ اپنے جسم کے ہر عضو کو حرکت دے سکتا تھا...... پہلے وہ صرف سن سکتا تھا، بول نہیں سکتا تھا...... اب بول بھی سکتا تھا...... اس کے دل نے پھر سے دھڑکنا شروع کر دیا تھا اور اسے اپنے جسم میں گرم خون گردش کرتا محسوس ہو رہا تھا...... وہ اپنے پورے اور مکمل ہوش و حواس میں تھا...... اسے سب کچھ یاد آگیا تھا کہ وہ کس طرح اپنے آتش پرست

باپ داداؤں کے ویران قبرستان کی ایک قبر میں عفریتی بدرُوح کو قبضے میں کرنے کے لئے قبر کے مردے کی کھوپڑی پر موم بتی جلائے، کالے جادُو کا چلہ کر رہا تھا...... پھر کس طرح اچانک ایک دھماکے کے ساتھ مردے کی کھوپڑی کا اُوپر والا حصہ اُڑ گیا تھا اور کھوپڑی بڑے زور سے اس کے سر سے ٹکرائی تھی اور وہ زندگی میں پہلی بار خوف زدہ ہو کر وہاں سے بھاگ اُٹھا تھا اور پھر اپنے گھر میں آکر اسے تیز بخار ہو گیا تھا اور بستر پر گرنے کے بعد اس پر سکتہ طاری ہو گیا تھا...... اس کا جسم پتھر کی طرح سخت ہو گیا تھا...... اس کے سننے اور سوچنے کی حس قائم رہی تھی مگر بولنے کی طاقت ختم ہو گئی تھی...... پھر اسے ہسپتال لے جایا گیا جہاں جانے کے بعد اس کے دل کی دھڑکن بھی بند ہو گئی اور آنکھیں بھی پتھرا گئی تھیں اور ڈاکٹر نے اس کی گھریلو ملازمہ رانی کو بتایا تھا کہ مریض مر چکا ہے، حالانکہ وہ زندہ تھا...... سب کچھ سن رہا تھا، مگر بول نہیں سکتا تھا...... ڈاکٹر کو بتا نہیں سکتا تھا کہ میں مرا نہیں...... زندہ ہوں، پھر کس طرح اس کی زندہ لاش کو لوگ نہلانے کے بعد کفن میں لپیٹ کر قبرستان میں لے آئے تھے اور اسے قبر میں دفن کر دیا تھا...... اسے یہ بھی یاد تھا کہ قبر میں دفن ہونے کے بعد اس کے سننے اور سوچنے کی صلاحیت بھی ختم ہو گئی تھی اور وہ بے ہوش ہو گیا تھا اور اب اسے اچانک ہوش آگیا تھا...... اب تک وہ اسی نتیجے پر پہنچا تھا کہ کالے جادو کا چلہ اُلٹ جانے کی وجہ سے مردے کی کھوپڑی اس کے سر کے ساتھ آکر پورے زور سے ٹکرائی تھی...... وہ کھوپڑی جمشید کی آنکھوں کے سامنے تھی...... اس کی ایک آنکھ کے سوراخ میں سے پہلے دھوئیں کی پتلی لکیر نکلی تھی...... پھر ایک کالا بچھو باہر نکل آیا تھا اور کھوپڑی کی آنکھ کے ساتھ اس طرح چمٹ گیا تھا کہ آنکھ کا سوراخ بند ہو گیا تھا، اب جبکہ وہ پوری طرح سے ہوش میں آچکا تھا اسے یقین تھا کہ اس کی زندگی کے چند ایک لمحے ہی باقی رہ گئے ہیں...... وہ قبر میں دفن ہے اور جب قبر کے اندر تھوڑی مقدار کی آکسیجن ختم ہو گئی تو وہ واقعی دم گھٹنے سے مر جائے گا۔

وہ کفن میں لپٹا قبر کے اندر سیدھا لیٹا تھا اور اس نے اپنے آپ کو مرنے کے لئے ذہنی طور پر تیار کر لیا تھا اس نے کفن کے اندر ہی اندر اپنے ہاتھ پیروں کی انگلیاں ہلا کر دیکھیں...... وہ انگلیوں کو ایک زندہ انسان کی طرح ہلا سکتا تھا...... اسے اپنے دل کی دھڑکن واضح طور پر محسوس ہو رہی تھی...... اس کا خیال تھا کہ قبر میں جو تھوڑی بہت آکسیجن موجود ہے وہ دس پندرہ منٹ میں ختم ہو جائے گی اور اس کی سب سے پہلی نشانی یہ ہو گی کہ اس کو سانس لیتے ہوئے زیادہ زور لگانا پڑے گا اور پھیپھڑوں پر زیادہ زور ڈالنا پڑے گا...... اس کے بعد اس کا دم گھٹنے لگے گا اور پھر وہ غش کھا جائے گا اور آہستہ آہستہ موت کی آغوش میں چلا جائے گا۔

اس کے اُوپر سینکڑوں من مٹی پڑی تھی...... قبر سے اس کے باہر نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا...... پھر اس کے پاس کوئی ایسی چیز بھی نہیں تھی کہ جس کی مدد سے وہ قبر کی مٹی کو کھود کر قبر میں سوراخ بنا سکتا...... اس کے جسم سے صرف دو فٹ اُوپر کچی اینٹوں کی چھت سی پڑی ہوئی تھی...... اس نے دو تین بار ہاتھوں سے ان اینٹوں کو کھرچنے کی کوشش بھی کی تھی مگر اینٹوں کی مٹی سخت ہو چکی تھی...... ان تمام کوششوں میں ناکام ہو جانے کے بعد جمشید نے موت کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور اپنے آپ کو مرنے کے لئے تیار کر لیا...... وہ انتظار کرنے لگا کہ کب بند قبر کی آکسیجن کم ہونا شروع ہوتی ہے اور اس کو سانس کھینچنے میں دقت پیش آتی ہے...... اس نے آنکھیں بند کر لیں...... وہ بڑے آہستہ آہستہ سانس لینے لگا، تاکہ آکسیجن کم سے کم استعمال کی جائے...... یہ زندہ رہنے کی شدید خواہش کا قدرتی ردعمل تھا، وگرنہ وہ جانتا تھا کہ اب اس کا زندہ رہنا ناممکنات میں سے ہے۔

قبر کے اندر لیٹا وہ دیر تک ہلکے ہلکے سانس لیتا رہا...... اس نے محسوس کیا کہ آکسیجن میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی...... اس نے دو تین لمبے لمبے سانس کھینچے...... گہرے سانس کھینچنے میں بھی جمشید کو کسی قسم کی معمولی سی بھی دقت محسوس نہ

ہوئی...... پہلے تو وہ بڑا حیران ہوا، پھر اسے خیال آیا کہ ضرور قبر میں کسی جگہ کوئی سوراخ ہے جس میں سے باہر کی تازہ ہوا اندر آ رہی ہے...... اس نے لیٹے لیٹے گردن اُوپر اُٹھا کر قبر کی دیواروں کو غور سے دیکھا...... قبر کی تاریکی میں اسے کوئی سوراخ دکھائی نہ دیا...... اس کا خیال تھا کہ ہو سکتا ہے سوراخ میں سے باہر کی روشنی نظر آ جائے...... اسے لیٹے لیٹے جب کافی وقت گزر گیا اور اس نے سانس لینے میں کسی قسم کی دقت یا دباؤ محسوس نہ کیا تو اس کے اندر زندہ رہنے کی خواہش دوبارہ زندہ ہو گئی۔

اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ہر حالت میں قبر سے باہر نکلنے کی کوشش کرے گا...... اس ارادے کے ساتھ ہی جمشید کے اندر جیسے ایک نئی طاقت پیدا ہو گئی...... قبر کے اندر دو فٹ کی اُونچائی میں کافی گنجائش تھی...... وہ لیٹے لیٹے اُلٹا ہو گیا اور دونوں ہاتھوں سے اس نے لحد کی دیوار کو کھرچنا شروع کر دیا...... لحد کی دیوار کی مٹی پرانی تھی اور کافی سخت تھی...... وہ بیٹھ کر قبر کی دیوار کی مٹی نہیں کھرچ سکتا تھا...... صرف کہنیوں کے بل لیٹ کر ہی ایسا کر سکتا تھا...... وہ بہت جلد تھک گیا اور اس کی دو انگلیوں کے ناخن بھی ٹوٹ گئے...... اس پر گھبراہٹ کی حالت طاری ہونے لگی...... اسے یقین ہو گیا کہ وہ اس قبر میں ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا ہے اور اگر وہ سانس بھی لیتا رہا تو بھی بھوک پیاس سے مر جائے گا...... وہ دیوانہ وار قبر کی دیوار کو کھرچنے لگا، لیکن اس کی زخمی انگلیوں میں درد کی ٹیسیں اُٹھنے لگیں...... بدحواسی میں وہ دیوار پر مکے مارنے لگا۔

اس وقت اگر کوئی باہر سے سنتا تو اسے قبر کے اندر سے ٹھک ٹھک کی گھٹی ہوئی آوازیں سنائی دیتیں، مگر اس اُجاڑ بیابان غیر فرقے کے قبرستان میں تو دن کے وقت کوئی نہیں آتا تھا...... آدھی رات کو وہاں کون ہو سکتا تھا...... جمشید نے تھک کر سر نیچے گرا لیا...... وہ بچوں کی طرح بے اختیار ہو کر رونے لگا، مگر قبرستان میں اس کی آواز سننے والا کوئی نہیں تھا...... وہ کبھی روتے روتے چپ ہو جاتا اور قبر کی دیوار پر زور زور سے مکے مارنے لگتا...... جب مکے مارتے مارتے تھک جاتا تو پھر رونے لگ جاتا...... جب روتے

روتے گلا خشک ہو جاتا تو کراہنے لگتا...... اس کی حالت بڑی عبرت انگیز ہو گئی تھی۔

آخر مایوس ہو کر اس نے اپنا سر قبر کی زمین کے ساتھ لگا دیا اور سسکیاں بھرنے لگا...... قبر میں گہری خاموشی تھی...... ایسی خاموشی اس نے زندگی میں کبھی محسوس نہیں کی تھی...... یہ واقعی موت کی خاموشی تھی...... اس خاموشی میں اسے سرسراہٹ کی سی آواز سنائی دی...... وہ سسکیاں بھرتے بھرتے چپ ہو گیا اور کان لگا کر اس آواز کو سننے اور سمجھنے کی کوشش کرنے لگا...... قبر کی تاریکی میں اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا، لیکن اسے محسوس ہو رہا تھا کہ سرسراہٹ کی یہ آواز قبر کی دائیں جانب والی دیوار سے آ رہی ہے۔

اسے سانپ کا خیال آ گیا...... ہو سکتا ہے یہ کوئی سانپ ہو...... سانپ کے خیال سے اس کے دل پر ذرا سا بھی خوف طاری نہ ہوا...... وہ زندگی اور موت کے درمیان حالت نزع میں پڑا تھا...... ایسی زندگی سے موت ہزار درجے بہتر تھی...... وہ چاہتا تھا کہ سانپ اسے ڈس لے...... کم از کم اسے اس عذاب سے تو نجات مل جائے گی...... سرسراہٹ کی آواز ایسی ہو گئی جیسے قبر کی دیوار پر سے مٹی نیچے گر رہی ہو...... جمشید نے لیٹے لیٹے ہاتھ اُٹھا کر قبر کی دائیں جانب کی دیوار پر پھیرا...... اس کا اندازہ صحیح تھا...... یہاں قبر کی دیوار پر سے ایک جگہ مٹی اپنے آپ آہستہ آہستہ نیچے گر رہی تھی، اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے...... اس نے سوچا ہو سکتا ہے دوسری طرف سے کسی مردار خور جانور نے اس کے جسم کی بو سونگھ لی ہو اور اب زمین میں سوراخ کر کے اس تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہو تا کہ اسے اپنا نوالہ بنائے...... اس نے سوچا ہو سکتا ہے یہ کوئی چوہا ہو...... ایک نہیں بلکہ چوہوں کا ایک ہجوم ہو جو سوراخ کھود کر قبر میں آتے ہی اس کے جسم کی بوٹیاں اُڑانی شروع کر دیں۔

ایسی اندوہناک اور اذیت ناک موت کے خیال سے جمشید کی روح لرز گئی جہاں سے دیوار کی مٹی نیچے گر رہی تھی، اس نے وہاں اپنا ہاتھ رکھ دیا...... زندہ رہنے کی شدید

خواہش ایک دم اس کے اندر جاگ اُٹھی تھی...... اب وہ مرنا نہیں چاہتا تھا، بلکہ کسی بھی طرح سے قبر سے باہر نکل کر زندہ انسانوں میں واپس آ کر زندہ رہنا چاہتا تھا...... اس کے ہاتھ رکھنے کے باوجود قبر کی دیوار کی مٹی برابر نیچے گر رہی تھی اور پھر اس کا ہاتھ دیوار کے اندر دھنس گیا...... دیوار کا ایک حصہ نیچے گر پڑا تھا اور وہاں سے دُھند میں لپٹی ہوئی پھیکی پھیکی روشنی قبر میں آنے لگی تھی۔

جمشید قبر میں جتنا اُٹھ سکتا تھا، اُٹھ کر بیٹھ گیا اور اس روشنی کو تکنے لگا...... ایک دم اسے خیال آیا کہ کسی غیبی طاقت نے اس کی مدد کی ہے اور قبر کی دیوار کھول دی ہے اور یہ پھیکی پھیکی دُھندلی روشنی ستاروں کی روشنی ہے جو باہر سے آ رہی ہے...... جمشید جلدی سے کہنیوں کے بل رینگ کر قبر کے شگاف میں داخل ہو گیا...... اس نے دیکھا کہ دوسری طرف بھی ایک قبر کی لحد تھی جس میں ایک انسانی ہڈیوں کا پنجر پڑا تھا...... ہڈیوں کے پنجر کی گردن کی ہڈی کے قریب ہی ایک انسانی کھوپڑی پڑی تھی جس کا اُوپر والا حصہ غائب تھا اور کھوپڑی کی ایک آنکھ سے سیاہ بچھو چمٹا ہوا تھا...... جمشید نے اس قبر کو اور اس قبر کے ہڈیوں کے پنجر کو پہچان لیا...... یہ وہی قبر تھی جس کے اندر بیٹھ کر اس نے پچھلی رات عفریتی بدرُوح کا چلہ کیا تھا اور پھر ایک چیخ نما دھماکے کی آواز سے مردے کی کھوپڑی اُچھل کر بڑے زور سے اس کے سر سے ٹکرائی تھی اور وہ خوف زدہ ہو کر بھاگ گیا تھا...... وہ رینگتا ہوا اپنی قبر میں سے نکل کر اس دوسری قبر میں آ گیا......

اس قبر میں داخل ہوتے ہی جمشید کی نگاہیں بے اختیار اس طرف اُٹھ گئیں جہاں قبر میں ایک کافی بڑا شگاف تھا...... وہ اسی شگاف میں سے قبر کے اندر چلہ کرنے کی غرض سے داخل ہوا تھا...... دُھندلی پھیکی روشنی میں اس نے دیکھا کہ وہاں اب کوئی شگاف نہیں تھا...... اس نے قبر کی دوسری دیوار کی طرف دیکھا کہ شاید یہ شگاف قبر کی دوسری دیوار میں تھا، مگر وہ دیوار بھی بند تھی۔

یہ قبر بھی چاروں طرف سے بند تھی...... اس نے سوچا شاید یہ وہ قبر نہیں ہے

کوئی دوسری قبر ہے، مگر مردے کا صحیح سالم پنجر اور آدھی ٹوٹی ہوئی کھوپڑی اور کھوپڑی کی ایک آنکھ سے چمٹا ہوا کالا بچھو اس بات کا ثبوت تھا کہ یہ وہی قبر ہے جس میں گزشتہ رات جمشید نے چلہ کاٹنے کی کوشش کی تھی اور ڈر کر بھاگ گیا تھا...... پھر ایسا کیوں ہے کہ اس کی دیوار میں کوئی شگاف نہیں ہے...... کیا یہ شگاف کسی نے باہر سے بند کر دیا تھا؟ مگر کسی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی...... اس قبر کے مردوں کے لواحقین ایک عرصہ ہوا وہاں سے جا چکے تھے اور کئی برسوں سے یہ قبرستان ویران پڑا تھا...... جمشید کی نگاہ کھوپڑی پر پڑی تو وہ اسے سکتے کے عالم میں دیکھتا ہی رہ گیا...... کھوپڑی جو ایک طرف کو ٹیڑھی ہو کر پڑی تھی آہستہ آہستہ سیدھی ہو رہی تھی...... کھوپڑی کا اُوپر والا آدھا حصہ اُڑ چکا تھا......اس کی ایک آنکھ سے جو کالا بچھو چمٹا ہوا تھا وہ ساکت تھا اور بالکل حرکت نہیں کر رہا تھا...... صرف اس بچھو کی دم جس میں زہر بھرا ہوا تھا کسی وقت ہلنے لگتی تھی۔

جمشید سہمی ہوئی آنکھوں سے کھوپڑی کو دیکھ رہا تھا۔

کھوپڑی آہستہ آہستہ سیدھی ہو گئی اور پھر زمین سے دو فٹ بلند ہو کر عین جمشید کی آنکھوں کے سامنے آ گئی...... جمشید چپ چاپ اپنی جگہ پر ساکت بیٹھا اسے تکنے لگا...... کھوپڑی اپنی ایک آنکھ کے سوراخ میں سے جیسے اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی...... جمشید کو ایک بوجھل اور غصیلی مردانہ آواز سنائی دی۔

"سن! اے کالے جادُو کے عامل غور سے سن! تو نے میرے وجود کو ایسا نقصان پہنچایا ہے کہ جس کے لئے میں تجھے کبھی معاف نہیں کروں گا...... تیری وجہ سے میری کھوپڑی کا آدھا حصہ غائب ہو گیا ہے...... میں نے تجھے اپنی گرفت میں لے لیا ہے...... میں تجھ سے اپنے وجود کی بربادی کا ایسا خوفناک بدلہ لوں گا کہ جسے تو مرتے دم تک نہیں بھلا سکے گا۔

جمشید کالے جادُو کا عامل تھا اور بدرُوحوں کو بلا کر ان سے گفتگو کیا کرتا تھا...... وہ

سمجھ گیا کہ اس کا چلہ اُلٹا پڑ جانے کی وجہ سے اس مردے کی سر کی کھوپڑی کو نقصان پہنچا ہے اور اب یہ اس سے ضرور بدلہ لے گا......اسے یہ بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ مردہ کوئی بڑا خطرناک آتش پرست جادُوگر تھا جس کا تعلق اس کے منحرف فرقے سے ہی ہے۔

جمشید نے آواز میں عاجزی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"مجھ سے انجانے میں بڑی بھول ہو گئی ہے...... مجھے اگر پتہ ہوتا کہ یہ تمہارا وجود (پنجر) ہے تو میں اس قبر میں چلہ کرنے کبھی نہ بیٹھتا۔"

بھاری غصیلی آواز نے جواب دیا۔

"اب کچھ نہیں ہو سکتا...... مجھے تو نے جو نقصان پہنچانا تھا پہنچا دیا...... اب تجھے میرے انتقام کی آگ سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔"

جمشید اسی لمحے سمجھ گیا تھا کہ اس کے ساتھ یہ جو کچھ ہوا ہے اور ہو رہا ہے اس شخص کی وجہ سے ہوا ہے اور یہ کوئی بڑا خطرناک اور زبردست شیطانی طاقت والا آتش پرست جادُوگر رہ چکا ہے اور یہی اسے اس عذاب سے باہر نکال سکتا ہے، اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"مجھے معاف کر دو...... مجھ پر رحم کرو اور مجھے یہاں سے باہر نکلنے کا راستہ بتا دو...... میں ہمیشہ تمہارا غلام رہوں گا۔"

غصیلی آواز نے کہا۔

"غلام تو میرا ہو چکا ہے...... میں جو چاہوں گا تیرے ساتھ کروں گا...... میرا پہلا بدلہ یہ ہے کہ تو اب زمین کے اندر قبروں کی دُنیا سے کبھی باہر نہیں جا سکے گا۔"

یہ راکھششوں، ٹھکرائی ہوئی بدرُوحوں، بدکاروں، گھناؤنے گناہ کرنے والوں کی عذاب زدہ آتماؤں کی دُنیا ہے، تو اس آگ اور دلدلوں کی دُنیا میں سسک سسک کر مرے گا اور پھر تیری بدرُوح یہاں قیامت تک بھٹکتی رہے گی۔"

ایک بھیانک قہقہے کے ساتھ ٹوٹی ہوئی کھوپڑی آہستہ آہستہ نیچے آ کر اپنے

ہڈیوں کے پنجر کے پاس گر پڑی...... جمشید اگرچہ ابھی زندہ حالت میں تھا...... خود
بدروح نہیں تھا، لیکن وہ کالے جادو کے عمل سے بدروحوں سے رابطہ کر کے ان سے
گفتگو کیا کرتا تھا...... وہ عالم اسفل کی اس گناہ آلود مخلوق سے مانوس تھا...... چنانچہ اسے
اس قدر حیرت نہیں ہوئی تھی جتنی کہ ایک عام نارمل انسان کو ہو سکتی تھی، مگر وہ زندہ
حالت میں اس مخلوق کے درمیان آجانے سے خوف زدہ ضرور تھا...... اس کے پاس
کالے جادو کے کچھ ایسے منتر بھی تھے جن کو پڑھ کر پھونکنے سے وہ اس زیر زمین
بدروحوں کی دُنیا سے نکلنے کی کوشش کر سکتا تھا...... وہ منتر پڑھنے کے لئے بیٹھ گیا، مگر یہ
دیکھ کر وہ اور زیادہ دہشت زدہ ہو گیا کہ اسے کالے جادو کا ایک بھی منتر یاد نہیں رہا تھا۔

اس نے ذہن پر زور ڈال کر منتروں کو یاد کرنے کی بہت کوشش کی لیکن لگتا تھا کہ
جیسے اس کے ذہن سے کالے جادو کے تمام منتر غائب ہو چکے تھے...... ایک بھی منتر یاد
نہیں آرہا تھا...... وہ گھبرا گیا، لیکن اس نے بہت جلد اپنی گھبراہٹ پر قابو پالیا اور قبر سے
باہر نکلنے کی تدبیریں سوچنے لگا...... یہ قبر بھی پہلی قبر کی طرح چاروں طرف سے بند
تھی...... چھت پر سینکڑوں من مٹی کا بوجھ تھا...... پھیکی پھیکی دُھندلی سی سوگوار روشنی
قبر میں ضرور پھیلی ہوئی تھی...... کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ روشنی کہاں سے آرہی تھی،
عامل جمشید ان ہی پریشان خیالوں میں اُلجھا بیٹھا تھا کہ اسے ایک شور کی گونج کی آواز
سنائی دی...... یہ آواز قبر کی دیوار کی دوسری طرف سے آتی محسوس ہو رہی تھی......
جمشید کان لگا کر اس آواز کو سننے لگا...... یہ آواز آہستہ آہستہ ایک گڑگڑاہٹ میں بدل
گئی...... پھر ایک دھماکے کے ساتھ قبر کی ایک دیوار گر پڑی...... جمشید نے دیکھا کہ
جہاں قبر کی دیوار گری تھی وہاں ایک سرنگ نمودار ہو گئی تھی...... اس اُمید پر کہ شاید
اس سرنگ کے ذریعے اسے زمین کے نیچے سے باہر نکلنے کا راستہ مل جائے، وہ سرنگ
مین داخل ہو گیا۔

سرنگ کی چھت اتنی اُونچی تھی کہ وہ وہاں کھڑا ہو سکتا تھا...... سرنگ مین وہی

دُھندلی دُھندلی پھیکی بیمار سی روشنی تھی...... ایک شور سا بدستور سنائی دے رہا تھا۔
جمشید سرنگ میں چل پڑا...... سرنگ کی اُونچی چھت اور دیواروں کے ساتھ گدلے
رنگ کے کہرے کا غلاف چمٹا ہوا تھا...... یہ مٹیالے بادل کی سرنگ لگ رہی تھی...... اس
نے دیوار کو چھوا تو اسے دیوار گرم لگی...... اس نے جلدی سے ہاتھ پیچھے کر لیا...... وہ
آہستہ آہستہ چل رہا تھا...... پھر ایسا ہوا کہ چلتے چلتے اپنے آپ اس کے پاؤں زمین سے
ایک دو فٹ بلند ہو گئے...... کوئی شیطانی طاقت اسے اپنے آپ آگے کو دھکیل رہی
تھی...... شور اس کے قریب آنے لگا تھا...... پھر یہ شور اتنا بلند ہو گیا کہ جمشید نے اپنے
کانوں کو ہاتھوں سے ڈھانپ لیا، مگر شور بلند سے بلند تر ہوتا چلا گیا...... جمشید کو ایسے
لگنے لگا جیسے یہ شور اس کے اندر سے آرہا ہے...... اس کی رفتار خود بخود تیز ہو گئی۔ کچھ
ہی لمحوں کے بعد وہ سرنگ کی دُھند میں بلند شور کی گونج کے ساتھ تنکے کی طرح اُڑنے
لگا...... سرنگ کی فضا کبھی گرم ہو جاتی اور کبھی ایک دم سرد ہو جاتی...... ایک دفعہ فضا
اتنی گرم ہو گئی کہ جمشید کا جسم جلنے لگا...... اس کی چیخ نکل گئی...... دوسرے لمحے فضا ایک
دم سرد ہو گئی اور جمشید سرنگ میں سے اُچھل کر باہر گر پڑا۔

وہ جہاں گرا تھا وہاں تاریکی ہی تاریکی تھی...... اس نے ایک ہاتھ سے زمین کو
ٹٹولا...... گھبرا کر اس نے اپنا ہاتھ پیچھے کو کھینچنا چاہا مگر اس کی کلائی کسی انسانی پنجر کے
ہڈیوں والے ہاتھ نے پکڑ لی تھی...... اس نے زور سے ہاتھ کو جھٹکا دیا...... ہڈیوں والا
ہاتھ نیچے گر پڑا...... وہ جلدی سے اُٹھ کھڑا ہوا اور اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر
دیکھنے لگا...... اسے اندھیرے میں زمین پر انسانی ہڈیوں کے پنجر بکھرے پڑے نظر
آئے۔ اس نے اُوپر نگاہ ڈالی...... اُوپر وہی مٹیالی دُھند کی چھت تھی...... آہستہ آہستہ
اسے اندھیرے میں نظر آنا شروع ہو گیا...... اس نے دیکھا کہ انسانی ہڈیوں کے پنجر اس
طرح بکھرے پڑے تھے کہ کوئی پنجر آدھا زمین میں دھنسا ہوا تھا...... کسی کی صرف
کھوپڑی اور گردن کی ہڈی باہر تھی اور کسی پنجر کی صرف ٹانگیں اور ہاتھ زمین سے باہر

نکلے ہوئے تھے...... سامنے کی سمت دھوئیں کا غبار سا اُٹھ رہا تھا...... جمشید اس کی طرف بڑھا کہ شاید ادھر سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ مل جائے...... دھواں نسواری رنگ کا تھا۔

وہ دھوئیں کے غبار میں داخل ہو گیا...... سخت ناگوار بو میں اس کا سانس بند ہونے لگا...... وہ دوڑ پڑا اور دوڑتے دوڑتے غبار میں سے باہر نکل گیا...... اب وہ ایک ایسی جگہ کھڑا تھا جہاں اندھیرا کم ہو گیا تھا...... اس کے سامنے سایوں کی وادی تھی جس کے درمیان ایک چھوٹا سا راستہ بنا ہوا تھا...... وہ اس راستے پر چل پڑا...... اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا...... جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہا تھا پیچھے وادی کا راستہ اندھیرے میں چھپتا جا رہا تھا...... چلتے چلتے وہ چھوٹے ٹیلوں کے پاس آ گیا جن کی چوٹیاں تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھیں...... وہ ذرا آگے گیا تو اسے ٹیلوں کے درمیان ایک جھیل دکھائی دی...... جھیل کی سطح تارکول کی طرح سیاہ تھی...... وہ رُک گیا اور سوچنے لگا کہ اب کس طرف کو جائے۔

جھیل کی سیاہ سطح پر دُھند کی پتلی پتلی لہریں حرکت کر رہی تھیں...... اچانک اسے دُھند کی لہروں میں ایک کشتی اپنی طرف آتی دکھائی دی...... وہ غور سے اس کشتی کو دیکھنے لگا...... کشتی ذرا قریب آئی تو جمشید نے دیکھا کہ کشتی میں کوئی بیٹھا چپو چلا رہا ہے...... کشتی بڑی آہستہ آہستہ اور رُک رُک کر کنارے کی طرف آ رہی تھی...... جب کشتی ذرا اور قریب آ گئی تو جمشید کو کشتی میں بیٹھی ہوئی ایک عورت نظر آئی جو دونوں ہاتھوں سے بہت زور لگا کر چپو چلا رہی تھی...... کشتی کنارے پر اس جگہ آ کر رُک گئی جہاں جمشید کھڑا تھا...... کشتی میں بیٹھی ہوئی عورت کچھ دیر ٹکٹکی باندھے جمشید کی طرف دیکھتی رہی...... عورت نے گہرے رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی اور اس کے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے...... جمشید حیرت میں گم تھا کہ اس مُردوں کی وادی میں یہ زندہ عورت کہاں سے نمودار ہو گئی ہے...... عورت بالکل زندہ حالت میں تھی اور اس کی سیاہ آنکھوں میں زندگی کی چمک موجود تھی...... جمشید کو فوراً خیال آ گیا کہ وہ زمین سے باہر آ چکا ہے اور یہ آتش پرستوں کے قبرستان سے دُور کوئی ایسا علاقہ ہے جو

ابھی تک اس کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔

ایک زندہ عورت کو اپنے سامنے دیکھ کر اس کے دل میں زندہ رہنے کی ساری توانائیاں اور زندگی کے سارے جذبے بیدار ہو گئے...... اس نے عورت سے کہا۔

"مجھے جھیل سے پار اتار دو...... میں راستہ بھول کر ادھر آ گیا تھا۔"

کشتی میں بیٹھی ہوئی عورت ٹکٹکی باندھے جمشید کو تکتی رہی...... جب جمشید نے بے تاب ہو کر دوسری بار عورت سے جھیل کے پار لے جانے کیلئے کہا تو عورت بولی۔

"کشتی میں بیٹھ جاؤ۔"

جمشید فوراً کشتی میں بیٹھ گیا...... کشتی میں بیٹھتے وقت اس نے محسوس کیا کہ کشتی اس کے بیٹھنے سے بالکل نہیں ڈگمگائی تھی...... وہ پراسرار عورت کشتی کے ایک سرے پر بیٹھی تھی...... جمشید کشتی کے درمیان بیٹھ گیا...... عورت مسلسل اسے تک رہی تھی...... جمشید نے پوچھا۔

"یہ شہر کا کون سا علاقہ ہے؟ پہلے تو میں نے یہاں کوئی جھیل نہیں دیکھی۔"

پراسرار عورت نے کوئی جواب نہ دیا اور کشتی کو گھما کر واپس لے جانے لگی، تب جمشید نے دیکھا کہ جھیل کا پانی جو تارکول کی طرح سیاہ تھا اتنا بھاری اور گاڑھا ہے کہ عورت کو چپو چلاتے وقت کافی زور لگانا پڑ رہا ہے...... وہ بڑا حیران ہوا کہ اس جھیل کا پانی اتنا گاڑھا اور بھاری کیسے ہو گیا ہے...... اس نے عورت سے کہا۔

"تم یہاں آ کر بیٹھ جاؤ...... میں کشتی چلاتا ہوں۔"

عورت نے چپو چلاتے چلاتے ہاتھ روک لئے اور اس کا نام لے کر بولی۔

"اپنی جگہ پر چپ چاپ بیٹھے ہو۔"

اور دوبارہ چپوؤں کے ساتھ زور آزمائی کرنے لگی...... لگتا تھا کہ کشتی تاریک دلدل کے اُوپر چل رہی ہے...... کشتی رُک رُک کر دوسرے کنارے کی طرف جا رہی تھی...... اس وقت جمشید کا یہ شک یقین میں بدل گیا کہ وہ ابھی عذاب زدہ گناہ گار

مردوں کی دُنیا میں ہی ہے...... وہ ٹھنڈا سانس بھر کر رہ گیا...... کشتی جوں کی رفتار
ساتھ سیاہ کالی جھیل کی دلدل میں دوسرے کنارے کی طرف بڑھ رہی تھی...... جمشید
سے نہ رہا گیا...... وہ اس معمے کو حل کرنا چاہتا تھا کہ وہ کہاں ہے اور جہاں ہے وہ کون
جگہ ہے اور وہاں سے کیسے باہر نکلا جا سکتا ہے...... اس نے عورت سے سوال کیا۔

"یہ کون سی جگہ ہے اور تم کون ہو اور تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟"

عورت نے فوراً جواب نہ دیا...... کچھ دیر خاموشی سے چپو زور لگا لگا کر چلاتی رہی
پھر بولی۔

"مجھے تمہارے بارے میں سب کچھ معلوم ہے...... ابھی خاموش ہو کر بیٹھے
رہو...... اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔"

جمشید خاموش ہو گیا...... اس کے بعد اُس نے کوئی سوال نہ کیا۔

کافی دیر کے بعد کشتی جھیل کے دوسرے کنارے پر آکر رُک گئی...... عورت
نے دھیمی آواز میں کہا۔

"آواز مت نکالنا...... میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔"

عورت کشتی سے اُتر گئی...... جمشید بھی اس کے پیچھے اُتر گیا...... عورت ایک
طرف کو چل پڑی...... جمشید اس کے پیچھے چلنے لگا...... فضا میں اسی طرح گھٹن کا احساس
تھا اور مٹیالی دُھند پھیلی ہوئی تھی...... دونوں جانب اندھیرا تھا...... اس اندھیرے میں
کہیں کہیں مکانوں کے دروازے سے نظر آرہے تھے...... اندھیرے کی دُھند میں
ڈوبے مکانوں کے صرف دروازے ہی دکھائی دے رہے تھے۔ کسی مکان کا دروازہ کھلا
تھا...... کسی مکان کا دروازہ بند تھا...... ایک مکان کے کھلے دروازے کے قریب سے
گزرتے ہوئے جمشید کو اندر سے کسی کے رونے اور سسکیاں بھرنے کی دبی ہوئی آواز
سنائی دی...... خوف کی ایک سرد لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی...... وہ جلدی سے قدم
بڑھا کر پراسرار عورت کے قریب ہو گیا...... وہ اس سے ان پراسرار مکانوں اور ایک

مکان کے دروازے کے اندر سے آتی سسکیوں اور رونے کی آواز کے بارے میں
پوچھنے ہی والا تھا کہ اسے خیال آگیا کہ پراسرار عورت نے اسے بولنے سے منع کیا ہوا
ہے...... پراسرار مکان پیچھے رہ گئے۔

ساڑھی والی پراسرار عورت اس کے آگے آگے چل رہی تھی...... مٹیالی روشنی
کی دُھند میں اس کا ہیولا سا ہی دکھائی دے رہا تھا...... کچھ دُور چلنے کے بعد بائیں جانب
پھر ایک مکان کا دروازہ آگیا...... عورت وہاں پہنچ کر رُک گئی ...... جمشید بھی رُک گیا
اور مکان کو تکنے لگا...... مکان کی اُوپر والی منزل دُھند کی لہروں میں چھپی ہوئی تھی۔
دروازے کا ایک پٹ کھلا تھا...... ڈیوڑھی میں تاریکی ہی تاریکی تھی...... یہ کسی پرانی
شکستہ حویلی کا دروازہ لگ رہا تھا...... عورت نے جمشید کو ہاتھ سے پیچھے آنے کا اشارہ کیا
اور مکان میں داخل ہو گئی...... جمشید اس کے پیچھے پیچھے مکان کی ڈیوڑھی میں آگیا......
اندھیرے میں اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا...... عورت نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
عورت کا ہاتھ برف کی طرح ٹھنڈا تھا...... وہ اسے اپنے ساتھ چلاتی اندھیری ڈیوڑھی
میں سے گزر گئی...... سامنے ایک تنگ دالان تھا جہاں وہی پھیکی پھیکی نسواری رنگ کی
بیمار روشنی تھی...... دالان کے کونے میں ایک کوٹھڑی تھی جس کا دروازہ بند تھا......
پراسرار عورت نے جمشید کا ہاتھ چھوڑ دیا اور دھیمی آواز میں بولی۔

"بولنا مت۔"

دالان کے اُوپر بھی وہی مٹیالی دُھند کی چادر پھیلی ہوئی تھی...... سامنے صرف
کونے والی کوٹھڑی کا دروازہ ہی دُھندلا دُھندلا نظر آرہا تھا۔

پراسرار عورت جمشید کو اس کوٹھڑی میں لے گئی۔

کوٹھڑی میں گھپ اندھیرا چھا رہا تھا...... عورت نے کہا۔

"ٹھہرو...... میں دیا جلاتی ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی اندھیرے میں ایک دیئے کی لو ٹمٹمائی...... جمشید نے دیکھا کہ

عورت کے ہاتھ میں مٹی کا ایک چھوٹا دیا جل رہا تھا...... اس نے دیئے کو دیوار کے طا
میں رکھ دیا...... جمشید نے کوٹھڑی کا جائزہ لیا...... یہ ایک تنگ سی کوٹھڑی تھی جس
دیواریں بوسیدہ ہو رہی تھیں...... ایک طرف مٹی کا دو فٹ اُونچا چبوترہ تھا...... عور
نے جمشید سے کہا۔

"چبوترے پر بیٹھ جاؤ۔"

جمشید خاموشی سے وہاں بیٹھ گیا...... عورت سامنے والی دیوار کے پاس جا کر جھک
گئی اور زمین کی مٹی ہٹا کر اندر سے مٹی کا ایک چھوٹا سا مٹکا نکال کر لے آئی...... اس نے
مٹکا چبوترے پر رکھا اور خود بھی وہاں بیٹھ گئی...... کہنے لگی۔

"میں سب سے پہلے تمہیں ایک شے دکھانا چاہتی ہوں۔"

مٹکے کا منہ کپڑے سے بند تھا...... اس نے مٹکے کے منہ سے کپڑا ہٹا دیا اور مٹکے
چبوترے پر اُلٹ دیا...... اندر سے ہڈیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے نکلے...... ان میں
ایک گرد آلود انسانی کھوپڑی بھی تھی...... پراسرار عورت کہنے لگی۔

"میرے جسم کی ہڈیاں ہیں...... یہ میری کھوپڑی ہے۔"

جمشید یہ سنتے ہی حیرت میں ڈوب گیا اور پراسرار عورت کو تکنے لگا...... دیئے کی
کمزور سی روشنی میں پراسرار عورت کی سیاہ آنکھوں میں ایک پراسرار مقناطیسی چمک
تھی...... وہ سانولے رنگ کی عورت تھی...... اس کی عمر تیس سال سے زیادہ کی نہیں
لگتی تھی...... چہرے کے نقش پرکشش تھے...... جمشید اسی وقت سمجھ گیا کہ یہ عورت
بھی کوئی بھٹکی ہوئی بدرُوح ہے...... وہ کچھ پوچھنے لگا تو پراسرار عورت نے اپنا ٹھنڈی
انگلیوں والا ہاتھ جمشید کے ہونٹوں پر رکھ دیا اور بولی۔

"تمہیں کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے...... میں تمہیں خود ہی سب کچھ بتا دوں
گی...... میں اسی لئے تمہیں یہاں لائی ہوں۔"

پراسرار عورت نے ہاتھ نیچے کر لیا...... ایک نظر جلتے ہوئے دیئے کی لو پر ڈالی،

پھر جمشید کو دیکھا اور کہنے لگی۔

"میرا نام آرتی ہے...... بھارت کے شہر اُجین میں ایک ناچنے گانے والی کے ہاں
میرا جنم ہوا...... میں نے گناہ اور پاپ کے ماحول میں آنکھ کھولی...... ذرا ہوش سنبھالا تو
میری ماتا مجھے ایک گاؤں میں اپنی ایک سہیلی کے ہاں چھوڑ آئی...... وہ نہیں چاہتی تھی
کہ میں بھی ناچنے گانے کا دھندا کروں...... وہ مجھے گناہ کی دُنیا سے دُور رکھنا چاہتی
تھی...... میں اپنی ماتا کی سہیلی کے ہاں رہنے لگی...... میری ماتا مجھ سے ہر مہینے آ کر مل
جایا کرتی تھی...... ماتا جی کی سہیلی گاؤں کے مندر کی پجاری کی بیٹی تھی...... جوان ہوئی تو
میری ماتا جی اگلی دُنیا کو چلی گئیں...... ان کی موت کے بعد میں نے پر پرزے نکالنے
شروع کر دیئے...... گناہ کے جراثیم میرے خون میں پہلے سے موجود تھے...... میرے
گاؤں کے ایک گوالے سے ناجائز تعلقات بن گئے...... ماتا جی کی سہیلی کو پتہ چلا تو اس
نے اپنے بھائی کے بیٹے سے میرا بیاہ کر دیا...... اس کا نام کندن لال تھا...... کندن لال
گاؤں کے مندر کے باہر پھول بیچا کرتا تھا...... وہ کمزور ہونے کی حد تک بھلا مانس
تھا...... مجھے ایسا ہی پتی چاہئے تھا...... میں نے بہت جلد اسے اپنا مطیع بنا لیا اور اپنے عاشق
گوالے سے ملنا شروع کر دیا...... بھگوان جانے کہاں سے میرے پتی کندن لال کے اندر
کا مرد جاگ اُٹھا...... ایک دن اس نے ہم دونوں کو ایسی حالت میں دیکھ لیا کہ جس حالت
میں اپنی پتنی کو دیکھ کر کوئی بھی پتی اسے قتل کر سکتا ہے...... کندن لال نے اس وقت تو
کچھ نہ کہا، مگر اس نے میرا گھر سے نکلنا بند کر دیا...... میرے گوالے عاشق نے مجھ پر
جادو سا کر دیا تھا...... جب اس کی جدائی میری برداشت سے باہر ہو گئی تو میں اپنے ایک
واقف سپیرے سے ایک زہریلا سانپ پٹاری میں بند کر کے لے گئی اور پٹاری چارپائی
کے نیچے رکھ دی...... رات کو جب کندن لال سو گیا تو میں نے پٹاری کھول کر زہریلا
ناگ اس پر اُلٹ دیا اور خود کوٹھڑی سے نکل گئی...... جب سویرا ہوا تو میں کوٹھڑی کا
دروازہ کھول کر اندر گئی...... میرا پتی مردہ پڑا تھا...... سانپ نے اسے ڈس کر ہلاک کر دیا

تھا...... میں نے رونا شروع کر دیا...... گاؤں والے جمع ہو گئے...... میں نے انہیں بتایا کہ میرے پتی کو سانپ نے کاٹ لیا ہے...... میں بیوہ ہو گئی، مگر اپنے گاؤں والے عاشق کو نہ چھوڑا...... ایک وقت آنے پر میرے عاشق کا جی مجھ سے بھر گیا...... اس نے دھوکے سے مجھے بمبئی کے ایک دلال کے ہاتھ فروخت کر دیا...... وہ دلال مجھے بمبئی لے گیا اور وہاں لے جا کر اس نے مجھے بمبئی کے رنڈیوں کے بازار پارس سٹریٹ کے ایک کوٹھے پر بٹھا دیا...... اب میں بھی طوائف بن گئی...... اس قسم کی گناہ آلود زندگی کی میں عادی تھی...... میں بدکاری اور گناہ کی دلدل میں دھنستی چلی گئی...... میرا سارا وقت بدمعاشوں، قاتلوں اور جرائم پیشہ لوگوں میں گزرتا...... آخر میرا بھی وہی انجام ہوا جو اس قسم کے گناہ آلود ماحول میں اکثر ہوا کرتا ہے...... میں ایک بدمعاش کے ہاتھوں قتل ہو گئی...... ہم ہندو مذہب کے ماننے والے آواگون پر یقین رکھتے ہیں...... ہمارا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد ہمارے کرموں کے مطابق دوسرا جنم ہوتا ہے، میرے ساتھ بھی یہی ہوا...... میرا دوسرا جنم میرے برے کرموں کے مطابق لومڑی کے رُوپ میں ہوا...... جب میں مر گئی تو میرا تیسرا جنم کتیا کے رُوپ میں ہوا...... اسی طرح کئی ایک جنم لینے کے بعد آخر میں نے اپنی ہی بدرُوح کی شکل میں جنم لے لیا...... مجھے دوزخ کے عذاب سے تو مکتی (نجات) نہیں مل سکی لیکن مجھے بھگوان نے ایک موقع ضرور دیا ہے کہ اگر میں بدرُوح کے رُوپ میں بھلائی کے کام کروں اور دوسروں کی مدد کروں تو میرا جنم جنم کا چکر ختم ہو سکتا ہے...... یہی وجہ ہے کہ جب مجھے پتہ چلا کہ ایک انسان زمین کی دُنیا میں سخت مشکل میں ہے جس کو ایک خطرناک اور گناہ گار آتش پرست جادُوگر کی بدرُوح نے اپنے قابو میں کر رکھا ہے تو میں فوراً تمہاری مدد کو آ گئی۔"

پراسرار عورت یعنی آرتی اپنی داستان سنانے کے بعد خاموش ہو گئی۔

عامل جمشید بڑی توجہ سے آرتی کی کہانی سنتا رہا تھا۔

اس کا اپنا تعلق قدیم آتش پرستوں سے تھا اور ہندو بھی آگ کی پوجا کرتے تھے...... وہ آگ کو اگنی دیوی کہتے ہیں اور اپنے مرنے والوں کو اسی کے یعنی آگ کے ہی سپرد کر کے جلا دیتے ہیں اور جمشید ہندو مت کے ماننے والوں کے آواگون یعنی بار بار جنم لینے کے عقیدے سے بھی بخوبی واقف تھا، چنانچہ پراسرار عورت یعنی آرتی کی کہانی ساری اس کی سمجھ میں آ گئی تھی...... اب اسے پکا یقین ہو گیا تھا کہ وہ زمین کے نیچے بدرُوحوں اور شیطانی مخلوق کی دُنیا میں آ گیا ہے...... وہ نسطور جادُوگر کی بدرُوح کے شکنجے سے نکل کر اپنی انسانوں کی دُنیا میں واپس جانا چاہتا تھا...... یہ اتنا آسان کام نہیں تھا، جبکہ عامل جمشید کا کوئی کالے جادُو کا منتر بدرُوحوں کی دُنیا میں آنے کے بعد کام نہیں کر رہا تھا...... وہ جان گیا تھا کہ اس مشکل میں صرف یہی بدرُوح عورت آرتی اس کے کام آ سکتی ہے، جبکہ وہ اس کی مدد کرنے کے لئے تیار بھی تھی...... وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ان بدرُوحوں کے پاس اپنی طاقتیں ہوتی ہیں اور وہ ہر قسم کے جادُو ٹونے کا مقابلہ کر سکتی ہیں، چنانچہ آرتی کی داستان سننے کے بعد اس نے آرتی سے کہا۔

"مجھ سے ان جانے میں ایک بھول ہو گئی ہے...... میں عفریتی بدرُوح کو قابو کرنے کی غرض سے اس کا چلہ کاٹنے ایک قبر میں بیٹھ گیا تھا...... مجھے نہیں معلوم تھا کہ

وہ قبر قدیم زمانے کے ایک خطرناک آتش پرست جادوگر نسطور کی قبر ہے...... میری کسی غلطی سے چلہ اُلٹا پڑ گیا اور نسطور جادوگر کی کھوپڑی ٹوٹ گئی اور اس کا آدھا حصہ الگ ہو گیا...... اسی لمحے نسطور جادوگر کی بدرُوح غضبناک ہو کر میرے سامنے آ گئی اور اس نے اپنے وجود کی تباہی کا بدلہ لینے کے لئے بدرُوحوں کی اس زمین دوز دُنیا سے باہر نکلنے کے تمام راستے میرے لئے بند کر دیئے...... اس نے یہ بھی کہا کہ یہ میرا پہلا بدلہ ہے...... اس کے بعد اس کے انتقام کا سلسلہ جاری رہے گا۔"

آرتی کہنے لگی۔

"تمہیں یہ سب کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے، مجھے سب معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے۔"

جمشید نے عجز و انکساری سے کہا۔

"تم بھی اگنی دیوی کی پوجا کرتی ہو...... میں بھی آتش پرستوں کے قبیلے میں سے ہوں، میری مدد کرو اور کسی طرح مجھے یہاں سے باہر نکال دو۔"

بدرُوح آرتی نے کہا۔

"میں نسطور جادوگر کا مقابلہ نہیں کر سکتی...... اس کی شیطانی طاقت مجھ سے بہت زیادہ ہے...... اسے اگر ذرا سا بھی شک ہو گیا یا اسے ذرا سی بھی بھنک پڑ گئی کہ میں تمہاری مدد کر رہی ہوں تو وہ مجھے جلا کر راکھ کر سکتا ہے۔"

جمشید نے ناامید ہو کر کہا۔

"تو کیا میں اب کبھی زندہ انسانوں کی دُنیا میں واپس نہیں جا سکوں گا؟"

آرتی بولی۔

"اگر ایسی بات ہوتی تو میں خود تمہاری مدد کرنے تمہارے پاس نہ آتی...... یہ میرا آخری جنم ہے...... اگر میں نے اس جنم میں بھلائی کے کام کیئے...... دُکھی لوگوں کی سیوا کی تو مجھے مکتی مل جائے گی...... تمہیں یہاں سے نکالنے کے لئے مجھ سے جو ہو سکا میں

کروں گی، لیکن تمہیں بڑی احتیاط سے کام لینا ہو گا...... میں جیسے کہوں ویسے کرنا ہو گا...... اس میں اگر میری جان جا سکتی ہے تو تمہاری جان کو بھی خطرہ ہے...... نسطور جادوگر پھر تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

جمشید کہنے لگا۔

"میں حیران ہوں کہ اس نے مجھے زندہ کیوں چھوڑ دیا۔"

"مجھے قبر کے اندر ہی ہلاک بھی کر سکتا تھا۔"

آرتی نے کہا۔

"وہ تمہیں اذیت دے کر آہستہ آہستہ مارنا چاہتا ہے، اس طرح اس کے انتقام کے جذبے کو تسکین ملتی رہے گی...... بدرُوحیں اسی طرح اپنے دشمنوں سے بدلہ لیا کرتی ہیں۔"

جمشید بولا۔

"تم جو کہو گی میں وہی کروں گا۔"

آرتی نے کہا۔

"میں تمہیں یہاں نہیں رکھنا چاہتی...... یہ جگہ تمہارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔"

جمشید نے پوچھا۔

"یہ کون سی جگہ ہے اور یہاں جو مکان ہیں ان میں کون رہتا ہے؟"

آرتی کہنے لگی۔

"ان مکانوں میں ان آتش پرستوں کی بدرُوحیں رہتی ہیں جنہوں نے دُنیا میں یتیموں اور بیواؤں کی زمین پر ناجائز طور پر قبضہ کر کے اپنے مکان بنا لئے تھے...... مرنے کے بعد ان کی گناہ گار رُوحوں کو یہ سزا دی گئی ہے کہ وہ ان ویران مکانوں میں بھٹکتی پھرتی ہیں اور اپنی اولادوں کو پکارتی رہتی ہیں جو ان کی اب کوئی مدد نہیں

کر سکتیں...... میں تمہیں یہاں سے دُور ایک دوسری جگہ لے جاؤں گی۔"

"کیا نسطور جادُوگر کی بدرُوح وہاں نہیں آجائے گی؟"

جمشید نے سوال کیا۔ آرتی بولی۔

"میں تمہیں ایسی جگہ چھپا کر رکھوں گی جس جگہ کا جادُوگر نسطور کی بدرُوح کو گمان بھی نہیں ہو سکے گا...... میرے ساتھ آؤ۔"

آرتی کی بدرُوح جمشید کو لے کر ویران حویلی سے باہر نکل آئی...... باہر وہی ہلکے نسواری رنگ کی پھیکی دُھند پھیلی ہوئی تھی...... آرتی کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے جمشید ایک بار پھر ان مکانوں کے قریب سے گزرا جن کی اُوپر والی منزلیں دُھند میں ڈوبی ہوئی تھیں اور کسی مکان کا دروازہ آدھا کھلا تھا اور کسی مکان کا دروازہ پورا بند تھا...... ان مکانوں کے قریب سے گزرتے ہوئے جمشید نے بڑی درد انگیز مردانہ آوازیں سنیں...... جن مکانوں کے دروازے بند تھے ان کے اندر سے کسی مرد کی آواز رو رو کر اپنی اولادوں کے نام لے لے کر انہیں مدد کے لئے پکار رہی تھی، جن مکانوں کے دروازے آدھے کھلے تھے ان کے اندر سے رونے کی آوازیں آرہی تھیں...... دونوں ایک بار پھر اسی سیاہ تار کول ایسی جھیل پر آگئے۔

آرتی نے جمشید کو کشتی میں اپنے ساتھ بٹھایا اور چپو چلانے لگی...... جمشید نے کہا۔

"آرتی! لاؤ اب میں چپو چلاتا ہوں...... تم تھک گئی ہو گی۔"

آرتی بدرُوح بولی۔

"تم یہ چپو نہیں چلا سکو گے۔"

مگر جمشید نہ مانا اور چپو تھام کر بیٹھ گیا...... جیسے ہی اس نے جھیل کے تار کول ایسے گاڑھے اور سیاہ پانی میں چپو چلانے کی کوشش کی تو اسے محسوس ہوا کہ جیسے جھیل کا گاڑھا پانی پتھر کی طرح سخت ہو گیا ہے اور دونوں چپو اس میں جامد ہو گئے ہیں...... آرتی نے جلدی سے چپو خود سنبھال لئے اور آہستہ آہستہ مگر زور لگا کر انہیں چلانے لگی......

اس نے کہا۔

"یہ میرا عذاب ہے...... اسے تم نہیں اُٹھا سکتے...... ہاں اگر تم نے دُنیا میں نیک کام نہ کئے اور گناہ کے کام کرتے رہے تو مرنے کے بعد تمہاری گناہ گار رُوح بھی اسی عذاب میں مبتلا ہو جائے گی۔"

جمشید کا دل خوف سے کانپ اُٹھا...... کشتی جھیل میں رُک رُک کر چلی جارہی تھی...... جھیل کی سطح کالی سیاہ تھی...... دُھند آہستہ آہستہ کم ہو رہی تھی...... جھیل کا پاٹ چوڑا ہو گیا تھا...... دُور جھیل کے اُوپر سیاہ بادل سا دکھائی دے رہا تھا۔

کشتی کا رُخ اسی بادل کی طرف تھا...... جمشید نے آرتی سے پوچھا۔

"یہ جھیل کے اُوپر بادل سا کیا ہے؟"

آرتی نے کہا۔

"جسے تم بادل سمجھ رہے ہو ہم وہیں جارہے ہیں، لیکن اگر تم خاموش ہی رہو تو بہتر ہو گا...... ہماری باتیں فضا میں موجود دُشمن بدرُوحوں تک پہنچ سکتی ہیں۔"

جمشید بالکل چپ ہو گیا۔

کشتی دیر تک چلتی رہی...... دُھند کی چادر پتلی ہو گئی تھی، جس کو جمشید بادل سمجھ رہا تھا وہ بادل نہیں تھا بلکہ چھوٹی بڑی سیاہ رنگ کی چٹانیں تھیں جو جھیل کی سطح سے باہر نکلی ہوئی تھیں...... کوئی چٹان مخروطی یعنی تکونی تھی...... کوئی چوڑی اور بہت بڑی تھی اور اس کے اُوپر کالے برج بنے ہوئے تھے...... ہر چٹان کے گرد دُھند کی لہریں لپٹی ہوئی تھیں...... کشتی ان چٹانوں کے درمیان سے گزر رہی تھی...... ان سیاہ فام بلند و بالا خاموش ساکت چٹانوں کو دیکھنے ہی سے جمشید پر ایک ہیبت طاری ہو رہی تھی...... وہاں کوئی آواز نہیں تھی...... جھیل کا سیاہ پانی گاڑھا ہونے کی وجہ سے چپو کے چلنے کی آواز بھی نہیں آرہی تھی...... چٹانیں بہت قریب قریب آگئیں...... ان کے درمیان کالے پانی کی گلیاں سی بن گئی تھیں...... کتنی ہی ہیبت ناک چٹانوں کے درمیان سے گزرنے

کے بعد آرتی کشتی کو ایک بہت بڑی چٹان کے عقب میں لے آئی...... اس سیاہ فام چٹان کی چوڑی دیوار جھیل میں سے نکل کر بالکل سیدھی اُوپر تک چلی گئی تھی...... چٹان کے اُوپر دو تین برج جمشید کو نظر آئے...... یہ برجوں والی چٹان تھی...... چٹان کے عقب میں جھیل کا پانی ایک بہت بڑے غار میں داخل ہو گیا تھا...... آرتی کشتی کو غار کے اندر لے گئی۔

غار ایک کشادہ سرنگ کی طرح تھی جس کی دیواروں میں سے سیاہ پانی رس رہا تھا اور اس کے موٹے موٹے قطرے پانی میں ٹپک رہے تھے...... کشتی آہستہ آہستہ غار کے اندر بڑھ رہی تھی...... ایک جگہ سے اچانک کسی عورت کی تکلیف دہ چیخ کی آواز بلند ہوئی...... جمشید سہم گیا...... وہ آرتی سے اس چیخ کے بارے میں پوچھنے ہی والا تھا کہ آرتی نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا...... چیخ کی آواز غار میں کچھ دیر تک گونجتی رہی، پھر غائب ہو گئی...... کشتی غار کے اندر ایک ایسی جگہ پر آ گئی جہاں غار کی دیوار میں گول شگاف بنا ہوا تھا...... اس شگاف کے باہر پتھر کی سیڑھیاں تھیں جو جھیل کے سیاہ پانی میں اُتر گئی تھیں...... آرتی نے کشتی ان سیڑھیوں کے ساتھ لگا دی اور آہستہ سے کہا۔

"میرے ساتھ آؤ۔"

شگاف کے اندر پتھروں میں چند قدم چلنے کے بعد دیوار میں ایک زینہ اُوپر کو جاتا تھا...... آرتی زینہ چڑھنے لگی...... جمشید اس کے پیچھے تھا...... زینہ تھوڑا سا گھوم کر اُوپر جا کر ختم ہو گیا...... آگے کالے پتھروں کی ایک تنگ سی چوکھٹ تھی...... چوکھٹ کے پاس آ کر آرتی رُک گئی...... جمشید اس کے پیچھے تھا...... آرتی نے اپنے ہونٹ جمشید کے کان کے پاس لا کر سرگوشی میں کہا۔

"چاہے کچھ ہو جائے...... خاموش رہنا۔ یہاں ٹھہر جاؤ۔"

اتنا کہہ کر آرتی نے جیسے ہی چوکھٹ کے اندر قدم رکھا ایک انسانی ڈھانچہ دیوار

میں سے نکل کر اس کے سامنے آ گیا...... ڈھانچے کی پسلیوں کی ہڈیوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے سانپ لپٹے ہوئے تھے...... اس کی کھوپڑی کا منہ کھلا تھا...... ڈھانچے نے اپنے دونوں پنجے آرتی کو دبوچنے کے لئے آگے بڑھائے، آرتی نے اپنے بازو اُوپر اُٹھا دیئے اور کسی عجیب و غریب شیطانی زبان میں کوئی منتر پڑھا...... منتر کے پڑھتے ہی انسانی ڈھانچے نے اپنے ہاتھ پیچھے کر لئے اور جس دیوار میں سے نکلا تھا اسی دیوار میں غائب ہو گیا۔

آرتی نے جمشید کو پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور جمشید اس کے پیچھے چل پڑا...... وہ ایک تنگ سرنگ میں سے گزر کر ایک ایسی کوٹھڑی میں آ گئے جس کی ایک کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور باہر سے دُھندلی دُھندلی روشنی اندر آ رہی تھی...... کوٹھڑی کا فرش سیاہ پتھر کا تھا...... دیواریں بھی سیاہ پتھریلی تھیں...... ایک جگہ دیوار میں ایک طاق بنا ہوا تھا...... طاق میں پتھر کی ایک مورتی کا صرف سر ہی نظر آ رہا تھا...... مورتی کا چہرہ بڑا ڈراؤنا تھا...... آرتی نے مورتی کے آگے کھڑے ہو کر ہاتھ جوڑ کر کوئی منتر پڑھا اور بولی۔

"ماتا! تو سب کچھ جانتی ہے۔ اس انسان سے ایک غلطی ہو گئی ہے اور یہ نسطور جادوگر کی بدرُوح کی پکڑ میں آ گیا ہے...... یہ اپنے کیے پر پچھتا رہا ہے...... میں اسے واپس انسانوں کی دُنیا میں پہنچانا چاہتی ہوں، مگر تیری سہائتا (مدد) کے بغیر میں ایسا نہیں کر سکتی، مجھے شکتی دے کہ میں اسے نسطور جادوگر کی بدرُوح کے پنجے سے نکال سکوں۔"

اتنا کہہ کر آرتی ہاتھ باندھے مورتی کے آگے جھک گئی...... وہ کچھ دیر اسی حالت میں کھڑی رہی...... جمشید سامنے والی دیوار کے ساتھ لگ کر یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اچانک ایسی آواز آئی جیسے باہر بڑے زور سے بادل گرج رہے ہوں...... مورتی میں سے آسمانی بجلی کی ایک لہر نکلی اور آرتی کے سر میں داخل ہو کر غائب ہو گئی...... سناٹا چھا گیا، آرتی نے سر اُٹھا لیا...... اس نے کہا۔

"ماتا! تو نے میری پرارتھنا سویکار کر لی...... میں وچن دیتی ہوں کہ اسی طرح

بھلائی کے کام کرتی رہوں گی۔"

اس نے طاق میں ہاتھ ڈال کر مورتی کے ماتھے پر انگلی لگا کر اسے اپنے ماتھے پر لگایا اور سر جھکا کر پرنام کرنے کے بعد پلٹ کر جمشید کے پاس آ کر بولی۔

"ہاتھ باندھ کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔"

جمشید نے ایسا ہی کیا...... آرتی نے اپنا بازو پھیلا کر مٹھی بند کر لی اور بولی۔

"ماتا کے حکم پر میرے پاس آ جا۔"

اس کے بعد آرتی نے مٹھی کھولی تو اس میں چھوٹا سا کالا بچھو تھا...... یہ بچھو بالکل ساکت تھا...... کوئی حرکت نہیں کر رہا تھا...... بچھو ایک کالے دھاگے میں پرو یا ہوا تھا...... آرتی کہنے لگی۔

"یہ ماتا کا بچھو ہے...... یہ ماتا کا وردھان ہے...... اپنا بایاں بازو آگے کرو۔"

جمشید نے آستین اُونچی کر کے اپنا بایاں بازو آگے کر دیا آرتی بچھو اس کے بازو پر باندھنے لگی...... جمشید کو محسوس ہوا کہ بچھو پتھر کا ہے...... کالا بچھو جمشید کے بازو پر باندھنے کے بعد آرتی نے کہا۔

"جب تک ماتا کا بچھو تمہارے بازو پر بندھا ہوا ہے تم پر نسطور جادُوگر کی بدرُوح کا کوئی منتر اثر نہیں کر سکے گا، لیکن ماتا کا بچھو تمہیں اس دُنیا سے باہر نکلنے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکے گا...... یہ صرف زمین کے نیچے کی بدرُوحوں کی دُنیا میں ہی تمہارے کام آ سکے گا۔"

"لیکن مجھے تو اس دُنیا سے باہر نکلنا ہے۔" جمشید نے کہا۔

آرتی نے جواب دیا۔

"یہ سب کچھ میں تمہیں تمہاری دُنیا میں واپس پہنچانے کے لئے ہی کر رہی ہوں، لیکن اس کے لئے سب سے پہلے تمہاری اس دُنیا میں رکھشا (حفاظت) کرنا اور تمہیں تمہارے دُشمن نسطور جادُوگر کی بدرُوح سے بچائے رکھنا ضروری ہے، اس کے بعد میں

تمہیں یہاں سے نکالنے کی کوشش کروں گی...... اب ہم یہاں سے واپس چلیں گے۔"

آرتی نے جمشید کو ساتھ لیا اور برجوں والی کالی چٹان میں سے نکل کر اس جگہ آ گئی جہاں اس نے جھیل کے سیاہ دلدلی پانی میں کشتی کھڑی کی تھی...... دونوں کشتی میں بیٹھ گئے اور کشتی واپس روانہ ہو گئی، جب وہ سیاہ چٹانوں میں سے نکل آئے تو جمشید نے پوچھا۔

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

آرتی نے کہا۔

"میں تمہیں ایک محفوظ جگہ پر لے کر جا رہی ہوں جہاں تم اس وقت تک رہو گے جب تک میں واپس نہیں آ جاتی۔"

اس کے بعد جمشید نے کوئی سوال نہ کیا...... کشتی سیاہ چٹانوں سے بھی آگے کافی دُور نکل آئی تھی...... یہاں جھیل کا کالا دلدلی پانی زرد رنگ کا ہو گیا تھا اور اس میں ہلکی ہلکی لہریں بھی اُٹھنے لگی تھیں...... جھیل کا پانی اب گاڑھا اور جما ہوا نہیں رہا تھا...... آرتی بڑی آسانی سے چپو چلا رہی تھی...... جمشید نے کہا۔

"جھیل کا پانی زرد کیوں ہو گیا ہے آرتی؟"

آرتی نے کہا۔

"اس کا جواب میں تمہیں نہیں دے سکتی، بہتر یہی ہے کہ تم کوئی سوال نہ پوچھو۔"

جمشید خاموش ہو گیا...... زرد پانیوں میں کشتی کافی دیر تک چلتی رہی...... ایک جگہ جمشید نے زرد پانی میں تیرتی ہوئی زرد رنگ کی انسانی لاش دیکھی...... لاش کے سر میں سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا جس سے جھیل کا زرد پانی لال ہو رہا تھا...... لاش کشتی کے قریب سے بہتی ہوئی گزر گئی...... جمشید آرتی سے پوچھنا چاہتا تھا کہ یہ کس کی لاش ہے، مگر آرتی نے اسے سوال کرنے سے منع کیا ہوا تھا...... وہ خاموش رہا۔

دُور جھیل میں سے باہر اُبھری ہوئی کچھ پہاڑیاں دکھائی دیں...... آرتی نے خود ہی ان پہاڑیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ہمیں ان پہاڑیوں میں جانا ہے...... یہ زرد لاشوں کا جزیرہ ہے۔"

جمشید کچھ پوچھنے کی بجائے دُور سے نظر آنے والی پہاڑیوں کو دیکھنے لگا...... کشتی ان پہاڑیوں کے قریب آ گئی تھی...... یہ کسی جزیرے کی پہاڑیاں تھیں۔ اس جزیرے پر زرد رنگ کی پتلی دُھند پھیلی ہوئی تھی...... زنگار ایسے رنگ کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں نے جزیرے کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا...... جزیرے کے سارے درخت سوکھے اور خشک تھے...... کسی درخت کی ٹہنی پر کوئی پتا نہیں تھا...... سوکھی ہوئی ٹہنیاں نیچے کو لٹک رہی تھیں...... جیسے مردہ ہو چکی ہوں...... زمین پر زرد رنگ کی گھاس اُگی ہوئی تھی...... جمشید دل میں ڈر رہا تھا کہ یہ عورت اسے کس قسم کے ڈراؤنے جزیرے میں لے آئی ہے جس کو وہ زرد لاشوں کا جزیرہ کہہ رہی تھی۔

ابھی تک جمشید کو کوئی زرد لاش دکھائی نہیں دی تھی...... کشتی کنارے پر لگا کر وہ آرتی کے ساتھ چل رہا تھا...... زمین پر اُگی ہوئی زرد گھاس پر اس نے دو تین جگہوں پر سرخ خون کے بڑے بڑے دھبے دیکھے جو بالکل تازہ خون کے دھبے تھے...... اس نے آرتی سے خون کے ان دھبوں کے بارے میں بھی کوئی سوال نہ کیا...... جمشید نے محسوس کیا کہ آرتی جزیرے کے سوکھی اور لٹکی ہوئی ٹہنیوں والے درختوں سے دُور رہ کر چل رہی ہے...... ان درختوں کے درمیان آ کر خود ہی آرتی کہنے لگی۔

"ان درختوں کی طرف گھور کر مت دیکھنا...... اپنی نظریں بالکل سامنے رکھو۔"

جمشید کو تعجب ہوا کہ درختوں کی طرف گھور کر دیکھنے سے بھلا کیا ہو سکتا ہے، لیکن قدرتی طور پر اس کے دل میں تجسس پیدا ہوا کہ کسی ایک درخت کو گھور کر دیکھنے میں آخر حرج ہی کیا ہے اور اگر اس نے کسی درخت کو گھور کر دیکھ بھی لیا تو آرتی کو تو معلوم ہی نہیں ہو سکے گا۔

چنانچہ چلتے چلتے اس نے اپنی بائیں جانب کے ایک خشک سوکھے ہوئے درخت کو گھور کر دیکھ لیا...... اس کے ایسا کرنے سے درخت کی لٹکی ہوئی مردہ شاخوں میں جیسے

جان پڑ گئی...... ایک دم سے دو شاخیں اُوپر کو اُٹھ کر جمشید کی طرف اس طرح بڑھیں جیسے اسے دبوچ لینا چاہتی ہوں...... آرتی نے فوراً جمشید کا بازو پکڑ کر زمین پر بٹھا لیا اور خود بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی...... سوکھے درخت کی سوکھی ہوئی انسانی پنجوں کی طرح کی شاخیں جہاں تھوڑی دیر پہلے جمشید کھڑا تھا وہاں ہوا میں اِدھر اُدھر ہاتھ چلانے لگیں...... جیسے جمشید کو تلاش کر رہی ہوں...... وہ زمین سے پانچ چھ فٹ کی بلندی پر ایسا کر رہی تھیں...... اس سے نیچے نہیں آ رہی تھیں...... کافی دیر تک سوکھی ہوئی انسانی پنجوں ایسی شاخیں ہوا میں جمشید کو تلاش کرتی رہیں...... پھر پیچھے ہٹ گئیں اور اسی طرح دوبارہ مردہ ہو کر نیچے لٹک گئیں۔

آرتی جمشید کو کھینچتی ہوئی دُور لے گئی اور غصے سے بولی۔

"جب میں نے تمہیں منع کیا تھا تو تم نے درخت کی طرف گھور کر کیوں دیکھا تھا؟"

جمشید نے سچ بتا دیا اور بولا۔

"مجھ سے غلطی ہو گئی...... مجھے معاف کر دو۔"

آرتی نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"اگر آئندہ تم نے اس قسم کی کوئی حرکت کی تو میں تم سے الگ ہو جاؤں گا...... پھر تم جو چاہو کرنا، جہاں چاہو چلے جانا۔"

جمشید نے معذرت چاہنے کے انداز میں کہا۔

"آئندہ ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔"

آرتی کہنے لگی۔

"تمہیں معلوم ہے اگر میں تمہیں جلدی سے پکڑ کر نیچے نہ بٹھاتی تو کیا ہو جاتا؟ اس درخت نے تمہاری لاش کی ہڈیوں کو بھی نہیں چھوڑنا تھا۔"

جمشید نے اپنی سنگین غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے ایک بار پھر آرتی سے معذرت چاہی اور وعدہ کیا کہ وہ آئندہ اس کی حکم عدولی نہیں کرے گا۔

چلتے چلتے وہ ان خوفناک درختوں کو پیچھے چھوڑ آئے...... سامنے ایک چھوٹے ٹیلے کی ڈھلان پر زمین سے تھوڑی بلندی پر باہر کو نکلی ہوئی پتھر کی ایک چار دیواری بنی ہوئی تھی...... اس چار دیواری تک جانے کے لئے ٹیلے کی ڈھلان پر پتھروں کو کھود کر چھ سات سیڑھیاں بنائی ہوئی تھیں...... وہ سیڑھیاں چڑھ کر چار دیواری کے پاس آگئے، چار دیواری نسواری رنگ کے پتھروں کو جوڑ کر بنائی گئی تھی...... اس کے تنگ دروازے کے اُوپر دوسری منزل کی ایک شکستہ سی چوکور بارہ دری باہر کو نکلی ہوئی تھی...... بارہ دری کے اُوپر کسی دیوتا کا بڑا ڈراؤنا سر بنا ہوا تھا...... دیوتا کی آنکھیں بڑے خوفناک انداز میں پوری کھلی ہوئی تھیں اور اس کی سرخ زبان منہ سے باہر لٹکی ہوئی تھی۔

آرتی نے اس بارہ دری کی طرف اُنگلی اُٹھا کر کہا۔

"یہ تمہاری کوٹھڑی کی بارہ دری ہے...... تمہیں اس کوٹھڑی میں کچھ دن گزارنے ہوں گے۔"

تنگ دروازے میں سے گزرنے کے بعد کونے میں ایک تاریک زینہ تھا...... وہ زینہ چڑھ کر اُوپر بارہ دری والی کوٹھڑی میں آگئے...... بارہ دری میں سے دُھند میں لپٹی ہوئی زرد سی بیمار بیمار روشنی کوٹھڑی میں آرہی تھی...... فرش پتھروں کا تھا جہاں دیوار کے ساتھ زرد گھاس کا بستر سا بچھا ہوا تھا...... آرتی کہنے لگی۔

"میں تمہیں یہاں چھوڑ کر جا رہی ہوں...... میں تمہارے ہی کام کے لئے جا رہی ہوں...... کب واپس آؤں گی؟ کچھ پتہ نہیں...... ایک دن میں بھی آسکتی ہوں اور مجھے ایک ماہ بھی لگ سکتا ہے...... مگر تم اس دوران یہاں سے باہر نہیں نکلو گے...... بارہ دری میں بھی نہیں جاؤ گے...... میں جانتی ہوں کہ بدرُوحوں کی اس دُنیا میں نہ تمہیں بھوک پیاس محسوس ہوگی نہ نیند کی ضرورت محسوس ہوگی، لیکن میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم ابھی تک انسان ہو...... زندہ انسان ہو...... بدرُوح نہیں ہو...... اگر انسان ہونے کی وجہ سے بہت ہی مجبوری کی حالت میں تمہارا دل باہر جانے کو چاہا تو جب رات کا

اندھیرا چاروں طرف چھا جائے تو صرف تھوڑی دیر کے لئے تم باہر چلے جانا، لیکن دو باتیں یاد رکھنا...... ایک تو اپنے بازو پر بندھے ہوئے ماتا کے بچھو کو دیکھ کر تسلی کر لینا کہ وہ تمہارے بازو پر ہی بندھا ہوا ہے...... دوسرے اس چار دیواری کے قریب ہی رہنا...... جزیرے کے اندر جانے کا خیال بھی دل میں مت لانا...... اب میں جاتی ہوں۔"

آرتی جاتے جاتے رُک گئی...... جمشید کی طرف دیکھ کر بولی۔

"اس چار دیواری کے دروازے کے پٹ غائب ہیں...... دروازہ دن رات کھلا رہتا ہے...... تمہاری اس کوٹھڑی کے دروازے کے بھی پٹ نہیں ہیں...... میں احتیاط کے لئے چار دیواری کے باہر ایک منتر پھونکے جاتی ہوں، مگر اس جزیرے کی زرد لاشیں بڑی طاقتور ہیں...... یہاں کچھ بھی ہو سکتا ہے، مگر تمہیں گھبرانا نہیں ہوگا...... تمہارے پاس ماتا کا بچھو ہے...... وہ تمہاری رکھشا کرے گا۔"

یہ کہہ کر آرتی تو چلی گئی مگر جمشید کو ایک نئے خوف نے گھیر لیا...... یہ خوف اس جزیرے کی طاقتور زرد لاشوں کا خوف تھا...... آرتی نے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ زرد لاشیں بڑی طاقتور ہیں اور یہاں کچھ بھی ہو سکتا ہے...... ماتا کے بچھو پر سے اس کا یقین ڈگمگا گیا تھا...... ہو سکتا ہے ماتا کا بچھو بھی اس کی حفاظت نہ کر سکے...... آخر وہ پتھر کا بے جان بچھو ہی ہے...... وہ اس کی کیا حفاظت کر سکے گا...... اگر ایسا ہو گیا تو جمشید کو اپنی اذیت ناک موت یقینی نظر آرہی تھی اور آرتی کا کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کب واپس آتی ہے، وہ خود کہہ کر گئی تھی اسے ایک دن بھی لگ سکتا ہے اور ایک مہینہ بھی لگ سکتا ہے۔

جمشید کو کچھ خبر نہیں تھی کہ بدرُوحوں کی اسی زمین دوز دُنیا کا دن کتنا لمبا ہوتا ہے اور راتیں کتنی لمبی ہوتی ہیں...... جب سے وہ اس منحوس دُنیا میں داخل ہوا تھا ابھی تک دن ہی دن تھا...... اسے وہ زرد لاشیں یاد آنے لگیں جس کو اس نے جھیل میں بہتے ہوئے دیکھا تھا اور جس کے سر سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا...... وہ سوچنے لگا کہ اس سے تو وہ کسی قبر کے اندر ہی چھپ کر بیٹھا رہتا تو اچھا تھا...... کم از کم وہاں سے کسی نہ کسی

وقت باہر نکلنے کا کوئی راستہ تو مل ہی سکتا تھا، مگر اب وہ ڈراؤنے اور دہشت ناک خطروں کی دُنیا میں آ چکا تھا اور اس کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا تھا...... آرتی کا اسے بڑا حوصلہ تھا...... وہ بھی اسکو چھوڑ کر جا چکی تھی۔

وہ گھاس کے بستر پر بیٹھ گیا...... جب بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو لیٹ گیا، مگر نیند اس کا ساتھ چھوڑ چکی تھی...... اس پر ایک سیکنڈ کے لئے کسی وقت غنودگی بھی طاری نہیں ہوئی تھی...... لیٹے لیٹے تھک گیا تو اُٹھ کر کوٹھڑی میں ٹہلنے لگا، نہ اسے بھوک لگ رہی تھی، نہ اسے پیاس لگ رہی تھی...... وہ زندہ حالت میں موت کی تاریک دُنیا میں آ گیا تھا، جہاں وہ صرف سانس لینے، سوچنے اور چلنے پھرنے کی حد تک زندہ تھا...... زندگی کی باقی ساری علامتیں اور ضرورتیں ختم ہو گئی تھیں...... ٹہلتے ٹہلتے اس کا کئی بار جی چاہا کہ بارہ دری میں جا کر نیچے جھانک کر دیکھے کہ باہر دن ڈھل رہا ہے یا نہیں...... لیکن آرتی نے اسے سختی سے منع کیا تھا کہ بارہ دری کے قریب مت جانا...... بارہ دری میں سے وہی زرد رنگ کی بیمار روشنی یکسانیت کے ساتھ کوٹھڑی میں آ رہی تھی...... بدرُوحوں کی اس شیطانی زمین دوز دُنیا میں آنے کے بعد اس نے کہیں بھی سورج نہیں دیکھا تھا...... آسمان پر بھی زرد اور نسواری دُھند چھائی ہوئی تھی...... کچھ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ دن کا وقت ہے یا دوپہر یا شام کا وقت ہے...... وہ بیزار سا ہو کر زرد گھاس کے بستر پر لیٹ گیا۔

اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ سوچ رہا تھا کہ اگر آرتی کو آتے آتے ایک مہینہ لگ گیا تو اس کا یہ وقت کیسے کٹے گا؟ وہ لیٹے لیٹے بارہ دری سے آنے والی دُھندلی بیمار زرد روشنی کو دیکھ رہا تھا...... کچھ دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ زرد روشنی کا رنگ نسواری ہوتا جا رہا ہے...... آہستہ آہستہ یہ نسواری رنگ گہرا ہونے لگا اور پھر اندھیرا سا چھا گیا...... وہ سمجھ گیا رات ہو گئی ہے، مگر اس کے لئے دن اور رات ایک برابر تھے، کیونکہ وہ سو نہیں سکتا تھا...... اسے رات بھی دن کی طرح کبھی بیٹھ کر، کبھی لیٹ کر اور

کبھی کوٹھڑی میں ٹہل کر گزارنی تھی...... اسے ایسے محسوس ہونے لگا جیسے وہ ایک خلا میں لٹک گیا ہے جہاں نہ دن ہے، نہ رات، نہ زندگی ہے، نہ موت۔

پھر رات کا گھپ اندھیرا چھا گیا...... کوٹھڑی میں اندھیرا اتنا گہرا ہو گیا کہ اسے اپنا جسم بھی دکھائی دینا بند ہو گیا...... اس پر سناٹا اور خاموشی اس قدر چھا گئی جیسے کائنات کی ساری آوازیں خاموش ہو گئی ہوں...... اسے قدیم آتش پرستوں کے کچھ ایسے منتر بھی آتے تھے جن کو پڑھ کر وہ اپنے اُوپر خواب کی سی حالت طاری کر لیا کرتا تھا، مگر بدرُوحوں کی زمین دوز دُنیا میں آنے کے بعد اس کو ایک بھی منتر یاد نہیں رہا تھا...... اس کا ذہن کالے جادُو کے منتروں کو بالکل بھلا چکا تھا...... اس کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ بس گھاس کے بستر پر آنکھیں بند کر کے لیٹا رہے اور جب کبھی صبح ہو تو اُٹھ کر کوٹھڑی میں ٹہلنا اور آرتی کا انتظار کرنا شروع کر دے۔

خدا جانے رات کا کیا بجا تھا...... کتنی رات گزر چکی تھی، کتنی رات باقی تھی...... کوٹھڑی کے اندر اور بارہ دری کے باہر اندھیرا ہی اندھیرا تھا...... اسے اپنا آپ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا...... وہ خود اندھیرے میں جیسے تحلیل ہو گیا ہوا تھا...... اس اندھیرے کو ماحول کی خاموشی اور سناٹا اور زیادہ بھیانک بنا رہا تھا، چونکہ جمشید نے عمر کا بیشتر حصہ کالے جادُو کے سفلی عمل میں جادُو ٹونے کرتے اور سفلی عمل کرتے گزارا تھا اور یہ اندھیروں کی دُنیا ہوتی ہے، اس وجہ سے اس کے ہوش و حواس قائم تھے...... اسے اگر کوئی ڈر تھا تو صرف اس بات کا کہ وہ زرد لاشوں کے جزیرے میں اکیلا اور بغیر کالے جادُو کی طاقت کے ہے...... کہیں کوئی بدرُوح یا کوئی زرد لاش آ کر اس کو ہلاک نہ کر دے...... ماتا کا بچھو جو اس نے اپنے بازو پر باندھ رکھا تھا اسے اس پر زیادہ بھروسہ نہیں تھا۔

اس گھپ اندھیرے اور سنسان خاموشی میں جمشید نے کچھ دبی دبی سی آوازیں سنیں...... اس نے چونک کر بارہ دری کی طرف دیکھا...... آوازیں اسی جانب سے آ رہی

تھیں...... یہ ایسی آوازیں تھیں جیسے دو تین آدمی ماتمی منتر پڑھتے بین کرتے چلے آرہے ہوں...... آوازیں گھٹی ہوئی تھیں...... بارہ دری کے قریب آکر آوازیں بند ہو گئیں...... جمشید اندھیرے میں ٹکٹکی باندھے بارہ دری کی طرف دیکھ رہا تھا...... پہلے بارہ دری کے باہر اندھیرا چھایا ہوا تھا...... پھر باہر اندھیرے میں زرد روشنی کا غبار سا پھیل گیا...... ایک بار کسی کے رونے کی دبی دبی آواز آنے لگی...... جمشید کو آرتی نے بارہ دری کے پاس جانے سے منع کیا ہوا تھا، مگر وہ بارہ دری کے پاس جا کر دیکھنا چاہتا تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے اور یہ کون رو رہا ہے۔

جمشید سے نہ رہا گیا...... اس نے اپنے آپ کو یہ کہہ کر تسلی دی کہ ایک بار باہر دیکھنے سے کیا فرق پڑ جائے گا...... وہ گھاس کے بستر پر سے اٹھا اور دبے پاؤں چل کر بارہ دری میں آکر بیٹھ گیا، پھر اس نے سر اونچا کر کے بارہ دری سے نیچے جھانک کر دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ زرد روشنی کے غبار میں زمین پر ایک ارتھی (ہندوؤں کا جنازہ) پڑی ہے...... ارتھی کے سرہانے کی دونوں جانب دو آدمی سر جھکائے کھڑے ہیں...... ان کے کفن زرد رنگ کے ہیں اور انہوں نے ہاتھ باندھ رکھے ہیں اور باری باری گھٹی گھٹی آواز میں رو رہے ہیں...... ارتھی پر زرد کفن میں لپٹی ایک لاش پڑی ہے...... لاش کے چہرے پر سے کفن ہٹا ہوا ہے...... اس کا چہرہ زرد اور بے جان ہے...... پھر ایک جانب سے ایسی کپکپاتی ہوئی آواز آئی جیسے کوئی کسی کا نام لے کر اسے بلا رہا ہو...... اس آواز کو سنتے ہی ارتھی کے پاس کھڑے دونوں آدمی ایک دم خاموش ہو گئے...... انہوں نے اپنے سر کو دوبارہ جھکایا، واپس مڑے اور اس طرح سروں کو جھکائے آہستہ آہستہ چلتے اندھیرے میں گم ہو گئے۔

ارتھی کی لاش ساکت بے حس و حرکت پڑی تھی۔

کسی کو ڈراؤنے انداز میں بلانے کی جو آواز ایک طرف سے آئی تھی وہ خاموش ہو گئی تھی...... جمشید بارہ دری میں بیٹھا سر باہر نکالے دیکھ رہا تھا...... وہی آواز ایک بار

پھر ابھری...... جمشید اس طرف دیکھنے لگا...... زرد روشنی کا غبار صرف ارتھی والی لاش کے ارد گرد دائرے کی شکل میں پھیلا ہوا تھا...... اس دائرے کے باہر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی...... جمشید نے اس گہری تاریکی میں سے ایک انسانی ہیولے کو ابھرتے ہوئے دیکھا...... یہ انسانی ہیولا اندھیرے میں سے نکل کر ارتھی پر ساکت پڑی ہوئی لاش کے گرد پھیلی زرد روشنی کے غبار میں آیا تو جمشید کو وہ صاف نظر آنے لگا...... یہ زرد رنگ کا ایک انسان نما آدمی تھا جس کے جسم پر زرد کفن کے چیتھڑے لٹک رہے تھے...... اس کے دونوں بازو چلتے وقت بالکل نہیں ہل رہے تھے...... وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اس طرح چل رہا تھا جیسے اس میں کسی نے چابی بھر دی ہو اور وہ خود بخود چلا آرہا ہو...... اس کے ہونٹوں کے کناروں پر سرخ خون جما ہوا تھا...... یہ زرد لاش ہی ہو سکتی تھی۔ زرد لاش ارتھی کے پاس آکر رک گئی۔

پھر اس نے اپنے دونوں بازو آگے کر دیئے...... جمشید نے دیکھا کہ اس زندہ لاش کی انگلیوں کے ناخن چھریوں کی طرح باہر کو نکلے ہوئے تھے...... جیسے ہی اس نے اپنے بازو آگے کر کے ارتھی والی لاش پر نظریں جمائیں...... لاش میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی...... وہ اس حالت میں بیٹھی تھی کہ کسی قسم کی حرکت نہیں کر رہی تھی...... زرد لاش ایک قدم چل کر ارتھی والی لاش کے پاس آ گئی، زرد لاش کو اپنے قریب پا کر ارتھی والی لاش نے اپنے منہ سے ایک گڑگڑاہٹ کی آواز نکالی...... زرد لاش نے اسی لمحے دونوں ہاتھوں سے لاش کی گردن کو دبوچ کر ایک ہی جھٹکے سے اس کا سر تن سے جدا کر کے ایک طرف کو اچھال دیا اور مردے کو کھانا شروع کر دیا...... زرد لاش کسی درندے کی طرح مردے کے گوشت کو دونوں ہاتھوں سے نوچ نوچ کر کھا رہی تھی۔

یہ منظر دیکھ کر جمشید کے جسم میں خوف کی لہر سی دوڑ گئی۔

مگر وہ بارہ دری سے پیچھے نہ ہٹا اور لاش کو مردے کا گوشت کھاتے اور ہڈیاں

چباتے دیکھتا رہا...... اس کے دیکھتے دیکھتے زرد لاش مردے کو ہڑپ کر گئی...... صرف مردے کا پنجر رہ گیا جس کو زرد لاش نے ایک طرف کو اُچھال دیا اور دونوں بازو پھیلا کر حلق سے گڑگڑاہٹ کی آواز نکالی...... وہ واپس جانے لگی تو جمشید نے بارہ دری کی جس منڈیر پر ہاتھ رکھا ہوا تھا، اس کا ہاتھ اتفاق سے پھسل گیا اور منڈیر کا چھوٹا سا پتھر جو پہلے ہی اُکھڑا ہوا تھا نیچے گر پڑا...... پتھر کے نیچے گرنے سے آواز پیدا ہوئی...... اس آواز کو سن کر زرد لاش وہیں رُک گئی اور اس نے سر اُٹھا کر بارہ دری کی طرف دیکھا۔

جمشید نے جلدی سے سر نیچے کر لیا...... نیچے پتھر کی جالی لگی ہوئی تھی...... وہ جالی کے سوراخوں میں سے زرد لاش کو دیکھنے لگا...... زرد لاش کچھ دیر کے لئے وہیں رُک گئی اور بارہ دری کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتی رہی...... شاید اس نے جمشید کو دیکھ لیا تھا...... پھر اس کے حلق سے وہی گڑگڑاہٹ کی سی گھٹی گھٹی آواز بلند ہوئی اور آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی زرد لاش بارہ دری کی طرف بڑھنے لگی۔

جمشید جلدی سے پیچھے ہٹ گیا...... وہ سمجھ گیا تھا کہ زرد لاش اُوپر آ رہی ہے...... نیچے ڈیوڑھی کے دروازے کے پٹ نہیں تھے...... اُوپر کوٹھڑی کے دروازے کے پٹ بھی غائب تھے...... دونوں دروازے کھلے تھے...... خوفناک زرد لاش بڑی آسانی سے اُوپر آ سکتی تھی...... جمشید پر گھبراہٹ طاری ہو گئی، اسے یاد آ گیا کہ آرتی نے کہا تھا کہ زرد لاشوں کے پاس زبردست طاقت ہوتی ہے...... ہو سکتا ہے ماتا کا بچھوان کی طاقت کا مقابلہ نہ کر سکے...... اس لئے ان زندہ لاشوں سے ہوشیار رہنا اور کبھی ان کے سامنے نہ جانا، لیکن جمشید سے یہ غلطی ہو گئی تھی...... زرد لاش نے اسے دیکھ لیا تھا اور اب شاید اسے کھانے اُوپر آ رہی تھی۔

اسے گڑگڑاہٹ کی دبی دبی آواز سنائی دی...... یہ زرد لاش کے حلق سے نکلنے والی آواز تھی اور نیچے تاریک سیڑھیوں میں سے آ رہی تھی...... زرد لاش سیڑھیاں چڑھ رہی تھی اور کسی بھی لمحے کوٹھڑی میں آ کر جمشید کا سر تن سے جدا کرنے والی تھی۔

جمشید خوف اور بے بسی کی حالت میں کوٹھڑی میں اِدھر اُدھر دوڑنے لگا...... اسے زرد لاش سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں مل رہا تھا...... اس نے بارہ دری کی طرف دیکھا...... وہ دوڑ کر بارہ دری میں آ گیا...... بارہ دری ایک منزل اُونچی تھی...... نیچے اندھیرا تھا...... اس نے بدحواسی میں بارہ دری کی دیوار کو ٹٹولا...... کوئی جنگلی بیل دیوار سے چمٹی ہوئی تھی...... زرد لاش کی گڑگڑاہٹ کی خوفناک آواز قریب آ گئی تھی...... زرد لاش کوٹھڑی میں داخل ہو چکی تھی اور جمشید کو تلاش کر رہی تھی۔

موت جمشید کے سر پر کھڑی تھی...... اس نے بارہ دری کی دیوار سے چمٹی ہوئی بیل کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور نیچے چھلانگ لگا دی...... وہ بیل کے ساتھ ہی نیچے جھاڑی میں آ کر گرا...... جھاڑی میں گرنے اور اُکھڑتی ہوئی جنگلی بیل کے ساتھ نیچے گرنے سے اسے زیادہ چوٹیں نہیں آئی تھیں...... وہ اُٹھا اور دیوانہ وار ایک طرف کو بھاگ کھڑا ہوا...... اس کے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی تھی اور وہ اس تاریکی میں بھاگتا چلا جا رہا تھا...... کبھی کسی جھاڑی میں اُلجھ کر گر تا...... گر کر اُٹھتا اور پھر دوڑنا شروع کر دیتا...... اس کا سانس پھول گیا تھا، مگر موت کا خوف اسے کسی جگہ رُکنے نہیں دیتا تھا...... اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے زرد لاش اس کا تعاقب کر رہی ہے اور اس کے پیچھے دوڑتی چلی آ رہی ہے۔

جب اسے بہت زیادہ سانس چڑھ گیا اور دوڑنا مشکل ہو گیا تو وہ وہیں اندھیرے میں بیٹھ گیا...... اس نے ہانپتے ہوئے اندھیرے میں دائیں بائیں دیکھنے کی کوشش کی...... پھر پیچھے گردن موڑ کر دیکھا...... پیچھے تاریکی ہی تاریکی تھی...... اسے یوں لگا جیسے زرد لاش اس کے سر پر پہنچ چکی ہے اور اپنے دونوں بازو پھیلا کر اس کا سر دبوچنے والی ہے...... وہ خوفزدہ ہو کر اُٹھا اور ہانپتے ہوئے پھر دوڑنے لگا...... دوڑتے دوڑتے اندھیرے میں وہ کبھی بائیں طرف ہو جاتا اور کبھی دائیں جانب ہو جاتا...... موت کا خوف اسے دوڑائے لئے جا رہا تھا...... اچانک کسی پتھر سے اس کا پیر ٹکرایا اور وہ ایک کھڈ

میں گر پڑا...... وہ اُونچی سوکھی گھاس میں گرا تھا...... گرتے ہی وہ کھڈ کی دیوار سے لگ کر
بیٹھ گیا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا...... وہ پورا منہ کھولے ہانپ رہا تھا اور اُوپر کھڈ کے
کناروں کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا، کیونکہ اندھیرے میں اسے کچھ دکھائی نہیں دے
رہا تھا...... وہ یہ سننے کی بھی کوشش کر رہا تھا کہ کہیں سے زرد لاش کی گڑگڑاہٹ کی آواز
تو نہیں آ رہی۔

یہ آواز نہیں آ رہی تھی...... جمشید کو ذرا سا اطمینان ہو گیا کہ زرد لاش اس کا پیچھا
نہیں کر رہی...... سوکھی گھاس اس کے کندھوں سے بھی اُوپر تک گئی ہوئی تھی...... وہ
گھاس میں چھپ کر بیٹھا سانس ٹھیک کرتے ہوئے سوچنے لگا کہ وہ کہاں پر ہے اور اسے
اب کس طرف جانا چاہئے...... بارہ دری والی کوٹھڑی میں وہ واپس جانے کا سوچ بھی
نہیں سکتا تھا...... وہاں اس کی موت بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی...... موت تو اسے
اپنے چاروں طرف نظر آ رہی تھی، لیکن زرد لاش نے اس پر دہشت طاری کر دی
تھی...... خاص طور پر جبکہ اسے یہ بھی احساس تھا کہ ماتا کا بچھو جو اس نے بازو پر باندھا
ہوا ہے اسے زرد لاش سے نہیں بچا سکے گا...... بارہ دری میں جا کر وہ زرد لاشوں کا آمنا
سامنا کرنے کی غلطی کر بیٹھا تھا...... اب اسے اسی غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا تھا...... زرد
لاشوں کے اس جزیرے کے بارے میں آرتی نے اسے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ یہاں زرد
لاشیں رہتی ہیں جو بڑی زبردست طاقت رکھتی ہیں اور تم کبھی ان کے سامنے مت جانا۔

جب جمشید کا سانس معمول کے مطابق ہو گیا تو اس نے بیٹھے بیٹھے اپنا سر اُونچی
گھاس میں سے باہر نکالا اور گہری تاریکی میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا...... اسے کچھ دُور
زرد روشنی سی دکھائی دی...... وہ اُٹھ کر اس طرف چل پڑا...... کھڈ میں اُونچی گھاس ہی
گھاس تھی جو اس کی کمر تک آ رہی تھی...... فاصلے پر نظر آنے والی زرد روشنی پر نگاہ
رکھے وہ گھاس میں آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا...... زرد روشنی نہ تو ٹمٹما رہی تھی، نہ جھلملا
رہی تھی، جس طرح نظر آ رہی تھی ویسی کی ویسی ساکت تھی...... جب وہ روشنی کے

کافی قریب آ گیا تو اس نے دیکھا کہ وہ زرد روشنی کھڈ کی اُونچی دیوار کے اندر ایک جگہ
سے نکل رہی تھی...... اس زرد روشنی کی وجہ سے کھڈ کی دیوار کے آس پاس کی جگہ
دُھندلی دُھندلی سی نظر آ رہی تھی۔

جمشید ڈرتے ڈرتے دیوار کے قریب ہو گیا...... اسے یہ بھی دھڑکا لگا تھا کہ یہاں
کوئی اور زرد لاش نہ اچانک نکل آئے...... دیوار میں کسی سرنگ کا دہانہ سا تھا...... دُھندلی
دُھندلی زرد روشنی سرنگ کے دہانے میں سے آ رہی تھی...... جمشید سوچنے لگا کہ وہ
سرنگ کے اندر جائے کہ نہ جائے...... چھپنے کے لئے دوسری کوئی جگہ نہیں تھی......
باہر وہ رہنا نہیں چاہتا تھا...... باہر کسی بھی وقت اندھیرے میں زرد لاش آ کر اسے دبوچ
سکتی تھی...... اسے بدرُوحوں سے اپنے بچاؤ کا کوئی منتر بھی یاد نہیں رہا تھا...... بس
صرف ماتا کے بچھو کا خیال ہی اسے تھوڑی سی ہمت دلا رہا تھا...... اگر اندر کوئی زرد لاش
نہیں ہے تو یہ بچھو اسے دوسری کسی بھی بدرُوح سے شاید محفوظ رکھ سکے گا...... یہ سوچ
کر وہ سرنگ میں داخل ہو گیا...... جسے وہ سرنگ سمجھ رہا تھا وہ سرنگ اسے ایک ایسی راہ
داری لگی، جیسی قدیم ویران محلات میں ہوا کرتی ہے...... راہ داری میں زرد روشنی خدا
جانے کہاں سے آ رہی تھی...... راہ داری کی دونوں جانب دیوار کے ساتھ ساتھ پتھر
کے ستون بنے ہوئے تھے...... جیسے پرانے محلات اور قلعوں میں ہوا کرتے ہیں......
فرش پتھر کا تھا اور ہموار تھا...... صرف اس پر گرد جمی ہوئی تھی، کہیں کہیں چھت پر لگے
ہوئے لکڑی کے جالے نیچے تک لٹک رہے تھے۔

یہ پراسرار راہ داری جمشید کو ایک دروازے کے پاس لے آئی جس پر پردہ گرا ہوا
تھا...... پردہ اس طرح گرا ہوا تھا کہ درمیان سے کھلا تھا...... وہاں سے زرد روشنی کا غبار
باہر نکل رہا تھا...... جمشید نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ پردے کے ساتھ لگ کر
اندر جھانک کر دیکھا...... اسے ایک عجیب و غریب منظر نظر آیا...... اس قسم کے منظر کا
وہ زرد لاشوں اور بدرُوحوں کے اس جزیرے میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا...... اس

نے دیکھا کہ ایک کشادہ کمرہ ہے جس کا فرش سرخ قالینوں سے ڈھکا ہوا ہے...... دیواروں پر مخمل کے پردے لٹک رہے ہیں...... دیوار کے ساتھ شاندار پلنگ پر ریشمی بستر لگا ہوا ہے...... پلنگ کے سرہانے ایک عورت کا سنگ مرمر کا مجسمہ کھڑا ہے جو نیچے جھک کر ہاتھ سے کوئی شے اٹھانے کی کوشش کر رہی ہے۔

سارے کمرے کی فضا پر ایک پراسرار مگر بڑی پرسکون زرد روشنی کا غبار سا پھیلا ہوا ہے...... اچانک کسی عورت کی آواز نے اسے کہا۔

"اندر آجاؤ...... میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔"

جمشید پردہ ہٹا کر کمرے میں داخل ہو گیا، جس عورت نے اسے آواز دی تھی وہ اسے کہیں نظر نہیں آ رہی تھی...... اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"تم کون ہو؟"

عورت کی آواز آئی۔

"میں تمہاری دوست ہوں جمشید۔"

جمشید نے پوچھا۔

"تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟"

عورت کی آواز نے کہا۔

"میں تمہارا نام جانتی ہوں...... میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم جزیرے کی ایک خونخوار زرد لاش سے بچ کر یہاں آئے ہو...... فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم میرے پاس آگئے ہو یہاں تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا، لیکن تم دروازے میں کیوں کھڑے ہو...... یہاں آؤ۔"

جانے کیا بات تھی کہ جمشید کا دل اسے دروازے سے آگے قدم اُٹھانے سے منع کر رہا تھا...... اس نے وہیں کھڑے کھڑے کہا۔

"مگر تم کہاں ہو...... دکھائی کیوں نہیں دیتیں؟"

عورت کی آواز آئی۔

"جب تم میرے پاس آؤ گے تو میں تمہیں دکھائی دینے لگوں گی...... دروازے میں کھڑے کھڑے تم مجھے نہیں دیکھ سکتے...... میں تو کب سے بازو کھولے تمہیں دیکھ رہی ہوں...... تمہارا بے تابی سے انتظار کر رہی ہوں۔"

جمشید نے یہ سنا تو اس پر شیطانی جذبات نے حملہ کر دیا...... وہ آگ کی پوجا کرنے والوں میں سے تھا...... ایک خدا پر اس کا اعتقاد نہیں تھا...... موت کے منہ سے نکل کر وہ ایک ایسے پرسکون اور رومانوی ماحول میں آگیا تھا جہاں کوئی عورت اپنے بازو کھولے اس کا انتظار کر رہی تھی...... جمشید کے ذہن پر شیطانی خیالات نے قبضہ کر لیا اور وہ بے اختیار ہو کر ریشمی بستر والے پلنگ کی طرف بڑھا...... جیسے ہی وہ دروازے کی چوکھٹ سے ایک قدم آگے گیا ایک خوفناک گونج کی آواز کے ساتھ دیواروں کے پردے پھڑ پھڑانے لگے...... سنگ مرمر کا مجسمہ کھڑے کھڑے دھماکے سے پھٹ گیا...... جمشید گھبرا کر وہاں سے بھاگنے کے لئے پیچھے مڑا، مگر اس نے دیکھا کہ جہاں پہلے دروازہ تھا اور پردہ گرا ہوا تھا اب وہاں پتھر کی دیوار کھڑی تھی۔

اب اسے احساس ہوا کہ وہ کسی بدرُوح یا زرد لاش کے جال میں پھنس گیا ہے...... اچانک پلنگ فرش سے اُچھل کر چھت کے ساتھ ٹکرایا اور پھر نیچے گر پڑا...... نیچے گرتے ہی وہ غائب ہو گیا...... جمشید گھبرا کر کمرے کی دوسری دیوار کی طرف ہو گیا...... پھر شور ختم ہو گیا...... دیواروں کے پھڑ پھڑاتے ہوئے پردے ساکت ہو گئے...... پلنگ پھر سے اپنی جگہ پر نمودار ہو گیا اور اس کے سرہانے عورت کا جو مجسمہ کھڑا تھا وہ بھی پھر سے اپنی جگہ پر ظاہر ہو گیا...... جمشید خاموش کھڑا پھٹی پھٹی آنکھوں سے ماحول کا جائزہ لے رہا تھا...... اسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ یہ سب جادوگری کی شعبدہ بازی ہے...... وہ صرف اس خیال سے ڈر رہا تھا کہ کہیں یہ اسی زرد لاش کی شعبدہ بازی نہ ہو،

اگر وہ کسی طرف سے ظاہر ہو جاتی ہے تو پھر جمشید کو موت کے منہ سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔

کمرے کی فضا پر موت کی خاموشی چھا گئی تھی...... پھر ایسا ہوا کہ ایک کونے کی جانب سے گڑگڑاہٹ کی آواز آئی...... جمشید کا دل بیٹھ گیا...... اس کا رنگ زرد پڑ گیا...... جسم ٹھنڈا ہو گیا...... یہ زرد لاش کی آمد کی آواز تھی۔

وہ کونے کی طرف سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ اچانک وہاں ایک دراز قد چوڑا چکلا سیاہ پوش آدمی نمودار ہوا...... جمشید ایک قدم پیچھے ہٹ کر دیوار سے لگ گیا...... سیاہ پوش آدمی آگے آ کر پلنگ کے پاس رُک گیا...... زرد روشنی میں جمشید یہ دیکھ کر لرز اُٹھا کہ اس آدمی کی گردن پر انسانی چہرے کی بجائے ایک کھوپڑی لگی ہوئی تھی اور کھوپڑی کی ایک آنکھ سے کالا بچھو چمٹا ہوا تھا اور کھوپڑی کا اُوپر والا حصہ غائب تھا...... یہ اسی قبر والی جادُوگر نسطور کی بدرُوح تھی جس میں بیٹھ کر جمشید نے چلہ کیا تھا اور جمشید کا چلہ اُلٹ جانے کی وجہ سے نسطور کی آدھی کھوپڑی اُڑ گئی تھی اور جو اس کا جانی دُشمن بن گیا تھا...... جمشید کو یہ دیکھ کر ذرا سا حوصلہ ضرور ہوا تھا کہ وہ جادُوگر نسطور کی بدرُوح ہے...... زرد لاش نہیں ہے اور ممکن ہے کہ ماتا کا بچھوا اسے جادُوگر نسطور کی بدرُوح سے بچا لے۔

نسطور جادُوگر کی بدرُوح اپنی کھوپڑی کی ایک آنکھ کے سوراخ میں سے قہر آلود نظروں سے جمشید کو دیکھ رہی تھی...... نسطور کی بدرُوح نے گرج دار آواز میں کہا۔

”جمشید عامل! میں نے تمہیں خبردار کیا تھا کہ اب تم قیامت تک میرے غلام بن کر رہو گے، اس لئے کبھی میرے مقابلے پر نہ اترنا، مگر تم نے میری بات نہیں مانی اور میری دشمن بدرُوح آرتی سے مل کر مجھے دھوکا دینے اور میری قید سے بھاگ نکلنے کی کوشش کی...... اب میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

جمشید نے منت سماجت کرنے کے لہجے میں کہا۔

”مجھے قتل کر کے تمہیں کیا حاصل ہو گا؟ تمہاری آدھی کھوپڑی تو واپس نہیں آئے گی...... پھر مجھے معاف کیوں نہیں کر دیتے...... شاید دیوتا اسی بات پر تم سے خوش ہو جائیں اور تمہاری کھوپڑی تمہیں واپس مل جائے۔“

بدرُوح نسطور نے کڑک کر کہا۔

”تم کون ہوتے ہو مجھے صلاح مشورہ دینے والے...... تمہاری حیثیت میرے سامنے ایک چیونٹی کی طرح ہے...... میں جب چاہے تمہیں چٹکی میں مسل سکتا ہوں اور یاد رکھو...... نسطور جادُوگر صرف ایک بار اپنے دُشمن کو موقع دیتا ہے...... اس کے بعد وہ دُشمن کو موت کی نیند سلا دیا کرتا ہے...... تم بھی مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔“

جمشید نے نسطور جادُوگر کی باتوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ اسے یہ تو معلوم ہو گیا ہے کہ وہ آرتی سے مل کر اس کے جال سے نکل جانے کی کوشش کر رہا ہے مگر اسے یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ اس نے آرتی کی مدد سے ماتا کا بچھوا اپنے بازو پر باندھا ہوا ہے جو بقول آرتی کے جمشید کو نسطور جادُوگر سے محفوظ رکھے گا...... اس نے کہا۔

”اگر تم آتش پرستوں کے قدیم جادُوگر ہو تو میں بھی آتش پرستوں کے ایک پجاری جادُوگروں کے طاقتور خاندان سے تعلق رکھتا ہوں...... ہمارے خاندان کے ایک زبردست جادُوگر نے میرے پاس آ کر مجھ پر ایک ایسا منتر پھونک دیا ہے کہ جو تیرے ہر حملے کو ناکام بنا دے گا۔“

نسطور جادُوگر کی بدرُوح نے ایک بھیانک قہقہہ لگایا اور غصے میں آ کر اپنا ہاتھ جمشید کی طرف جھٹک دیا...... اس کے ہاتھ سے خرگوش جتنا بڑا کالا بچھو نکل کر جمشید کی طرف لپکا...... وہ جمشید کو اپنے زہریلے ڈنک سے ایک سیکنڈ سے بھی کم مدت میں ہلاک کر سکتا تھا...... وہ جیسے ہی جمشید کو ڈسنے کے لئے اس کی گردن کی طرف آیا اسے ایک زوردار دھکا لگا اور اُچھل کر نیچے گرا اور گرتے ہی جل کر راکھ ہو گیا...... نسطور جادُوگر نے اپنے دوسرے ہاتھ کی مٹھی کھول کر جمشید کی طرف جھٹکی...... اس کی دوسری مٹھی

میں سے ایک سیاہ کالا ناگ پھن اُٹھائے پھنکارتا ہوا نکلا اور جمشید کے سر کے اُوپر
لگانے لگا...... جمشید کو کالے بچھو کے انجام سے یقین ہو گیا تھا کہ ماتا کے بچھو کی جا
طاقت اس کی حفاظت کر رہی ہے...... وہ اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

کالے سانپ نے اس کے سر کے اُوپر چھ سات چکر لگائے اور پھر پھنکارتا ہوا ا
کی گردن کی طرف جھپٹا...... اس کا بھی وہی حشر ہوا جو کالے بچھو کا ہوا تھا...... جمشید
جسم کے قریب آتے ہی اسے ایک زبردست دھکا لگا اور جیسے کسی نے اسے پیچھے
اُچھال دیا ہو...... سانپ کے فضا میں ہی دو ٹکڑے ہو گئے اور وہ بھی زمین پر گرتے
جل کر راکھ ہو گیا...... اپنے دونوں حملوں کی ناکامی سے نسطور جادُوگر کا خون کھو
اُٹھا...... اس نے چیخ کر کہا۔

"عامل جمشید! تو نے میری طاقت کو للکارا ہے تو اور تیرے خاندانی جادُوگر
بد رُوح میری طاقت سے بے خبر ہے۔"

اور نسطور جادُوگر نے دونوں ہاتھ پھیلا کر اپنے پنجے کھول دیئے...... اس کی
فام انگلیوں میں سے آگ کے شعلے نکل کر جمشید کی طرف لپکے...... اس حملے سے جمش
بھی گھبرا گیا، مگر اس سے پہلے کہ اس کے قدم ڈگمگاتے آگ کے شعلے اس کے ج
سے ایک فٹ کے فاصلے پر آ کر کمرے کی چھت کی طرف مڑ گئے اور چھت سے ٹکرا
بجھ گئے۔

نسطور جادُوگر نے حلق سے دہشت ناک آواز نکالی اور غضبناک ہو کر اپنی گرد
پر لگی ہوئی اپنی ٹوٹی ہوئی کھوپڑی کے پیالے میں ہاتھ ڈالا...... جب ہاتھ باہر نکالا تو ا
کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا مگرمچھ تھا جس کی دم ہل رہی تھی...... اس نے چلا کر کہا۔

"نسطور! میرے اس مگرمچھ سے تجھے تیرے سارے خاندان کے آتش پرس
جادُوگر بھی نہ بچا سکیں گے...... یہ تیرے تمام آتش پرست جادُوگروں کی بد رُوحوں
کھا جائے گا۔"

اور اس نے مگرمچھ کو زمین پر پھینک دیا۔

چھوٹا سا مگرمچھ زمین پر گرتے ہی پورا بڑا ہو گیا اور اپنے نوکیلے دانتوں والے
جبڑے کھول کر ڈراؤنی آواز نکالتا جمشید کی طرف تیزی سے لپکا۔

مگرمچھ کا نوکیلے دانتوں والا پورا کھلا ہوا منہ دیکھ کر ایک بار تو جمشید بھی ڈر گیا، لیکن
ماتا کے بچھو نے اس کے گرداگرد ایک جادوئی آہنی دیوار کھڑی کر دی تھی جو اسے دشمن
کے ہر حملے سے بچا رہی تھی...... خونخوار مگرمچھ اپنے حلق سے ڈراؤنی آوازیں نکالتا
اُچھل کر جمشید کی طرف آیا کہ اسے اپنے جبڑوں میں جکڑ کر دو ٹکڑے کر کے کھا جائے
کہ اس کا بھی وہی حشر ہوا جو اس سے پہلے سانپ اور بچھو اور نسطور کی اُنگلیوں سے نکلنے
والے شعلوں کا ہوا تھا...... یہ طلسمی مگرمچھ جمشید کے گرد کھڑی نظر نہ آنے والی طلسمی
چٹان سے ٹکرا کر ایک دھماکے کے ساتھ نیچے گرا اور گرتے ہی اس کے تین ٹکڑے
ہو گئے اور تینوں تڑپتے ہوئے ٹکڑوں کو آگ لگ گئی اور دیکھتے دیکھتے جل کر راکھ ہو گئے۔

نسطور جادُوگر یہ دیکھ کر محتاط ہو گیا...... سمجھ گیا کہ جمشید پر اس کا کوئی جادُو نہیں
چل سکے گا اور وہ اسے اتنی آسانی سے ہلاک نہیں کر سکے گا، مگر وہ ہار ماننے والوں میں
سے نہیں تھا...... اس نے جب وہ زندہ تھا تو سینکڑوں بے گناہ انسانوں کو قتل کیا تھا......
وہ ایک ظالم جادُوگر اور بے رحم قاتل بھی تھا...... اس نے کہا۔

"عامل جمشید! جس آتش پرست جادُوگر کی بد رُوح تیری مدد کر رہی ہے اس نے
تمہیں یہ بھی ضرور بتا دیا ہو گا کہ وہ نسطور جادُوگر کی بد رُوح کے جادُو کے خلاف تو
تمہاری مدد کر سکتا ہے مگر تجھے مُردوں اور گناہ گار بھٹکتی ہوئی بد رُوحوں کے اس شیطانی
جہنم سے باہر نہیں نکال سکے گا...... اس طرح تو میری قید سے اگر نکل بھی گیا تو اس
زمین کے اندر کی بد رُوحوں کی دُنیا کی قید سے نہیں نکل سکے گا تو اسی مُردہ دُنیا میں زندہ
بد رُوح بن کر بھٹکتا رہے گا اور آج نہیں تو کل، کل نہیں پرسوں ضرور میرے ہاتھوں
قتل ہو گا...... میں تجھے قتل کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں اور نسطور جب کوئی فیصلہ کرتا ہے

توبدرُوحوں کی دُنیا کی کوئی طاقت اسے اس فیصلے سے نہیں روک سکتی۔"

اور یہ کہہ کر نسطور جادُوگر کی بدرُوح نے ایک قہقہہ لگایا اور تیزی سے واپس مڑ کر کونے کے اندھیرے میں غائب ہو گیا...... اس بلا کے جاتے ہی جمشید نے اطمینان کا سانس لیا...... اب اس نے چل پھر کر کمرے کو دیکھنا شروع کیا کہ وہاں سے نکلنے کا کوئی دوسرا دروازہ کہاں ہے، مگر وہاں کوئی دروازہ نہیں تھا، جس دروازے سے وہ اندر آیا تھا وہاں اس کے آتے ہی ایک دیوار کھڑی ہو گئی تھی...... اس اعتبار سے وہ پتھر کی چار دیواری میں بند ہو کر رہ گیا تھا۔

وہ پلنگ پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے اور اس پتھر کی سنگین دیواروں والے قید خانے سے کس طرح باہر نکلا جائے...... بظاہر وہاں سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا...... اس نے اُٹھ کر ایک دیوار پر ہاتھ رکھ کر دیکھا...... دیوار سخت پتھر کی تھی...... جیسے کمرہ کسی چٹان کو تراش کر بنایا گیا ہو...... وہ مایوس ہو کر واپس پلنگ پر آ کر بیٹھ گیا...... یہ غنیمت تھی کہ اس پراسرار کمرے یا قید خانے میں اندھیرا نہیں تھا...... ہلکی ہلکی دُھندلی زرد روشنی کا غبار اسی طرح پھیلا ہوا تھا...... جمشید کچھ دیر پلنگ پر بیٹھا خالی کمرے کی سنگین دیواروں اور پتھریلی چھت کو بے بسی کی نظروں سے تکتا رہا...... پھر ہر طرف سے مایوس ہو کر اس نے اپنے آپ کو قسمت کے حوالے کر دیا کہ شاید اس کی حالت کی آرتی کو خبر ہو جائے اور وہ اس کی مدد کو پہنچ جائے...... وہ بستر پر لیٹ گیا...... پہلی بار مردوں کی زمین دوز دُنیا میں آنے کے بعد اس پر غنودگی سی طاری ہونے لگی...... اس نے آنکھیں بند کر لیں اور وہ واقعی سو گیا۔

اِدھر نسطور جادُوگر کی بدرُوح آگ بگولا ہو کر آتش پرستوں کے سینکڑوں برس پرانے قبرستان کے نیچے ایک تاریک غار میں آ گئی...... غار کے اندر بڑی بڑی مکروہ چمگادڑیں چھت کے ساتھ اُلٹی لٹکی ہوئی تھیں...... نسطور جادُوگر نے ان کے نیچے کھڑے ہو کر بجلی کی کڑک ایسی آواز نکال کر کہا۔

"ترشنی! ترشنی! اگر تو یہاں پر ہے تو فوراً میرے سامنے حاضر ہو۔"

اس آواز کے ساتھ ہی چھت پر اُلٹی لٹکی ہوئی ایک چمگادڑ چھت سے الگ ہو گئی...... اس نے غار کا ایک چکر لگایا اور پھر نسطور جادُوگر کے سامنے ایک ہیبت ناک شکل والی کالی ڈائن کی شکل میں ظاہر ہو گئی...... اس کی الو کی چونچ ایسی ناک اُوپر کو اُٹھی ہوئی تھی اور دونوں آنکھوں میں کبھی اندھیرا ہو جاتا تھا، کبھی سرخ روشنی آ جاتی تھی...... اس کے بال جنگلی جھاڑی کی طرح تھے اور سامنے کا ایک دانت باہر کو نکلا ہوا تھا...... یہ ترشنی ڈائن تھی جو اس غار کی تمام چمگادڑ ڈائنوں کی سب سے خطرناک ڈائن تھی۔

اس نے نسطور جادُوگر کے آگے سر جھکا کر کہا۔

"ترشنی ڈائن حاضر ہے نسطور دیوتا۔"

نسطور جادُوگر نے کہا۔

"میرے ساتھ آؤ۔"

اور وہ ترشنی ڈائن کو لے کر اسی غار کے ایک تہہ خانے میں آ گیا جہاں ڈائنوں اور چمگادڑوں کی چھوٹی بڑی کھوپڑیاں اور پنجوں کی ہڈیاں دیواروں کے ساتھ چمٹی ہوئی تھیں...... نسطور انسانی کھوپڑیوں سے بنے ہوئے ایک چبوترے پر بیٹھ گیا اور ترشنی ڈائن سے کہنے لگا۔

"ترشنی! آج مجھے میرے ایک ایسے دشمن نے شکست دی ہے جس کو میں ہر حالت میں ہلاک کرنا چاہتا ہوں، مگر میرا کوئی منتر اس پر اثر نہیں کر سکا۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے میرے دیوتا؟" ترشنی ڈائن نے حیران ہو کر کہا۔

نسطور کی بدرُوح نے کہا۔

"یہ اسی لئے ہوا ہے کہ میرے دشمن کو کسی ایسے جادُوگر کی مدد حاصل ہے جو مجھ سے زیادہ طاقتور ہے...... میرا خطرناک سے خطرناک منتر بھی اس کے آگے شکست کھا گیا...... میرا ہر حملہ ناکام ہو گیا...... مجھے تو خطرہ محسوس ہونے لگا تھا کہ کہیں میرا

دشمن مجھ پر جوابی وار نہ کر دے۔"

ترشنی ڈائن نے کہا۔

"میرے دیوتا! ہم بدرُوحوں اور ڈائنوں کی دُنیا میں ایسا کوئی جادوگر نہیں ہے جو آپ کی طاقت کا مقابلہ کر سکے۔"

"پھر میرے دُشمن کی مدد کون کر رہا ہے؟" نسطور جادوگر نے چیخ کر کہا اور خود ہی اُٹھ کر اِدھر اُدھر چکر لگانے لگا...... پھر رُک گیا اور ترشنی ڈائن کی طرف دیکھ کر بولا۔

"ترشنی! اتنا میں جانتا ہوں کہ جب میرا دشمن میرے سامنے تھا تو وہاں اس کے سوا دوسرا کوئی جادوگر موجود نہیں تھا...... ضرور اس جادوگر نے میرے دشمن عامل جمشید کو مجھ سے بچنے کے لئے یا تو کوئی آتشی منتر بتا دیا ہے اور یا اسے کوئی ایسا آتشی منتر والا مہرہ دے دیا ہے جو اسے میرے کالے جادو کے ہر حملے سے بچا رہا ہے...... تم بڑی عیار ڈائن ہو...... ہر طرح کا رُوپ بدل سکتی ہو، کسی طریقے سے میرے دشمن کے پاس جا کر اس کی طاقت کا راز معلوم کر کے مجھے بتاؤ تاکہ میں اس کا توڑ نکال سکوں...... یاد رکھو، وہ انسانوں کی دُنیا کا سب سے بڑا کالے جادو کا عامل ہے اور اس کا تعلق ہزاروں سال پرانے آتش پرست جادوگروں کے خاندان سے ہے...... اس کو سوائے میرے دوسرا کوئی ہلاک نہیں کر سکتا، کیونکہ میرا تعلق بھی آتش پرستوں کے جادوگر سامری کے خاندان سے ہے...... اس لئے اپنے طور پر اس پر حملہ کرنے کی حماقت نہ کرنا، تمہیں صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ اس کے پاس کون سا ایسا خفیہ منتر ہے جس کی وجہ سے اس پر میرا کوئی منتر اثر نہیں کر سکا، یہی اس کی طاقت کا راز ہے...... ایک بار اس کا یہ راز میرے ہاتھ آ گیا تو پھر اسے میرے انتقام کی آگ سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔"

ترشنی ڈائن نے پوچھا۔

"میرے دیوتا! تمہارا دشمن اس وقت کہاں ہے؟ اور اس کی شکل صورت کیسی ہے؟"

نسطور جادوگر نے اپنی مٹھی کھول کر ترشنی ڈائن کے آگے کر دی اور کہا۔

"اس میں میرے دشمن کو دیکھو۔"

ترشنی ڈائن نے دیکھا کہ ایک مضبوط قد کاٹھ کا بھرپور جوان آدمی پلنگ پر گہری نیند سو رہا ہے...... یہ جمشید تھا...... ترشنی ڈائن کہنے لگی۔

"میرے دیوتا! یہ تو آپ کا پرانا تہہ خانہ ہے؟"

نسطور جادوگر بولا۔

"تم نے ٹھیک پہچانا...... یہ میرا دشمن ہے جس کو میں نے اپنے پرانے تہہ خانے کی چار دیواری میں بند کر دیا ہے...... اس کا نام جمشید ہے جیسا کہ میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں، جاؤ اور جیسے بھی ہو اس کی طاقت کا راز معلوم کر کے فوراً میرے پاس واپس آؤ۔"

ترشنی ڈائن سر جھکا کر بولی۔

"ایسا ہی ہوگا میرے دیوتا!"

اور ترشنی ڈائن فوراً غائب ہو گئی۔

اس وقت جمشید نسطور جادوگر کے پرانے تہہ خانے کی سنگین چار دیواری میں قید پلنگ پر گہری نیند سو رہا تھا...... خدا جانے اسے کیسے نیند آ گئی تھی...... اچانک اس کی آنکھ کھل گئی...... اسے ایسے لگا جیسے کوئی اسے اس کا نام لے کر پکار رہا ہے...... اس نے کان لگا دیئے، اسے کسی عورت کی آواز آئی...... آواز بڑی دبی ہوئی تھی جیسے زمین کے اندر سے آ رہی ہو۔

"جمشید! مجھے باہر نکالو...... میری مدد کرو۔"

وہ بڑا حیران ہوا کہ اس عورت کو میرا نام کیسے معلوم ہوا اور یہ عورت کون ہے، مگر وہ کالے جادو اور شیطانی طاقتوں کی زیر زمین دُنیا میں تھا...... وہاں کچھ بھی ہو سکتا تھا...... اس کو خیال آیا کہ معلوم کرنا چاہئے یہ عورت کون ہے...... ہو سکتا ہے یہ اس کی کوئی مدد کر سکے...... وہ ڈوب رہا تھا...... اور اس کے لئے تنکا بھی ایک سہارا تھا...... وہ اُٹھ کر بیٹھ

گیا..... دوسری یا تیسری بار عورت کی دبی ہوئی آواز آئی تو اس نے جواب میں پوچھا۔

"تم کون ہو اور کہاں ہو؟"

عورت کی آواز آئی۔

"تمہارے پاس جو پتھر کا مجسمہ لگا ہوا ہے..... میں اس کے اندر بند ہوں۔"

جمشید نے پلنگ کے سرہانے کی جانب دیکھا جہاں جھکی ہوئی عورت کا سنگ مرمر کا مجسمہ کھڑا تھا..... اس نے کہا۔

میں تمہیں اس مجسمے سے کیسے نکال سکتا ہوں..... کیا اس مجسمے کو توڑ دوں؟

عورت کی آواز آئی۔

"نہیں..... توڑنے سے کچھ نہیں ہوگا..... میں پھر بھی اس مجسمے کی قید میں رہوں گی۔"

"تو پھر میں تمہیں کیسے باہر نکالوں؟" جمشید نے پوچھا۔

عورت کی آواز آئی۔

"مجسمے کے نیچے چھوٹا سا جو چبوترہ ہے اس کی سامنے کی طرف کی ایک اینٹ باہر نکال کر دیکھو..... تمہیں وہاں ایک ڈبیا پڑی ہوئی ملے گی..... اس ڈبیا کے اندر ایک چھوٹا بچھو ہے..... اس بچھو کو مار ڈالو..... میں خود بخود آزاد ہو کر مجسمے سے باہر آجاؤں گی اور تمہارا یہ احسان ساری زندگی یاد رکھوں گی۔"

اس لمحے جمشید کو خیال آیا کہ کہیں یہ بھی کوئی چڑیل یا بدرُوح نہ ہو اور وہ اُلٹا کسی اور مصیبت میں نہ پھنس جائے..... اس نے پوچھا۔

"تم کون ہو اور تمہیں اس بت کے اندر کس نے بند کیا ہے..... کیا تم بھی مردوں کی دُنیا کی کوئی بدرُوح ہو؟"

مجسمے کے اندر سے عورت کی گھٹی ہوئی آواز آئی۔

"میں کوئی بدرُوح نہیں ہوں..... میں تمہاری طرح انسانوں کی دُنیا کی رہنے والی

ہوں..... مجھے ایک جادوگر نے یہاں بند کر دیا ہے۔"

جمشید نے پوچھا۔

"اگر تم بدرُوح نہیں ہو تو تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہو گیا؟"

عورت کی آواز آئی۔

"جو جادوگر مجھے انسانوں کی دُنیا سے اٹھا کر لے آیا تھا اس نے مجھے اتنا جادو بتا دیا تھا کہ دوسروں کا نام مجھے معلوم ہو جاتا ہے..... تم مجھے باہر نکالو..... میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی۔"

جمشید نے سوچا کہ اسے باہر نکال دینا چاہئے..... ماتا کے بچھو کی کرامت اس نے دیکھ لی تھی..... اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہاں سوائے زرد لاش کے اسے کوئی بدرُوح وغیرہ کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتی..... اس نے کہا۔

"میں تجھ پر اعتبار کرتا ہوں اور تجھے باہر نکالتا ہوں۔"

یہ کہہ کر جمشید عورت کے مجسمے کے سامنے کی طرف آکر بیٹھ گیا..... اس نے دیکھا کہ جس چھوٹے سے چبوترے پر مجسمہ ایستادہ تھا اس کی ایک اینٹ اپنی جگہ سے تھوڑی سی ہلی ہوئی تھی ں نے اینٹ کو تھوڑی سی کوشش کے بعد باہر نکال لیا..... جھک کر دیکھا، اندر ایک ڈبی پڑی تھی..... جمشید ڈبی کو نکال کر ایک طرف لے گیا..... اسے زمین پر رکھ کر اس نے اس کا ڈھکن کھول دیا..... ڈبی کے اندر واقعی ایک کالا بچھو چکر لگا رہا تھا..... اس نے ڈبی اُلٹ دی اور فرش پر دوڑتے ہوئے بچھو کو پاؤں سے کچل دیا۔

بچھو مر گیا..... اس کے مرتے ہی عورت کے مجسمے میں سے زرد روشنی سی نکلنے لگی..... پھر ایک عورت کا ہیولا اس کے اندر سے نکل کر الگ ہو گیا..... جمشید یہ کچھ پلنگ کے قریب کھڑے دیکھ رہا تھا..... عورت کا ہیولا فرش کے ساتھ لگا تو وہ زندہ عورت میں تبدیل ہو گیا۔

جمشید نے دیکھا کہ عورت بڑی خوب صورت تھی۔

اس نے بڑا خوب صورت لباس پہن رکھا تھا...... لمبے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے...... کانوں میں سنہری بالیاں تھیں...... زندہ انسانی شکل میں آتے ہی اس عورت نے جمشید کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور بولی۔

"میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں...... تم نے مجھے ایک عذاب سے نجات دلا دی ہے۔"

جمشید نے کہا۔

"جھوٹ مت بولنا...... سچ سچ بتاؤ تم کون ہو، تمہارا نام کیا ہے اور تم انسانوں کی دُنیا میں کون سے شہر میں رہتی تھیں۔"

اس عورت نے کہا۔

"میرا نام لکشمی ہے...... میرا گھر بھارت کے ایک گاؤں میں ہے...... یہ جادُوگر مجھے میرے گاؤں سے اُٹھا کر لے آیا تھا...... اس نے مجھے ایک تہہ خانے میں بند کر دیا تھا۔

وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا...... میں نے انکار کیا تو اس نے سزا کے طور پر اس مجسمے میں قید کر دیا...... بس یہ ہے میری سچی درد بھری کہانی۔

جمشید نے پوچھا۔

"اس جادُوگر کا نام کیا ہے؟"

لکشمی نے کہا۔

"مجھے اس نے اپنا نام نہیں بتایا تھا، مگر میں نے ایک بار کسی بدرُوح کو اس کا نام لیتے سن لیا تھا...... اس نے جادُوگر کا نام نسطور لیا تھا، لیکن تم یہاں کیسے آ گئے ہو...... تم بھی مجھے اپنی طرح انسانوں کی دُنیا کے لگتے ہو...... اب مجھے اپنے بارے میں بتاؤ کہ تم کون ہو۔"

جمشید نے کہا۔

"میں بھی تمہاری طرح کا انسان ہوں اور اپنی غلطی کی وجہ سے اس دُنیا میں آ کر پھنس گیا ہوں۔"

لکشمی بولی۔

"تم بھی میری طرح اس بدرُوحوں کی دُنیا کے قیدی ہو...... مجھے تم سے پوری ہمدردی ہے، لیکن ہمیں یہاں زیادہ دیر نہیں رکنا چاہئے...... اگر جادُوگر کو پتہ چل گیا تو میرے ساتھ وہ تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑے گا...... وہ بڑا خطرناک جادُوگر ہے۔"

جمشید کہنے لگا۔

"مگر ہم یہاں سے نکلیں گے کیسے؟"

لکشمی نے حیران سی ہو کر جمشید کی طرف دیکھا اور پھر اس سنگین کمرے میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی...... جمشید نے کہا۔

"یہاں سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔"

لکشمی کہنے لگی۔

"نسطور جادُوگر کو بتائے بغیر میں نے ایک دو جادُو کے منتر یاد کر لئے تھے...... اس وقت وہ میرے کام آئیں گے۔"

وہ اُٹھ کر ایک دیوار کے پاس گئی...... ایک جگہ اُنگلی سے دیوار کو ٹٹولا اور بولی۔

"یہاں پہلے ایک چھوٹا دروازہ ہوتا تھا...... ہم اسی دروازے سے باہر نکلیں گے۔"

"مگر دیوار میں سے کیسے گزریں گے؟" جمشید نے پوچھا۔

لکشمی بولی۔

"دشمن نسطور کے منتر آخر کس روز کام آئیں گے۔"

لکشمی نے ایک منتر پڑھ کر دیوار پر پھونکا...... دیوار میں ایک تنگ دروازہ نمود
ہو گیا، اس نے جمشید سے کہا۔

"چلے آؤ۔"

دوسری طرف ایک اور کوٹھڑی تھی...... اس کوٹھڑی میں لکڑی کے تخت پر
چادر بچھی تھی اور اس پر چند ایک انسانی ہڈیاں پڑی تھیں...... لکشمی نے ان ہڈیوں
ایک طرف کر دیا اور کہنے لگی۔

"کسی زمانے میں یہاں نسطور جادوگر چلہ کیا کرتا تھا...... مگر اب وہ یہاں نہ
آتا...... یہاں بیٹھ جاؤ۔"

جمشید لکشمی کے پاس ہی تخت پر بیٹھ گیا...... اس نے کوٹھڑی کی دیواروں پر نگ
ڈال کر کہا۔

"ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے لکشمی۔"

لکشمی کہنے لگی۔

"میں بھی یہی چاہتی ہوں، مگر سوچ رہی ہوں کہ یہاں سے کیسے نکلا جائے۔"

جمشید نے تعجب سے کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

لکشمی بولی۔

"میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اس کوٹھڑی کے وہ سامنے والے کونے میں زمین
اندر سے ایک خفیہ راستہ یہاں سے باہر جاتا ہے، مگر وہاں سے زمین ایک خاص مہر

کو رگڑنے سے ہی نکلتی ہے اور خفیہ راستہ ظاہر ہوتا ہے اور وہ مہرہ نسطور جادوگر اپنے
سرہانے کے نیچے رکھ کر سوتا ہے۔"

جمشید کا چہرہ لٹک گیا...... یہ ایک اور بہت بڑی رکاوٹ اس کے سامنے آگئی تھی۔
اس نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہم ایک قید خانے سے نکل کر دوسرے قید خانے میں بند
ہو گئے ہیں۔"

"بات ایسی ہی ہے۔" لکشمی بولی...... لیکن مجھے سوچنے دو...... کوئی نہ کوئی حل نکل
آئے گا۔"

جمشید بولا۔

"کیا تمہارے پاس ایسا کوئی منتر نہیں ہے جس کو پھونک کر تم نسطور جادوگر کا مہرہ
حاصل کر سکو؟"

لکشمی نے کہا۔

"افسوس کہ میرے پاس ایسا کوئی منتر نہیں ہے اور پھر نسطور بڑا طاقتور اور
خطرناک جادوگر ہے...... اس کے سرہانے کے نیچے سے مہرہ نکال کر لانا موت کے منہ
میں جانے کے برابر ہے۔"

جمشید نے کہا۔

"لیکن وہ جس وقت جاگ رہا ہو اس وقت تو تم یہ مہرہ چرانے کی کوشش کر سکتی
ہو۔"

لکشمی کہنے لگی۔

"جب وہ سو کر اُٹھتا ہے اور مہرہ سرہانے کے نیچے سے نکال کر اپنے گلے میں ڈال
لیتا ہے۔"

پھر لکشمی نے جمشید سے کہا۔

"تم بھی تو کالے جادُو کے عامل ہو...... کیا تمہارے پاس بھی ایسا کوئی منتر ہے جو ہمارے کام آسکے اور ہمیں یہاں سے نکال سکے؟"

جمشید نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"افسوس کہ اس دُنیا میں آنے کے بعد مجھے جتنے منتر یاد تھے سب بھول گئے ہیں۔"

لکشمی نے سر جھکالیا اور سرد آہ بھر کر بولی۔

"اس سنگدل جادُوگر سے ہم دونوں کا چھٹکارا پانا ناممکن لگتا ہے۔"

جمشید بھی سر جھکائے خاموش تھا...... لکشمی نے سر اُٹھا کر کہا۔

"میں اس نسطور جادُوگر کی بدرُوح کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔"

جمشید نے پوچھا۔

"مگر تم یہاں سے کیسے نکل کر مہرہ لینے جا سکتی ہو؟"

لکشمی بولی۔

"میں تو نسطور ہی کے چرائے ہوئے ایک منتر کے ذریعے غائب ہو کر چلی گی، لیکن اس نے اس جگہ کے اِرد گرد جو کالے جادُو کا طلسمی حصار کھینچ رکھا ہے اُ سے باہر نہیں نکل سکتی...... اس طرح سے میں بھی تمہاری طرح ابھی تک نسطور میں ہی ہوں اور پھر تم غائب بھی نہیں ہو سکتے۔"

لکشمی نے جمشید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم نے بتایا تھا کہ نسطور جادُوگر تمہیں ہلاک کرنا چاہتا ہے، لیکن ابھی تک نے تمہیں ہلاک کیوں نہیں کیا؟ تم تو اس کی قید میں ہو۔"

جمشید کہنے لگا۔

"میرے پاس ایک ایسی چیز ہے جو نسطور کے آتشی منتروں سے میری کرتی ہے۔"

لکشمی نے پوچھا۔

"وہ کون سی چیز ہے؟ کیا مجھے نہیں بتاؤ گے...... شاید وہ ہمارے کچھ کام آسکے۔ اس وقت ہم دونوں ایک ہی مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں۔"

جمشید نے کہا۔

"یہ چیز ماتا کا بچھو ہے جسے میں نے اپنے بازو کے ساتھ باندھ رکھا ہے۔"

"کیا مجھے نہیں دکھاؤ گے؟" لکشمی نے پوچھا۔

جمشید بولا۔

"یہ میں نہیں دکھا سکتا، جس نے مجھے یہ بچھو دیا تھا اس نے کہا تھا کہ اسے کسی کو مت دکھانا۔"

لکشمی خاموشی سے کچھ سوچنے لگی...... پھر بولی۔

"پھر تو مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا...... ہم زیادہ دیر تک یہاں نہیں ٹھہر سکتے...... نسطور جادُوگر کو کسی وقت بھی ہماری خبر ہو سکتی ہے...... تم تو اس کے جادُو سے شاید بچ جاؤ گے مگر وہ مجھے ضرور مار ڈالے گا...... میں نسطور کا مہرہ لانے کی ایک کوشش کر کے دیکھتی ہوں۔"

جمشید نے کہا۔

"یہ بڑا مشکل کام ہے...... نسطور کو پتہ چل جائے گا...... تمہیں بڑی احتیاط سے کام لینا ہوگا۔"

لکشمی بولی۔

"کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا...... یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے...... میں چلتی ہوں...... اگر میں واپس نہ آئی تو سمجھ لینا کہ میں پکڑی گئی ہوں اور نسطور نے یا تو مجھے ہلاک کر دیا ہے یا کسی اندھیرے غار میں قید کر دیا ہے، لیکن اس بات کا اطمینان رکھنا...... میں تمہارے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔"

جمشید بولا۔

"میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

لکشمی نے حسرت بھری نظروں سے جمشید کی طرف دیکھا اور اس کا ہاتھ بڑ
محبت سے چوم کر دیوار کی طرف گئی اور غائب ہو گئی۔

دیوار کی دوسری طرف جانے کے فوراً بعد لکشمی ظاہر ہو گئی...... اس نے دونو
بازو پھیلا کر حلق سے ایک باریک چمگادڑوں والی چیخ نکالی اور خوب صورت عورت سے
ایک دم ترشنی ڈائن بن گئی...... ترشنی ڈائن کا ڈراؤنا روپ دھارنے کے بعد اس نے
ویسی ہی ایک اور چیخ منہ سے نکالی اور ترشنی ڈائن سے چمگادڑ کا روپ اختیار کر لیا اور
پرواز کر گئی۔

نسطور جادوگر اپنے اندھیرے غار میں ایک کھوپڑی کے سامنے لوبان سلگا
کالے جادو کے کسی منتر کا جاپ کر رہا تھا کہ اچانک ایک چمگادڑ غار میں آ کر پھڑ پھڑا
ہوئے چکر لگانے لگی...... نسطور جادوگر نے چمگادڑ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ترشنی! میرے سامنے آؤ۔"

چمگادڑ اسی لمحے نیچے آ کر ترشنی ڈائن کی شکل میں سامنے آ گئی...... نسطور نے پوچھا

"کیا خبر لائی ہو؟"

ترشنی ڈائن نے کہا۔

"میرے دیوتا! میں لکشمی نام کی خوب صورت عورت بن کر تمہارے دشمن
جمشید کے پاس گئی تھی...... اس کے پاس مورتی ماتا کا بچھو ہے جسے اس نے اپنے باز
باندھ رکھا ہے...... ماتا کا یہ بچھو اسے کسی عورت نے دیا ہے۔"

نسطور نے زہر بھری آواز میں کہا۔

"میں جانتا ہوں...... یہ بچھو اسے آرتی ہی دے سکتی ہے...... ماتا کے بچھو کی وجہ
جمشید پر میرے آتشی منتروں نے بھی کوئی اثر نہیں کیا...... کیا تم وہ بچھو لے آئی ہو؟"

ترشنی ڈائن بولی۔

"نہیں میرے دیوتا! وہ کسی صورت ماتا کے بچھو کو اپنے بازو سے الگ کرنے پر
تیار نہیں ہے...... اس نے مجھے ماتا کا بچھو دیکھنے بھی نہیں دیا...... کہنے لگا جس عورت نے
مجھے یہ دیا ہے اس نے سختی سے منع کیا تھا کہ اسے نہ اپنے بازو سے الگ کرنا اور نہ ہی کسی
کو دکھانا اور میرے دیوتا! ماتا کے بچھو کی وجہ سے میں جمشید پر موت کا منتر پھونک کر مار
بھی نہیں سکتی تھی...... ماتا کا بچھو تمہارے دشمن جمشید کی حفاظت کر رہا ہے...... اب تم
مجھے جو حکم دو گے میں اس پر عمل کروں گی۔"

نسطور جادوگر پریشان ہو گیا...... کہنے لگا۔

"میں اس شخص کو کسی حالت میں زندہ نہیں دیکھ سکتا، لیکن جب تک اس کے
پاس ماتا کا بچھو ہے میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، زیادہ سے زیادہ اسے ایک چار دیواری میں
قید ہی کر سکتا ہوں...... یہ شخص میرے لئے خطرہ بھی بن سکتا ہے...... میں جتنی جلدی
ہو سکے اس کا کام تمام کر دینا چاہتا ہوں۔"

ترشنی ڈائن کہنے لگی۔

"میرے دیوتا! اگر تم اجازت دو تو میں تمہارے دشمن پر موت کا منتر پھونک کر
اسے ہلاک کرنے کی کوشش کر سکتی ہوں۔"

نسطور جادوگر بولا۔

"تم ماتا کے بچھو کی جادوئی طاقت کو نہیں جانتیں...... تمہارا موت کا منتر بھی اس
پر اثر نہیں کرے گا...... ہو سکتا ہے ماتا کا بچھو الٹا تمہیں ہلاک کر ڈالے۔"

ترشنی ڈائن بولی۔

"میرے دیوتا! میں تمہاری خاطر موت کا خطرہ مول لینے کو بھی تیار ہوں۔"

نسطور جادوگر نے کہا۔

"نہیں نہیں...... میں یہ نہیں چاہتا۔"

نسطور جادوگر نے اپنی کھوپڑی اوپر اٹھا کر چھت کی طرف دیکھا...... پھر اپنی

کھوپڑی کی آنکھ سے چمٹے ہوئے بچھو پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

"ایک بات ہو سکتی ہے؟"

"وہ کیا میرے دیوتا؟"

نسطور جادوگر بولا۔

"میں اپنی کھوپڑی کے ایک بچھو پر یم دوت کا منتر پھونک کر تمہیں دیتا ہوں
تم یہ بچھو لے کر واپس جمشید جس کوٹھڑی میں بند ہے وہاں جاؤ اور اس بچھو کو چھوڑ
دو...... یہ بچھو فوراً اسے ڈس لے گا...... اس کے زہر میں موت کے منتر کا زہر بھی شامل
ہو گا...... مجھے یقین ہے کہ اس ملے جلے زہر سے میرا دشمن جمشید فوراً ہلاک ہو جائے گا
اور اس سے پہلے کہ ماتا کا بچھو اسے بچا سکے وہ مر چکا ہو گا...... بس میں یہی چاہتا ہوں
جب اس کی لاش ماتا کے بچھو کے ساتھ ہی گل سڑ جائے گی تو میں اس کی کھوپڑی لا کر
اس کے دو ٹکڑے کر کے ان میں روز آگ جلایا کروں گا، اس طرح میرے انتقام کی
آگ کو تسکین مل جائے گی اور میں ایک خطرناک دشمن سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا حاصل کر
پالوں گا۔"

ترشنی ڈائن بولی۔

"میرے دیوتا میں یہ کام کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

نسطور جادوگر نے کہا۔

"میرے سامنے ایک طرف ہو کر بیٹھ جاؤ...... مجھے اپنی کھوپڑی کے بچھو پر
پھونکنے کے واسطے یم دوت کے منتر کا پورا چلہ کرنا ہو گا۔"

ترشنی ڈائن ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گئی...... نسطور جادوگر نے اپنی کھوپڑی میں
ہاتھ ڈال کر ایک کالا بچھو نکالا اور اسے اس کھوپڑی کے پیالے میں رکھ دیا جس میں
لوبان سلگ رہا تھا...... اس کے بعد اس نے موت کا منتر پڑھنا شروع کر دیا...... وہ موت
کا منتر پڑھ پڑھ کر کالے بچھو پر پھونکتا جاتا تھا...... پچاس ساٹھ مرتبہ منتر پھونکنے

بعد نسطور جادوگر نے کالا بچھو اُٹھا کر ترشنی ڈائن کو دیا اور بولا۔

"اسے لے جا کر اس کوٹھڑی میں چھوڑ دینا جس میں میرا دشمن جمشید بند ہے......
تم اس کے سامنے ظاہر مت ہونا...... اس بچھو کے زہر سے میرے دشمن کی موت
ہو جائے گی تو مجھے آ کر یہ خوشخبری سنانا۔"

ترشنی ڈائن نے کہا۔

"جو آ گیا میرے دیوتا۔"

اور ترشنی ڈائن چمگادڑ کا رُوپ دھار کر وہاں سے غائب ہو گئی۔

جمشید بند کوٹھڑی میں تخت پوش پر سر جھکائے بیٹھا اپنی قسمت کو کوس رہا تھا کہ وہ
کیوں عفریتی چڑیل کا چلہ کاٹنے نسطور کی قبر میں بیٹھ گیا...... اب اسے اپنی جان کی فکر
پڑ گئی تھی، وہ جس راستے سے ہو کر لکشمی کے ساتھ اس کوٹھڑی میں آیا تھا اب وہ راستہ
بھی بند ہو گیا تھا اور وہاں ایک دیوار کھڑی ہو گئی تھی...... وہ اپنے دیوتاؤں سے یہی دعا
مانگ رہا تھا کہ لکشمی نسطور جادُوگر کا مہرا چرا کر لانے میں کامیاب ہو جائے، کیونکہ اسے
اپنی نجات اب اسی مہرے میں نظر آ رہی تھی...... کوٹھڑی میں وہی ہلکی زرد رنگ کی
دُھندلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

وہ تخت پر سر جھکائے بیٹھا لکشمی کا انتظار کر رہا تھا۔

اسے سسکار کی ایک آواز سنائی دی...... اس نے سر اُٹھا کر دیکھا...... وہاں کچھ بھی
نہیں تھا...... دوسری بار جب وہی سسکار کی آواز آئی تو وہ چوکنا ہو گیا اور غور سے اِدھر
اُدھر دیکھنے لگا...... اچانک اس کی نظر ایک بڑے سے کالے بچھو پر پڑی جو کونے میں سے
نکل کر اس کی طرف بڑھ رہا تھا...... جمشید گھبرا کر تخت پوش پر کھڑا ہو گیا...... کالا بچھو
تخت پوش سے دو گز کے فاصلے پر آ کر رُک گیا اور جمشید کی طرف دیکھنے لگا...... اس کی
زہر بھری دم بے چینی سے آگے پیچھے حرکت کر رہی تھی...... ایک دم سے کالا بچھو اپنی
جگہ سے اُچھلا اور جمشید کی طرف آیا...... جمشید نے تخت پوش پر سے دوسری طرف

چھلانگ لگادی...... کالا بچھو اب ہوا میں اُڑ رہا تھا...... اُڑتے اُڑتے کالے بچھو نے
لگایا اور جمشید کی گردن پر ڈسنے کے لئے حملہ کر دیا۔

جیسے ہی وہ جمشید سے ایک فٹ کے فاصلے پر پہنچا جمشید کے بازو میں سے ماتا کا
بچھو ایک خوفناک پھنکار کے ساتھ باہر نکلا اور اس نے لپک کر نسطور جادوگر کے بچھو
دبوچا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے...... جمشید دہشت زدہ ہو کر جہاں کھڑا تھا
بت بن کر کھڑا رہا...... ماتا کے بچھو نے اس کے دُشمن بچھو کے دو ٹکڑے کر دیئے
تھے...... نسطور کا بچھو فرش پر تھوڑی دیر تڑپنے کے بعد مر گیا...... ماتا کا بچھو ہوا میں
معلق اسے مرتا دیکھتا رہا...... پھر وہ ہوا میں آہستہ آہستہ تیرتا ہوا جمشید کی طرف آیا
اس کی آستین میں گھس گیا...... جمشید نے محسوس کیا کہ ماتا کا بچھو اس کے بازو پر رینگتا
ہوا ایک جگہ رُک گیا ہے...... اس نے آستین چڑھا کر دیکھا...... ماتا کا بچھو اس کے بازو
پہلے کی طرح بندھا ہوا تھا اور پتھر بن گیا تھا...... جمشید نے گہرا سانس لیا اور تخت پوش
بیٹھ گیا...... فرش پر مرے ہوئے بچھو کے دونوں ٹکڑے بے جان ہو چکے تھے۔

پھر اس کے دیکھتے دیکھتے مردہ بچھو کے دونوں ٹکڑے غائب ہو گئے...... جمشید
سمجھ گیا کہ یہ جادو کا بچھو تھا اور اسے اس کے دُشمن نسطور جادوگر نے ہلاک کرنے کے
لئے بھیجا تھا، مگر ماتا کے بچھو نے اسے بچا لیا تھا...... وہ دل میں ماتا کا بھی شکریہ ادا کرنے
لگا، لیکن اب اسے وہاں خوف محسوس ہونے لگا تھا...... وہاں سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ
نہیں تھا اور اس کا دُشمن نسطور جادوگر اس پر بار بار قاتلانہ حملے کر رہا تھا...... وہ ڈر رہا تھا
کہ نسطور جادوگر کا کوئی حملہ کامیاب ہو گیا تو وہ زندہ نہیں بچے گا...... اتنے میں دیوار کے
کونے میں سے لکشمی نمودار ہو گئی۔

جمشید نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

”نسطور کا مہرہ لے آئی ہو لکشمی؟“

لکشمی اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور افسوس کرتے ہوئے بولی۔

”نہیں جمشید! مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکی......
میں خوش قسمت ہوں کہ جان بچا کر آ گئی ہوں...... نسطور جادوگر کا مہرہ حاصل کرنا
ناممکن ہے۔“

پھر جمشید کے چہرے کو دیکھ کر بولی۔

”کیا بات ہے تم کچھ گھبرائے گھبرائے سے لگتے ہو؟“

جمشید نے اسے کالے بچھو کے ظاہر ہو کر اس پر حملہ کرنے اور پھر ماتا کے بچھو
کے اچانک سامنے آ کر کالے بچھو کو دو ٹکڑے کرنے کا سارا واقعہ سنا دیا...... لکشمی جو
اصل میں ترشنی ڈائن تھی حیران سی ہو کر سب کچھ سنتی رہی...... پھر بولی۔

”وہ کالا بچھو کہاں چلا گیا تھا؟“

جمشید نے کہا۔

”دو ٹکڑے ہونے کے کچھ دیر بعد غائب ہو گیا تھا...... لکشمی! مجھے یقین ہے کہ یہ
بچھو نسطور جادوگر نے مجھے ہلاک کرنے کے لئے بھیجا تھا۔“

لکشمی کو سب کچھ معلوم تھا مگر وہ یہ ظاہر کر رہی تھی جیسے اسے کچھ بھی علم نہیں
ہے...... پریشان ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے بولی۔

”تم نے بڑا پریشان کر دینے والا واقعہ سنایا ہے...... اس کا مطلب ہے کہ نسطور
جادوگر کو پتہ چل گیا ہے کہ تم اس کی پرانی کوٹھڑی میں بند ہو اور تمہارے ساتھ میں
بھی ہوں...... اب ہماری دونوں کی زندگی خطرے میں ہے...... نسطور جادوگر نے
دوسری بار حملہ کیا تو تمہیں تو ماتا کا بچھو بچا لے گا مگر میں زندہ نہ بچ سکوں گی۔“

”تو کیا ہم ساری زندگی اسی کوٹھڑی میں قید رہیں گے؟“

جمشید کے اتنا کہنے پر لکشمی بولی۔

”ایسا میں کبھی نہیں ہونے دوں گی...... تمہیں اپنے ساتھ لے کر میں یہاں سے
نکلنے کی کوئی راہ ضرور ڈھونڈ لوں گی...... میں ایک اور کوشش کرتی ہوں...... گھبرانا

نہیں...... میں بڑی جلدی واپس آجاؤں گی۔"

یہ کہہ کر لکشمی اسی طرح کونے میں دیوار کے پاس جاکر غائب ہو گئی...... کوٹھڑی سے باہر آکر اس نے چمگادڑ کا رُوپ بدلا اور فضا میں چیختی غوطے لگاتی نسطور جادُوگر کے پاس واپس پہنچ گئی اور اسے سارا ماجرا بیان کیا...... نسطور یہ سن کر نفرت اور انتقام کی آگ میں بھڑک اُٹھا...... بولا۔

"اس نے میرے بچھو کو بھی ہلاک کر دیا...... میں اب اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔"

اس نے قہر بھری نظروں سے ترشنی ڈائن کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اب مجھے اپنا اگنی منتر پھونکنا پڑے گا۔"

ترشنی ڈائن نے سنا تو سہم کر بولی۔

"میرے دیوتا! اس منتر کے پھونکنے سے آپ کا پرانا استھان بھی جل کر راکھ ہو جائے گا۔"

نسطور جادُوگر نے غضبناک ہو کر کہا۔

"چاہے میرا استھان بھی جل جائے لیکن اس آگ میں میرا دشمن بھی جل کر بھسم ہو جائے گا...... میرے ساتھ آؤ۔"

نسطور جادُوگر نے چھت کی طرف دیکھ کر بھیانک نعرہ لگایا۔

"جے اگنی دیوی کی۔"

اور غائب ہو گیا...... ترشنی ڈائن بھی اس کے پیچھے غائب ہو گئی...... دونوں پلک جھپکنے میں زمین دوز مردوں کی دُنیا کے اس غار میں آگئے جس کی دوسری طرف نسطور کے پرانے استھان کی ایک کوٹھڑی میں عامل جمشید تخت پر بیٹھا لکشمی کا دوسری بار انتظار کر رہا تھا...... نسطور جادُوگر غار میں ایک جگہ رُک گیا اور غار کی دیوار کو گھور کر دیکھنے اور منہ ہی منہ میں اگنی منتر کا جاپ کرنے لگا...... ترشنی ڈائن اس کے پیچھے ایک

طرف ہٹ کر کھڑی تھی...... نسطور جادُوگر کی کھوپڑی کی ایک آنکھ کے سوراخ میں سے آگ کی لال انگارہ ایسی شعاع نکل کر غار کی دیوار سے ٹکرائی...... آگ کی شعاع کے ٹکراتے ہی دیوار کی دو تین اینٹیں انگاروں کی طرح دہکنے لگیں...... نسطور جادُوگر پیچھے ہٹ گیا اور قہقہہ لگا کر بولا۔

"اب دیکھتا ہوں آرتی کی ماتا کا بچھو میرے دُشمن کو کیسے بچاتا ہے...... یہ ماتا اگنی کی آگ ہے...... یہ میرے دشمن اور ماتا کے بچھو دونوں کو جلا کر بھسم کر دے گی...... چلو ترشنی، ہم کل اپنے دُشمن جمشید کی جلی ہوئی کھوپڑی لینے آئیں گے۔"

اور نسطور جادُوگر اور ترشنی ڈائن دونوں غائب ہو گئے۔

جمشید اسی طرح تخت پوش پر لکشمی کے انتظار میں بیٹھا تھا...... اس کے قریب ہی پرانی انسانی ہڈیاں پڑی تھیں...... ان ہڈیوں میں کسی بدنصیب انسان کے ہاتھ کا پنجہ بھی تھا...... ہاتھ کی ساری ہڈیاں انگلیوں کی ہڈیوں سمیت درست حالت میں تھیں...... ہڈیوں کے پنجے کی انگلیاں بند تھیں...... بیٹھے بیٹھے جمشید کو ہلکی ہلکی تپش سی محسوس ہوئی...... پہلے اس نے زیادہ خیال نہ کیا لیکن جب تپش بڑھتی چلی گئی تو اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا، کیونکہ تپش اس کے عقب سے آرہی تھی...... یہ دیکھ کر وہ گھبرا گیا کہ دیوار کے تین چار پتھر سرخ انگاروں کی طرح دہک رہے تھے...... وہ جلدی سے تخت پوش پر سے اُٹھ کر پرے ہو گیا۔

وہ دیوار کو گھور کر دیکھ رہا تھا...... دیوار کے پتھر ایک دوسرے کے بعد آہستہ آہستہ انگاروں میں تبدیل ہو رہے تھے...... تھوڑی ہی دیر میں پوری دیوار انگارہ بن کر دہکنے لگی...... کوٹھڑی میں اتنی گرمی ہو گئی کہ جمشید کو لگا وہ کسی تنور میں بند ہو گیا ہے...... اس کے بعد دوسری دیوار کے پتھروں نے بھی آگ پکڑنی شروع کر دی...... جمشید فوراً جان گیا کہ یہ نسطور جادُوگر کی لگائی ہوئی آگ ہے...... وہ اسے اس آگ میں جلا کر بھسم کر دینا چاہتا ہے...... جب دوسری دیوار بھی انگارہ بن کر دہکنے لگی اور

کوٹھڑی میں سانس لینا مشکل ہو گیا تو جمشید اپنے بازو پر ہاتھ رکھ کر پکار اُٹھا۔

"ماتا کے بچھو! تو نے مجھے اس آگ سے نہ بچایا تو میرے ساتھ تو بھی جل مرے گا۔"

جیسے ہی جمشید کی زبان سے یہ کلمات نکلے اس نے دیکھا کہ تخت پر جو انسانی ہڈیوں کا پنجہ پڑا تھا وہ تخت پوش پر اُوپر کو اُٹھا اور اڑ کر سامنے والے کونے میں فرش کے اُوپر آکر رُک گیا...... پھر پنجے کی تینوں انگلیاں بند ہو گئیں...... صرف ایک انگلی اُٹھی ہوئی رہی...... یہ اُٹھی ہوئی انگلی فرش پر جھکی اور اُنگلی نے فرش پر ایک لکیر کھینچ دی...... لکیر کے کھینچتے ہی فرش اس جگہ سے شق ہو گیا اور ایک زینہ نیچے جاتا نظر آیا...... جمشید جلدی سے زینہ میں اُتر گیا۔

دس بارہ سیڑھیاں اُترنے کے بعد ایک سرنگ آگئی...... جمشید سرنگ میں چلنے لگا...... سرنگ ختم ہوئی تو جمشید نے دیکھا کہ آگے ٹیلوں کے درمیان زرد پانی کی چھوٹی سی نہر بہہ رہی ہے اور ایک کشتی سرنگ کے دہانے کے ساتھ بندھی ہوئی ہے...... جمشید کشتی کھول کر اس میں بیٹھ گیا اور چپو چلانے لگا...... نہر کے زرد پانی کی لہریں اسے تیزی سے آگے لے جانے لگیں...... کچھ ہی دیر بعد وہ زرد پانی کی کشادہ جھیل میں آگیا...... اس نے جھیل کو پہچان لیا تھا...... یہ وہی زرد پانیوں کی جھیل تھی جہاں آرتی اسے ساتھ لے کر آئی تھی اور جس میں جمشید نے ایک خون آلود زرد لاش کو دیکھا تھا۔

شاید رات گزر چکی تھی، کیونکہ جھیل پر زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی...... دُور اسے وہ چھوٹی چھوٹی سیاہ چٹانیں اور ٹیلے دکھائی دیئے جو جھیل کے زرد پانیوں میں سے باہر کو نکلے ہوئے تھے۔

وہ کشتی چلاتا ان چٹانوں اور ٹیلوں میں آگیا...... ان ٹیلوں کے درمیان زرد جھیل کا پانی نہر کی شکل میں بہہ رہا تھا...... ان چٹانوں اور ٹیلوں کی دوسری جانب زرد لاشوں کا جزیرہ تھا...... جمشید نے اس جزیرے کو بھی پہچان لیا...... اب وہ چاہتا تھا کہ جزیرے کی

دوسری طرف ٹیلے کے اوپر جو پتھر کی بارہ دیواری ہے اور جس کے اندر آرتی اسے چھوڑ گئی تھی وہاں پہنچ جائے، کیونکہ ہو سکتا تھا آرتی وہاں پر آچکی ہو اور اس کا انتظار کر رہی ہو۔

وہ کشتی سے اُترنے کی بجائے کشتی کو جزیرے کی دوسری جانب لے آیا...... سامنے جھیل میں اس کو چار دیواری والا ٹیلہ نظر آگیا...... وہ ٹیلے کے پاس آکر کشتی سے اُتر کر سیڑھیاں چڑھنے لگا جو ٹیلے کی ڈھلان کو کھود کر بنائی گئی تھیں اور اُوپر بارہ دری والی کوٹھڑی کی چار دیواری کو جاتی تھیں...... کوٹھڑی کا دروازہ اسی طرح کھلا تھا، وہ اس میں سے گزر کر ڈیوڑھی کا زینہ طے کر کے دوسری منزل کے تنگ کمرے میں پہنچ گیا...... بارہ دری میں سے دن کی روشنی اندر آرہی تھی۔

وہ خاموشی سے کوٹھڑی کی دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا...... اب اس نے عہد کر لیا تھا کہ دن ہو یا رات نہ تو وہ اس کوٹھڑی سے باہر قدم رکھے گا اور نہ ہی بارہ دری کے پاس جائے گا...... آتش پرست مردوں کی اس زمین دوز دُنیا کی رات اور دن کا فرق جمشید کی سمجھ میں نہیں آیا تھا...... اس کے اندازے کے مطابق اسے اس دہشت ناک دُنیا میں آئے ایک رات اور ایک دن گزرا تھا، لیکن اس دوران اس نے دیکھا تھا کہ تین چار مرتبہ رات ہوئی تھی۔

اس وقت بھی جب وہ بارہ دری والی کوٹھڑی میں دُبک کر بیٹھا تھا تو دن کا وقت تھا...... بارہ دری کے باہر وہاں کے دن کی وہی دُھندلی زرد بیمار روشنی تھی، لیکن چند ہی لمحوں کے بعد اندھیرا چھا گیا، لیکن اس اندھیرے میں بھی بارہ دری کے باہر کہیں کہیں دُھندلی زرد روشنی کا غبار نظر آرہا تھا...... اسے آرتی کا انتظار تھا اور کچھ پتہ نہیں تھا کہ اسے کب تک وہاں آرتی کا انتظار کرنا پڑے...... دن کی خاموشی رات کے مردہ سناٹے میں تبدیل ہو گئی تھی...... جمشید کو اپنے سانس لینے کی آواز صاف سنائی دینے لگی تھی...... اس نے چونک کر کھلے دروازے کی طرف دیکھا۔

اس نے ایسی آواز سنی تھی جیسے کوئی سیڑھیوں پر اُوپر چلا آرہا ہو...... کوئی رُک
رُک کر سیڑھیوں پر پاؤں رکھ رہا تھا...... پھر یہ آواز رُک گئی...... جمشید یہی سمجھا کہ
آرتی آگئی ہے......اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"آرتی! تم آگئی ہو؟"

سیڑھیوں میں سے آرتی کی آواز آئی۔

"جمشید! میں آگئی ہوں، لیکن میں اُوپر نہیں آسکتی...... تم نیچے آجاؤ...... مجھے
تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

جمشید جلدی سے اُٹھ کر سیڑھیوں میں آگیا...... اندھیرے میں اسے کچھ دکھائی
نہ دیا......اس نے آواز دی۔

"آرتی! تم کہاں ہو؟ تم مجھے نظر نہیں آرہی ہو۔"

آرتی کی آواز آئی۔

"میں دروازے کے باہر ہوں...... جلدی سے باہر آؤ۔"

آواز ہو بہو آرتی کی تھی...... جمشید کیسے باہر نہ جاتا...... وہ اندھیرے میں
سیڑھیاں اتر کر نیچے تاریک ڈیوڑھی میں سے ہوتا باہر آگیا...... باہر بھی اندھیرا تھا۔
اس نے آواز دے کر کہا۔

"آرتی! آرتی! تم کہاں ہو؟"

عین اس وقت ایک کڑک کے ساتھ بجلی چمکی اور جمشید نے دیکھا کہ کوٹھڑی کے
شکستہ دروازے کے سامنے جو سوکھا ہوا درخت تھا، اس درخت کے ساتھ ایک لاش
لٹک رہی تھی...... وہ اسے لاش ہی سمجھا......اس کی گردن میں رسی بندھی ہوئی تھی۔
اس کی گردن پھانسی دینے کی وجہ سے لمبی ہوگئی تھی...... بجلی دوسری بار چمکی تو پھر
کی نیلی روشنی لٹکتی ہوئی لاش پر ساکت ہوگئی...... لاش اسے صاف دکھائی دینے
تھی۔ پہلے وہ یہی سمجھا کہ شاید یہ آرتی کی لاش ہے، لیکن یہ آرتی نہیں تھی...... لاش

چہرہ انتہائی ڈراؤنا تھا...... کالے بال سرکنڈوں کی طرح کھڑے تھے...... آنکھیں انگاروں
کی طرح دہک رہی تھیں...... چہرے کا رنگ سیاہ تھا اور سرخ زبان باہر نکلی ہوئی تھی۔

اچانک لاش میں حرکت پیدا ہوئی اور اس کی لٹکتی ہوئی زبان اندر چلی گئی......
لاش زندہ تھی...... لاش نے ایک طرف کو جھکا ہوا سر اُٹھایا اور جمشید کی طرف وحشت
ناک آنکھوں سے تکتے ہوئے کہا۔

"عامل جمشید! میں عفریتی چڑیل ہوں...... چڑیلوں کی سردار عفریتی چڑیل! تم نے
میرا آدھا چلہ کیا ہے...... تیرے ادھورا چلہ کرنے سے میں پھانسی پر لٹک گئی ہوں،
تیری وجہ سے مجھ پر یہ قیامت ٹوٹ پڑی ہے، مگر میں زیادہ دیر تک اس سنکٹ میں نہیں
رہوں گی...... بہت جلد میرا کشٹ پورا ہو جائے گا...... اس کے بعد میں تجھ سے اپنا
ادھورا چلہ کاٹنے کا بدلہ لوں گی اور تجھے اسی طرح پھانسی دے کر لٹکا دوں گی۔"

عامل جمشید اس حقیقت سے باخبر تھا کہ اگر کسی چڑیل کا چلہ ادھورا چھوڑ دیا جائے یا
چلہ اُلٹ جائے تو پھر وہ چلہ کرنے والے کو زندہ نہیں چھوڑتی اور اس کی جان کی دشمن
بن جاتی ہے، کیونکہ ادھورا چلہ کرنے سے اس چڑیل پر کوئی نہ کوئی جان لیوا وبال ضرور
پڑجاتا ہے...... وہ خوفزدہ ضرور ہو گیا تھا لیکن اس نے اپنے حواس قابو میں رکھے
تھے......اس نے کالے جادو کے عامل کی حیثیت سے کہا۔

"عفریتی! میں تمہارا چلہ پورا نہیں کاٹ سکا...... اس میں میرا کوئی قصور نہیں
ہے...... یہ قصور اس آتش پرست جادوگر کی بدروح کا ہے جس کی کھوپڑی چلہ کرنے
سے دو ٹکڑے ہوگئی تھی اور اس نے مجھے ہلاک کرنا چاہا تھا اور میں ڈر کر قبر میں سے
بھاگ گیا تھا۔"

عفریتی چڑیل نے اپنی ڈراؤنی آواز میں کہا۔

"میں کسی آتش پرست جادوگر کو نہیں جانتی...... مجھے تیری وجہ سے پھانسی ملی
ہے...... میں تجھ سے بدلہ لوں گی، یاد رکھو...... میں چڑیلوں کی سردار ہوں...... میں

مروں گی نہیں...... بہت جلد میرا سنکٹ ختم ہو جائے گا...... پھر میں تجھے اسی طرح
پھانسی پر لٹکاؤں گی۔“

بجلی زور سے کڑکی اور اندھیرا چھا گیا اور عفریتی چڑیل کی لٹکتی ہوئی لاش اس
اندھیرے میں گم ہو گئی...... جمشید اتنا دہشت زدہ نہیں تھا جتنا خوفزدہ تھا...... نسطور
جادُوگر کے بعد اب یہ چڑیل عفریتی اس کی جان کی دُشمن بن گئی تھی...... وہ اندھیرے
میں ہی کھڑا رہا...... وہ عفریتی چڑیل کو قائل کرنا چاہتا تھا کہ یہ اس کا قصور نہیں تھا......
اس نے کہا۔

”عفریتی! تم جانتی ہو کہ یہ میرا قصور نہیں تھا۔“

مگر عفریتی چڑیل کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا...... بجلی ایک کڑاکے کے ساتھ
چمکی...... اس کی روشنی میں جمشید نے دیکھا کہ درخت پر سے عفریتی چڑیل کی لاش
غائب ہو چکی تھی...... وہ جلدی سے سیڑھیاں چڑھ کر اُوپر کوٹھڑی میں آگیا اور سوچنے
لگا کہ کیا وہ اس جہنم سے زندہ بچ کر نکل سکے گا؟ سوائے آرتی کے وہاں کی ہر بدرُوح اس
کی جان کی دشمن ہو گئی تھی...... موت کے خوف سے اس کا دل بیٹھنے لگا۔

اتنے میں اسے ایک بار پھر آرتی کی آواز آئی۔

”جمشید! کیا تم اُوپر ہی ہو؟“

جمشید نے کوئی جواب نہ دیا...... اس پر موت کا خوف طاری ہو گیا اور جسم ٹھنڈا
ہونے لگا...... عفریتی چڑیل درخت سے اُتر کر اسے پھانسی دینے کے لئے آگئی تھی......
سیڑھیوں کے کھلے دروازے میں زرد روشنی کا غبار نمودار ہوا اور اس غبار میں اسے آرتی
اندر آتی دکھائی دی...... جمشید سمجھ گیا کہ عفریتی چڑیل اس کی دوست آرتی کی شکل بدل
کر اس کو موت کے گھاٹ اتارنے آئی ہے...... اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

”عفریتی! مجھے معاف کر دو...... مجھ سے بھول ہو گئی ہے، مجھے جان سے نہ مارو۔“

آرتی اس کے قریب آگئی اور جمشید کے بازو کو پکڑ کر بولی۔

”جمشید! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ تم اپنے ہوش میں تو ہو“

جمشید پھٹی پھٹی آنکھوں سے آرتی کو دیکھنے لگا۔

”تم...... تم...... آرتی ہو ناں؟“

آرتی نے کہا۔

”ہاں ہاں میں آرتی ہوں...... تم اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟“

جمشید بولا۔

”آرتی! ابھی ابھی میں نے عفریتی چڑیل کو دیکھا ہے...... اس نے تمہاری آواز
میں مجھے نیچے بلایا تھا...... میں نے دیکھا کہ ایک خوفناک شکل والی چڑیل کی لاش درخت
سے لٹک رہی ہے...... اس نے کہا، میں عفریتی چڑیل ہوں...... تو نے میرا ادھورا چلہ
کاٹ کر مجھے پھانسی پر لٹکا دیا ہے...... میں تم سے اس کا بدلہ لوں گی۔“

آرتی بولی۔

”تم سچ کہہ رہے ہو؟“

جمشید نے کہا۔

”مجھے تمہارے آگے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔“

آرتی نے پوچھا۔

”پھر یہ چڑیل کہاں گئی؟“

جمشید بولا۔

”کچھ پتہ نہیں...... بجلی چمکی تو میں نے دیکھا کہ جس درخت پر عفریتی چڑیل کی
لاش لٹک رہی تھی اب وہاں سے لاش غائب ہو چکی تھی۔“

آرتی نے جمشید کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

”تم سے یہ غلطی ضرور ہوئی ہے کہ تم نے عفریتی چڑیل کا پورا چلہ نہیں کاٹا......
عفریتی زمین دوز مردوں اور بدرُوحوں کی دُنیا کی سب سے خطرناک اور زہریلی چڑیل

ہے، وہ جس کے پیچھے پڑ جائے اسے مار کر ہی چھوڑتی ہے...... پھر بھی تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں...... ماتا کا بچھو تمہاری حفاظت کرے گا اور پھر میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔"

جمشید بیٹھ گیا...... کہنے لگا۔

"آرتی! مجھے ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ میری موت ان بدرُوحوں کی دُنیا میں ہی ہوگی، میں یہاں سے زندہ حالت میں انسانوں کی دُنیا میں واپس نہیں جاسکوں گا۔"

آرتی نے کہا۔

"اتنے مایوس کیوں ہوتے ہو...... میں نے جب طے کرلیا ہے کہ تمہیں یہاں سے ضرور نکالوں گی تو پھر تم تسلی رکھو...... یہ بتاؤ کہ عفریتی چڑیل کے علاوہ تو یہاں کوئی زرد لاش وغیرہ نہیں آئی؟"

جمشید بولا۔

"تمہارے جانے کے بعد میرے ساتھ بڑا خوفناک واقعہ پیش آیا تھا۔"

اور پھر جمشید نے آرتی کو سارے واقعات سنادیئے کہ کس طرح اس نے یہ حماقت کی کہ بارہ دری میں آکر نیچے ایک زرد لاش کو دوسری لاش کو کھاتے دیکھ لیا اور لاش سیڑھیاں چڑھ کر اندر آگئی...... اس نے ڈر کر بارہ دری سے نیچے چھلانگ لگادی...... زرد لاش اس کے پیچھے لگ گئی۔ پھر کسی طرح وہ ایک ویران کھنڈر کے اندر چلا گیا جہاں ایک خوش شکل عورت لکشمی نے اس کی مدد کی اور اسے زرد لاش سے چھپادیا۔

"پھر کیا ہوا؟" آرتی نے پوچھا۔

جمشید نے اس کے بعد جو کچھ ہوا تھا سب بیان کردیا...... آرتی بڑے غور سے سنتی رہی...... جب جمشید نے دہشت ناک واقعات سنانے کے بعد کہا کہ وہ اب وہاں ایک منٹ بھی نہیں ٹھہرنا چاہتا تو آرتی بولی۔

"میں اسی لئے گئی تھی اور اس کا انتظام کرکے آئی ہوں۔"

جمشید نے خوش ہوکر پوچھا۔

"کیا اب میں انسانوں کی دُنیا میں واپس جاسکوں گا؟"

آرتی کہنے لگی۔

"میں ابھی مردوں اور بدرُوحوں کی اس دُنیا سے باہر نہ جاسکوں گی...... مجھے اپنے برے کرموں (اعمال) کا چکر اسی جگہ رہ کر پورا کرنا ہوگا، مگر تمہیں یہاں سے نکال کر انسانوں کی دُنیا میں ضرور پہنچادوں گی...... میں نے اس کا تم سے وعدہ کیا تھا اور میں اسے ضرور پورا کروں گی...... یہ بھلائی کا کام بھی ہے اور اس نیک عمل سے میرے برے اعمال کی سزا کا ایک ہزار کا چکر معاف کردیا جائے گا...... تم اسی وقت میرے ساتھ چلو۔"

جمشید خود اس منحوس کوٹھڑی سے نکلنے کے لئے بے چین تھا...... وہ فوراً تیار ہوگیا...... اس نے یہ بھی نہ پوچھا کہ ہم کہاں جارہے ہیں...... آرتی اسے لے کر ٹیلے والی بارہ دری کی کوٹھڑی سے نیچے اتر آئی...... ٹیلے کی دوسری جانب دُور جھیل میں ایک کشتی پہلے سے موجود تھی...... وہ اس کشتی میں سوار ہوگئے اور آرتی چپو چلانے لگی......

رات کی تاریکی عجیب قسم کی تھی...... اس تاریکی میں کہیں کہیں زرد روشنی کے دائرے سے پھیلے ہوئے تھے، جن کی وجہ سے جھیل پر کہیں کہیں روشنی ہورہی تھی، آرتی خاموشی سے چپو چلارہی تھی...... کشتی میں سوار ہونے سے پہلے آرتی نے جمشید کو کوئی بات کرنے اور آواز نکالنے سے منع کردیا تھا...... جمشید چپ چاپ کشتی میں بیٹھا جھیل کی سطح کو تک رہا تھا، جہاں زرد پانی کہیں نظر آجاتا تھا اور کہیں اندھیرا چھایا ہوا تھا...... کچھ دُور جانے کے بعد جمشید کو ایک بہت بڑا سیاہ پہاڑ نظر آیا...... کشتی اس پہاڑ کی طرف جارہی تھی...... جیسے جیسے دیو قامت پہاڑ قریب آرہا تھا جھیل کا زرد پانی سیاہ پڑتا جارہا تھا۔

آرتی اب بڑی احتیاط اور ہوشیاری سے چپو چلارہی تھی...... وہ مڑ کر پیچھے پہاڑ کو بھی دیکھ لیتی تھی...... کشتی پہاڑ کے دامن میں آگئی تھی...... یہاں گھپ اندھیرا بھی تھا اور کہیں کہیں دُھندلی زرد روشنی کے دھبے سے بھی تھے...... آرتی نے کشتی ایک جگہ

کنارے کے ساتھ لگادی اور جمشید سے کہا۔

"اب تم بات کر سکتے ہو، مگر خود کوئی سوال مت پوچھنا، جو کچھ بتانا ہوگا میں تمہیں بتادوں گی۔"

سیاہ پہاڑ بڑا ہیبت ناک تھا...... وہ آگے کو جھکا ہوا تھا، جیسے ابھی ان کے اوپر گر پڑے گا...... ان کے اِردگرد سیاہ نوکیلی چٹانیں اس طرح کھڑی تھیں کہ ان کے درمیان ایک تنگ سا راستہ بن گیا تھا...... دونوں اس راستے پر چلے جارہے تھے۔ جہاں سیاہ چٹانیں ختم ہو گئیں وہاں پہاڑ کی اُوپر کو اُٹھتی ہوئی قلعہ نما دیوار میں ایک دروازہ سا دکھائی دے رہا تھا...... یہ کسی ہیبت ناک ویران قلعے کا دروازہ لگتا تھا۔ دروازے کے اندر سے تھوڑی تھوڑی دیر بعد زرد اور سرخ رنگ کی دھیمی دھیمی روشنی سی چمک جاتی تھی...... آرتی جمشید کو ایک چٹان کی اوٹ میں لے گئی اور سرگوشی میں کہنے لگی۔

"میں تمہیں ایک کالا مہرہ دیتی ہوں...... اسے اپنے منہ میں رکھنے سے تم سوائے میرے اور کسی کو نظر نہیں آؤ گے...... غائب ہونے کے بعد جب تک میں نہ کہوں کوئی بات نہیں کرو گے...... سمجھ گئے ہو؟"

جمشید نے سرگوشی میں ہی جواب دیا۔

"سمجھ گیا ہوں۔"

آرتی نے اپنی ساڑھی کے اندر سے ایک چھوٹا سا کالے رنگ کا مہرہ نکال کر جمشید کو دیا...... جمشید نے آرتی کی ہدایت کے مطابق اسی وقت مہرہ اپنے منہ میں رکھ لیا۔ منہ میں رکھتے ہی جمشید کو اپنا جسم نظر آنا بند ہو گیا...... پہلے وہ اندھیرے میں بھی اپنے جسم کو دیکھ لیتا تھا، اب اسے اپنا جسم دکھائی نہیں دے رہا تھا...... یہ اس کی زندگی کا تجربہ تھا، جس کی وجہ سے اس پر تھوڑی سی گھبراہٹ ضرور طاری ہو گئی تھی، مگر آرتی کے ساتھ ہونے کا بڑا حوصلہ تھا...... آرتی نے پوچھا۔

"کیا تمہیں اپنا آپ دکھائی دے رہا ہے؟"

جمشید نے کہا۔

"نہیں آرتی! میرا جسم غائب ہو گیا ہے۔"

آرتی بولی۔

"میں تمہیں دیکھ رہی ہوں...... میرے سوا تمہیں اور کوئی نہیں دیکھ سکے گا، لیکن اگر آگے چل کر تم نے کوئی آواز نکالی یا کوئی بات کی تو تم آگے جو مخلوق ہے اس کو نظر آجاؤ گے اور پھر میں تمہیں نہیں بچا سکوں گی۔"

جمشید نے سرگوشی میں کہا۔

"آرتی! تم فکر نہ کرو...... میں اس وقت تک اپنی زبان بند رکھوں گا جب تک تم مجھے بولنے کی اجازت نہ دو گی۔"

آرتی کہنے لگی۔

"میں کبھی کبھی سرگوشی میں تم سے بات کر لیا کروں گی، لیکن بے فکر رہنا۔ میری سرگوشی کو سوائے تمہارے دوسرا کوئی نہیں سن سکے گا۔"

جمشید بولا۔

"یہاں میں سرگوشی میں بھی تم سے بات کر سکتا ہوں...... کیا تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گی کہ آگے کس قسم کی مخلوق رہتی ہے۔"

آرتی نے جواب دیا۔

"یہ تمہیں اسی مخلوق کے درمیان پہنچنے کے بعد اپنے آپ معلوم ہو جائے گا...... گھبرانا مت...... وہاں تم سب کو دیکھ سکو گے، مگر تمہیں اس وقت تک کوئی نہیں دیکھ سکے گا جب تک کہ تم کوئی آواز نہیں نکالو گے...... اس لئے خاموش رہنا، اب ہم پہاڑ کے دروازے میں سے گزرنے لگے ہیں۔"

آرتی پہاڑ کے دیو قامت دروازے کی طرف بڑھی جس کے اندر سے کسی کسی

وقت سرخ اور زرد رنگ کی مدہم سی روشنیاں چمک جاتی تھیں...... جمشید اس کے
ساتھ ساتھ چل رہا تھا...... دیو قامت دروازے میں داخل ہوتے ہی جمشید نے
گڑگڑاہٹ کی دھیمی سی گونج سنائی دی اور اس کے پاؤں کے نیچے زمین ہلنے لگی
آرتی نے جمشید کو بازو سے پکڑ لیا اور وہیں ٹھہر گئی...... تین چار سیکنڈ کے بعد زمین
ساکن ہو گئی، آرتی دروازے میں سے گزر گئی...... اچانک ایک ڈراؤنی شکل والی آدمی نما
مخلوق ان کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی...... اس کی ایک ہی آنکھ تھی جو اس کے ماتھے پر
تھی اور اس آنکھ میں سے کبھی زرد اور کبھی سرخ روشنی نکلتی تھی۔ اس کا اُوپر کا دھڑ
آدمی کا اور نچلا دھڑ کسی گوریلے کا تھا۔

اس کی ایک لمبی دُم بھی تھی جو اُوپر کو اُٹھی ہوئی تھی...... اس کے سارے جسم پر
بال ہی بال تھے...... اس کے ایک ہاتھ میں لمبا نیزہ تھا جس کے سرے میں سے
چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں...... اس کے سر پر دو سینگ باہر کو نکلے ہوئے تھے...... اس
نے آرتی سے کسی اجنبی زبان میں کچھ پوچھا...... یہ زبان ایسی تھی جیسے کوئی سانپ رُک
رُک کر پھنکار رہا ہو...... آرتی نے اسی زبان میں کچھ جواب دیا...... جواب سن کر وہ
ڈراؤنی مخلوق ایک طرف ہٹ کر دیوار میں غائب ہو گئی...... آرتی جمشید کو لے کر آگے
چل پڑی...... جمشید نے اس قسم کی مخلوق پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی...... وہ آرتی سے
پوچھنا چاہتا تھا کہ یہ مخلوق کون تھی اور اس نے کیا پوچھا تھا مگر وہ خاموش رہا۔

آرتی نے اسے خاموش رہنے کی ہدایت کی تھی۔

جمشید نے دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑی غار میں سے گزر رہے ہیں، ان کے ارد گرد
اندھیرا تھا، مگر ان اندھیروں میں زرد اور سرخ روشنیاں ایسے چمک جاتی تھیں جیسے کالے
گہرے بادلوں میں بجلیاں چمک رہی ہوں...... چند قدم چلنے کے بعد جمشید کو عجیب
آوازیں سنائی دینے لگیں...... یہ بڑی دردناک آوازیں تھیں اور جیسے زمین کے نیچے
سے آ رہی تھیں...... چلتے چلتے غار ایک چھوٹے سے میدان میں بدل گیا...... اس

میدان میں جگہ جگہ نوکیلے پتھر زمین کے اندر سے نکلے ہوئے تھے...... جمشید نے دیکھا
کہ ایک انسان جس کے جسم پر کوئی لباس نہیں تھا، ایک پتھر کی نوک میں پیٹ کے بل
اوندھا پڑا ہے...... پتھر کی نوک اس کے پیٹ میں گھس کر کمر میں سے باہر نکلی ہوئی
ہے...... وہ درد کی شدت سے ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے بلبلا رہا ہے اور کچھ کہہ رہا ہے......
اس کی زبان جمشید کی سمجھ سے باہر تھی مگر اس کے الفاظ کا مفہوم جمشید کے ذہن میں
اپنے آپ اترتا جا رہا تھا، وہ بدنصیب شخص رو رو کر کہہ رہا تھا۔

"میں نے یتیموں اور بیواؤں کا حق انہیں نہ دیا اور خود کھا گیا...... مجھے میرے گناہ
کی سزا مل رہی ہے، سنو لوگو! یتیموں اور بیواؤں کا حق نہ مارنا...... میری حالت سے
عبرت حاصل کرو۔"

آرتی سر جھکائے خاموش قدم اُٹھاتی چلی جا رہی تھی...... جمشید اس کے ساتھ یہ
عبرت انگیز منظر دیکھ کر رُکا نہیں، آگے چل دیا...... ایک جگہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک آدمی
کا نچلا دھڑ زمین میں دھنسا ہوا ہے...... دو آدمی اس کے دائیں بائیں کھڑے اس کے سر
کو ہتھوڑوں سے کچل رہے ہیں، جب اس کی کھوپڑی کچل کر اس کی گردن سے چپک جاتی
ہے تو وہ اس کے سر کو اس کی گردن میں سے نکال کر سیدھا کر دیتے ہیں اور دوبارہ اس
کے سر پر ہتھوڑے مارنے لگتے ہیں...... وہ شخص رو رو کر کہہ رہا ہے۔

"میں دہشت گرد تھا...... میں دُشمن ملک سے پیسے لے کر لوگوں کے گھروں میں
گھس کر سوتے ہوئے بے گناہ بچوں، عورتوں اور مردوں کے سروں کو ہتھوڑے سے
کچل کر مار دیا کرتا تھا...... یہ مجھے میرے اس گناہ کی سزا مل رہی ہے...... لوگو! مجھے معاف
کر دو...... مجھے معاف کر دو۔"

اس کے آگے جمشید کی نگاہ بائیں جانب اُٹھی تو اس نے دیکھا کہ ایک جگہ ایک
آدمی لوہے کی زنجیر کے ساتھ بندھا اُلٹا لٹک رہا ہے...... اس کے نیچے جہنم کی آگ کے
شعلے بھڑک رہے ہیں...... دو سینگوں والی آدمی نما مخلوق دائیں بائیں کھڑی ہے اور

بھڑکتی آگ میں نیزے سرخ کر کے اس کے جسم کو داغ رہی ہے...... بدقسمت شخص ز
چیخ و پکار سے دل دہل رہے ہیں...... نیچے جہنم کی آگ کے شعلے جب اس کے آدھے
دھڑ کو جلا کر راکھ کر دیتے ہیں تو اپنے آپ اس کا نچلا دھڑ دوبارہ وجود میں آجاتا ہے اور
جہنم کے شعلے اسے پھر سے جلانے لگتے ہیں...... چیخ و پکار میں وہ بدنصیب آدمی ایک ہی
بات بار بار دہرا رہا ہے۔

"میں معصوم بچوں کو اغوا کر کے بردہ فروشوں کے پاس بیچ دیا کرتا تھا...... کوئی
بچہ اگر شور مچاتا تھا...... رو رو کر اپنی امی کو پکارتا تھا تو میں اسے وہیں گلا دبا کر مار دیا کرتا
تھا...... یہ مجھے میرے ان گناہوں کی سزا مل رہی ہے...... لوگو! میری حالت دیکھو......
میری حالت سے عبرت حاصل کرو...... چند روز کی زندگی کے عیش کی خاطر قیامت
تک کے عذاب مول نہ لو۔"

یہ بدنصیب شخص بلبلا کر رو رو کر ان ماؤں سے معافیاں مانگ رہا تھا جن کے بچوں
کو اس نے اغوا کر کے مار ڈالا تھا، مگر وہاں اس کی فریاد سننے والا کوئی نہیں تھا۔

جمشید پر رقت طاری ہو گئی تھی کہ آرتی اس کا بازو پکڑ کر آگے لے گئی...... تھوڑا
آگے چلنے کے بعد جمشید نے دیکھا کہ چٹان کے ایک شگاف میں سینگوں والی مخلوق نے
ایک آدمی کو لوہے کے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے، اس کا منہ لوہے کے ایک اور شکنجے کی وجہ
سے پورا کھلا ہوا ہے...... شگاف کے اندر آگ ہی آگ ہے...... سینگوں والے دو آدمی
اس آگ میں سے بیلچے بھر بھر کر دہکتے ہوئے انگارے لاتے ہیں اور اس بدنصیب آدمی
کے منہ میں ڈالتے جاتے ہیں...... اس آدمی کے حلق سے رونگٹے کھڑے کر دینے والی
آوازیں نکل رہی ہیں...... یہ آوازیں الفاظ بن کر جمشید کے ذہن میں اُتر رہی ہیں......
ان الفاظ کا مفہوم یہ ہے۔

"لوگو! میں جھوٹی گواہیاں دیا کرتا تھا...... میری جھوٹی گواہیوں سے کئی قاتل بچ گئے
اور کئی بے گناہ پھانسی لگ گئے...... مجھے میرے اسی گھناؤنے گناہ کی سزا مل رہی ہے۔"

اب آگے میدان تنگ ہوتے ہوئے دوبارہ غار کی شکل اختیار کر گیا...... آرتی غار
کے کنارے کنارے چل رہی تھی...... جمشید غیبی حالت میں اس کے ساتھ ساتھ چل
رہا تھا...... اس کا دل عبرت کے ان مناظر کو دیکھ کر ابھی تک خوف خداوندی سے لرز
رہا تھا۔

آگے چند قدم چلنے کے بعد جمشید کو گڑگڑا کر معافیاں مانگنے کی الم انگیز دردناک
آواز سنائی دی...... پھر اس نے دیکھا کہ غار کی پتھریلی دیوار کے ساتھ ایک آدمی کمر کے
بل چپکا ہوا ہے...... اس کی ٹانگیں اور بازو دیوار میں دھنسے ہوئے ہیں...... صرف سر اور
پیٹ پتھریلی دیوار کے باہر ہے...... اس آدمی کے منہ سے خون کی ندیاں بہہ رہی
ہیں...... اس کا پیٹ پھول کر کپا ہو رہا ہے...... پھر ایک دھماکے سے اس کا پیٹ پھٹ
جاتا ہے...... انتڑیاں باہر آجاتی ہیں...... ایک طرف سے کتنے ہی سانپ نکل کر اس کے
پیٹ میں گھس جاتے ہیں اور اس کے اندر کا گوشت اور دل گردے کھانا شروع کر دیتے
ہیں...... جب اس کے جسم کا سارا گوشت کھا جاتے ہیں تو سانپ باہر نکل کر غائب
ہو جاتے ہیں...... دوسرے ہی لمحے اس کا پیٹ اصلی حالت میں آکر دوبارہ پھولنے لگتا
ہے...... جب وہ بڑے غبارے کی طرح پھول جاتا ہے تو دھماکے سے پھٹ جاتا ہے اور
انتڑیاں باہر نکل کر بکھر جاتی ہیں، اسی طرح ہر طرف سے وہی سانپ پھر نکل آتے ہیں
اور اس کے پیٹ میں گھس کر اس کی انتڑیاں گوشت اور جسم کے اندر کے دوسرے
اعضاء کھانا شروع کر دیتے ہیں۔

اس بدنصیب کے خون آلود منہ سے درد و کرب کی فلک شگاف چیخیں نکل رہی
ہیں اور وہ ایک ہی بات بار بار دہرائے جا رہا ہے۔

"میں چیزوں میں ملاوٹ کرتا تھا...... سکول کے بچوں کی ٹافیوں اور بچوں کے
مشروبات میں زہریلے کیمیکلز شامل کر دیا کرتا تھا...... میں بچوں کو پلانے والے خشک
دودھ میں سفید پتھر پیس کر ڈال دیتا تھا...... میں نقلی دوائیں تیار کرتا تھا...... میری نقلی

دواؤں نے کئی مریضوں کی جان لے لی...... میرے نقلی ٹیکے لگانے سے کئی انسان موت کی آغوش میں چلے گئے...... میں یہ سب کچھ صرف دولت کمانے کے لئے کرتا تھا...... آج وہ دولت میرے کسی کام نہیں آئی...... مجھے میرے گناہوں کی سزا مل رہی ہے...... مجھے معاف کر دو...... مجھے معاف کر دو......اور جمشید نے دیکھا کہ سانپ اس کے پھٹے ہوئے پیٹ میں گھس کر اس کا گوشت نوچ نوچ کر کھا رہے تھے...... مکافات عمل کے اس عبرت ناک منظر کو دیکھ کر اس پر خوف طاری ہو گیا تھا۔

آرتی اسے آگے لے گئی۔

آگے چل کر ایک بار پھر چھوٹا سا میدان آگیا...... جمشید نے دیکھا کہ ایک سر سے پاؤں تک ننگا آدمی ایک دائرے کی صورت میں دوڑ رہا ہے...... دس بارہ خونخوار بھیڑیئے اس کے پیچھے دوڑ رہے ہیں...... خونخوار بھیڑیئے اس آدمی پر چھلانگیں لگا کر اسے گرا دیتے ہیں اور اس کی گردن پیٹ اور ٹانگوں کو کھانا شروع کر دیتے ہیں...... بدقسمت آدمی واویلا مچاتا ہے...... مدد کے لئے پکارتا ہے، مگر بھیڑیئے اس کا سارا گوشت چٹ کر کے اسے ہڈیوں کا پنجر بنا کر چھوڑ کر چلے جاتے ہیں...... ان کے جانے کے بعد اس آدمی میں پھر سے جان پڑ جاتی ہے......اس کا گوشت پوست کا جسم واپس آ جاتا ہے...... وہ اُٹھ کر ایک بار پھر دوڑنے لگتا ہے...... خونخوار بھیڑیئے ایک بار پھر نکل آتے ہیں اور اس آدمی پر چھلانگیں لگا کر اسے گرا دیتے ہیں اور اس کی گردن پیٹ اور ٹانگوں کا گوشت کھانا شروع کر دیتے ہیں...... بدنصیب آدمی کی چیخیں نکل رہی ہیں مگر وہاں اس کی چیخیں، اس کی فریاد سننے والا کوئی نہیں...... جمشید وہاں رُک گیا تھا...... آرتی اسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ لے کر آگے بڑھی اور اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

"یہ آدمی رشوت خور تھا...... رشوت لے کر حق داروں کے حق غصب کرتا تھا...... حرام کی کمائی سے اپنا پیٹ بھرتا تھا۔"

جمشید سرگوشی میں ہی کچھ پوچھنے لگا کہ آرتی نے اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے چپ کرایا اور اس کے کان کے پاس اپنا منہ لے جا کر کہا۔

"تمہاری سرگوشی بھی یہاں کی مخلوق سن سکتی ہے، بالکل خاموش رہو...... کسی مصیبت میں نہ پھنس جانا۔"

جمشید یہ جاننا چاہتا تھا کہ آرتی اسے کہاں لے جا رہی ہے اور کہاں لے جانا چاہتی ہے اور یہاں ایسی کون سی جگہ ہے جہاں سے انسانوں کی دُنیا میں فرار ہونے کا راستہ ہے، کیونکہ آرتی اسے یہی کہہ کر لائی تھی کہ وہ اسے انسانوں کی دُنیا میں واپس لے جا رہی ہے...... اپنے دائیں بائیں اسی طرح دُنیا میں گناہ کرنے والے بدکرداروں کے عبرت انگیز انجام کے رونگٹے کھڑے کر دینے والے مناظر دیکھتا جمشید آرتی کے ساتھ آگے چلا جا رہا تھا۔

وہ ڈھلان اُتر کر ایک اور کھلے میدان میں آگئے...... میدان میں ایک جانب اُونچی دیوار تھی...... آرتی جمشید کو دیوار کے ساتھ ساتھ لے کر چل رہی تھی...... میدان کی دوسری دیوار کے قریب آگ کا بہت بڑا الاؤ روشن تھا...... آگ کے الاؤ کے اُوپر ایک بہت بڑی دیگ رکھی ہوئی تھی جس میں تیل اُبل رہا تھا...... تیل اس قدر کھول رہا تھا کہ اس میں سے بھاپ اُٹھ رہی تھی اور اس کی تپش جمشید تک آ رہی تھی...... اُبلتے ہوئے تیل کی دیگ کے اُوپر لوہے کی زنجیر لگی تھی جس کے ساتھ ایک آدمی لٹک رہا تھا...... ایک سینگوں والا آدمی ایک طرف کھڑا تھا، اس کے ہاتھ میں زنجیر تھی...... وہ زنجیر کو ڈھیلا کرتا تو زنجیر کے ساتھ لٹکا ہوا آدمی کھولتے ہوئے تیل میں چیخیں مارتا ڈوب جاتا...... سینگوں والا آدمی زنجیر کو کھینچتا تو کھولتے ہوئے تیل میں بدقسمت آدمی کا سیاہ ڈھانچہ باہر نکل آتا...... باہر نکلتے ہی وہ آدمی دوبارہ اپنے جسم میں واپس آ جاتا...... جب وہ بالکل گوشت پوست کا زندہ آدمی بن جاتا تو سینگوں والا آدمی زنجیر کو ڈھیلا کرنا شروع کر دیتا...... بدقسمت آدمی رونے اور چیخیں مارنے لگتا......اس کی دل دوز چیخیں

سنی نہیں جاتی تھیں...... آہستہ آہستہ وہ کھولتے ہوئے تیل کی دیگ میں ڈوب جاتا اس کے بعد اسے دوبارہ جلے ہوئے سیاہ ڈھانچے کی شکل میں باہر نکالا جاتا اور وہی عذاب دوبارہ شروع ہو جاتا...... بدقسمت آدمی کی چیخوں سے جمشید کا کلیجہ کانپنے لگا تھا آرتی اسے جلدی سے اپنے ساتھ لے کر آگے نکل گئی۔

جمشید نے آرتی کی طرف دیکھا...... آرتی دھیمی آواز میں کہنے لگی۔

"میں جانتی ہوں تم اس بدنصیب آدمی کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو کہ ا کس گناہ کی سزا مل رہی ہے...... تو سنو! یہ آدمی اپنی جائز بیوی کو چھوڑ کر پرائی عورتو سے بدکاری کرتا تھا...... غریب اور بے سہارا لڑکیوں کو سبز باغ دکھا کر لے جاتا تھا ان کی عزتوں سے کھیلتا تھا...... یہ سزا اسے اس کے ان گناہوں کی پاداش میں مل ر ہے...... اب خاموشی سے آگے چلو۔"

آگے جمشید کو ایک بھورے اور گہرے نسواری رنگ کا ایک اُونچا پہاڑ دکھا دیا...... اس پہاڑ کی شکل ایسی تھی جیسے شہد کی مکھیوں کے چھتے کی ہوتی ہے، جس طر شہد کی مکھیوں کے چھتے میں گول گول خانے بنے ہوتے ہیں اسی طرح پہاڑ میں اُوپر نیچے تک غاریں بنی ہوئی تھیں...... کسی غار کے دہانے میں سے دھواں نکل رہا تھا... کسی غار کے گول دہانے میں سے آگ کے شعلوں کی زبانیں باہر نکل رہی تھیں... جمشید آرتی سے اس پہاڑ کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا مگر وہ پوچھ نہیں سکتا تھا... آرتی اس خوفناک پہاڑ سے ایک طرف ہٹ کر چل رہی تھی...... پہاڑ کی کچھ غارو کے دہانے بالکل خاموش تھے، نہ ان میں سے دھواں اُٹھ رہا تھا، نہ ان میں سے شعلو کی زبانیں نکل رہی تھیں...... وہاں راستہ تنگ ہو گیا تھا اور انہیں غاروں کے قری سے ہو کر گزرنا پڑ رہا تھا۔

اچانک جمشید کی نگاہ ایک غار کے دہانے پر پڑ گئی...... اس نے غار کے دہانے م اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ آدھا زمین میں دھنسا ہوا تھا اور دو خوفناک

شکلوں والی مخلوق اس کے سر پر آرا چلا رہی تھی...... اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھ کر جمشید بدحواس سا ہو گیا اور اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"آرتی! یہ میں ہوں...... یہ سب کیا ہے؟"

اتنا کہنا تھا کہ اس غار میں سے دھوئیں کا ایک برق رفتار بگولا زبردست گونج کے ساتھ نکلا اور آناً فاناً جمشید کو اپنی لپیٹ میں لے کر غار میں جا کر غائب ہو گیا...... آرتی صرف جمشید کی آخری چیخ ہی سن سکی...... وہ دم بخود سی ہو کر اسی جگہ کھڑی غار کو دیکھتی رہی...... آخر وہی ہوا تھا جس کا آرتی کو ڈر تھا...... وہ جانتی تھی کہ جادوگر نسطور کی بدرُوح اور عفریتی ڈائن جمشید کا پیچھا کر رہی ہے اور صرف اسکے بولنے کا انتظار کر رہی ہے، اس لئے آرتی نے جمشید کو سختی سے منع کیا تھا کہ وہ آواز نہ نکالے، لیکن اپنے دوسرے وجود کو عذاب میں مبتلا دیکھ کر وہ بے اختیار بول اُٹھا اور نسطور جادوگر یا عفریتی ڈائن جو اسی لمحے کے انتظار میں تھی...... جمشید کے بولتے ہی اسے اُٹھا کر لے گئی...... اب وہاں خود آرتی کا زیادہ دیر رکنا خطرے کا باعث بن سکتا تھا...... وہ جمشید کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی...... اسے اب اپنی جان بچانے کی فکر تھی۔

چنانچہ آرتی اسی وقت غائب ہو گئی۔

جمشید کو جس وقت دھوئیں کے مرغولے نے اپنے اندر لپیٹا تھا تو وہ غیبی حالت میں تھا، لیکن وہ اپنے ہوش و حواس میں تھا...... دھوئیں کے چکراتے ہوئے مرغولے کے ساتھ وہ بھی گردش کرتا غار میں چلا گیا تھا اور ابھی تک وہ دھوئیں کی طوفانی لہروں کے ساتھ گردش کر رہا تھا...... کچھ دیر کے بعد جیسے کسی نے اسے دھوئیں سے نکال کر زمین پر پٹخ دیا...... زمین پر گرتے ہی وہ اپنے انسانی جسم میں واپس آ گیا...... اس نے دیکھا کہ وہ زمین پر چت لیٹا ہے...... وہ زندہ ہے، مگر اپنے ہاتھ پاؤں نہیں ہلا سکتا...... اچانک عفریتی ڈائن اس کے سامنے ظاہر ہو گئی...... عفریتی ڈائن کی گردن درخت کے ساتھ پھانسی لگنے کی وجہ سے لمبی ہو چکی تھی اور وہ خونخوار آنکھوں سے جمشید کو دیکھ رہی

تھی...... اس نے اپنی ڈراؤنی آواز میں کہا۔

"میں جانتی تھی کہ تم مجھ سے بچ نہیں سکو گے، عفریتی ڈائن کا کوئی دشمن اس کے انتقام کی آگ سے زندہ نہیں بچ سکا، تو بھی زندہ نہیں بچے گا۔"

عفریتی ڈائن نے غصے سے پھنکارتے ہوئے جمشید کی طرف اپنے ہاتھ کا اشارہ کیا...... اس کے نوکیلے ناخنوں میں سے بجلی کی کڑک کے ساتھ تیز لہریں نکل کر جمشید کے جسم پر پڑیں اور وہ زمین میں دھنسنے لگا...... اسے لمبی گردن والی عفریتی ڈائن سامنے کھڑی قہقہے لگاتی نظر آرہی تھی...... اس کی گردن میں وہ رسی ابھی تک لٹک رہی تھی جس سے اسے پھانسی دی گئی تھی اور اسے پھانسی صرف اس لئے دی گئی تھی کہ جمشید نے اس کا چلہ پورا نہیں کیا تھا اور چلہ اُلٹ گیا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ زمین کے اندر چلا گیا اور اسے نگلنے کے بعد زمین اُوپر سے برابر ہوگئی...... جمشید کا سانس چل رہا تھا...... اس نے آنکھیں بند کرلی تھیں...... اسے اپنے جسم پر چاروں طرف سے اور اُوپر کی طرف سے زمین کا دباؤ محسوس ہو رہا تھا...... وہ ابھی تک زمین میں دھنستا چلا جا رہا تھا...... پھر اچانک گر پڑا...... جیسے چھت سے نیچے گر پڑا ہو...... اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ وہ ایک تنگ سرنگ میں پڑا ہے جو چاروں طرف سے گول ہے...... اس کے جسم کی طاقت واپس آگئی تھی۔

وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا...... اس گول قبر نما سرنگ میں وہی زرد زرد سی دُھندلی روشنی پھیلی ہوئی تھی، اس نے سرنگ کی دیوار کو ہاتھ لگا کر دیکھا...... سرنگ کی گول دیوار پتھر کی طرح سخت تھی...... اُوپر تین چار فٹ کی اُونچائی پر گولائی نما چھت اس پر اس طرح جھکی ہوئی تھی جیسے ابھی اس پر گر پڑے گی...... اس کو اچانک ماتا کے کالے بچھو کا خیال آگیا...... اس نے جلدی سے آستین چڑھا کر بازو کو دیکھا...... بازو پر سے ماتا کا بچھو غائب ہو چکا تھا۔

اسے ماتا کے بچھو کے غائب ہونے کا کوئی افسوس نہ ہوا۔

مُردوں کی اس زمین دوز دُنیا میں مکافاتِ عمل کے وہ اس قدر عبرت انگیز اور رونگٹے کھڑے کر دینے والے مناظر دیکھ چکا تھا کہ اب اس کا کسی دیوی دیوتا اور کسی ماتا کے بچھو پر اعتقاد نہیں رہا تھا...... اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا تھا کہ انسان کو اس کے بُرے اعمال اور گناہوں کی سزا مل کر رہتی ہے...... اگر کسی وجہ سے دُنیا میں وہ سزا سے بچ جاتا ہے تو اسے مرنے کے بعد وہ سزا بھگتنی پڑتی ہے اور کوئی دیوی دیوتا، کسی ماتا کا بچھو اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا...... اسے ہر حالت میں اپنے گناہوں کی سزا بھگتنی ہی پڑتی ہے...... وہ خود ہی اپنے گناہوں کی سزا بھگت رہا تھا...... اس نے کالے جادو سفلی عمل سے اور سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو کالے جادو کے چلے بتا کر کئی انسانوں کی زندگیاں برباد کی تھیں...... اس کے جادو ٹونے سے کچھ بے قصور انسان موت کی آغوش میں بھی چلے گئے تھے۔

جمشید کو اپنے سارے گناہ یاد آنے لگے تھے اور وہ موت کے بعد اپنے عبرت انگیز انجام سے خوفزدہ ہو رہا تھا...... اس کا تعلق آتش پرستوں کے مذہب سے تھا...... اس مذہب کے ماننے والے ہمیشہ سے اگنی دیوتا کی پوجا کرتے آئے تھے، لیکن اب جمشید کا ان دیوتاؤں پر سے اعتقاد اُٹھ گیا تھا، لیکن اسے اس حقیقت کا احساس ہو گیا تھا کہ

آسمانوں کے اُوپر ایک اور بھی طاقت ہے جس کے ترازو کے پلڑے ہمیشہ برابر رہتے
ہیں...... ان پلڑوں میں ہر انسان کے اعمال کو تولا جاتا ہے...... نیک عمل کرنے والوں
کو ان کے نیک اعمال کی جزا ملتی ہے اور بدکرداروں کو ان کے برے اعمال کی سزا ملتی
رہتی ہے...... وہ کیسے قدرت کے اس اٹل قانون پر یقین نہ کرتا...... اس نے تو سب
کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا...... اسے اپنے گناہ ایک ایک کر کے یاد آنے لگے تھے اور
اپنے انجام سے کانپ اُٹھتا تھا۔

لیکن ابھی اسے اس گول قبر نما سرنگ سے باہر نکلنا تھا...... عفریتی ڈائن نے
اسے یہ کہہ کر قبر میں بند کر دیا تھا کہ یہاں تو بار بار مرے گا اور بار بار زندہ ہو گا، مگر اس
کے دل کو نہ جانے کیسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ اس منحوس زیرزمین دُنیا سے ضرور باہر نکلے
گا اور قدرت اسے اس کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے اور زندگی میں ہی توبہ کرنے
ایک موقع ضرور دے گی...... وہ جھک کر قبر نما سرنگ کی دیواروں کو غور سے دیکھنے لگا۔

گول دیوار کی سطح ہموار نہیں تھی، لیکن پتھر ایک دوسرے کے ساتھ پختگی سے
جڑے ہوئے تھے...... یہ قبر نما جگہ بالکل شہد کی مکھیوں کے چھتے کے خانے کی طرح
تھی جو چاروں طرف سے بند کر دیا گیا تھا...... جب جمشید کو دیوار میں کسی جگہ کوئی در
تک نظر نہ آئی تو وہ ناامید ہو کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے اور وہ
کر سکتا ہے...... اسے آرتی کا خیال آ رہا تھا...... وہ بھی یہاں اس کی مدد کو نہیں آ سکتی
تھی، اس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ زبان سے کوئی لفظ نہ بولنا...... آواز نہ نکالنا، ورنہ
کسی نہ کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے اور پھر میں بھی تمہاری کوئی مدد نہ کر سکوں
گی...... جمشید کو احساس تھا کہ اس سے ایک بار پھر غلطی ہو گئی ہے، مگر اپنے آپ
عذاب میں مبتلا دیکھ کر بے اختیار اس کی زبان سے الفاظ نکل گئے تھے۔

اب اسے احساس ہوا تھا کہ یہ سب کچھ اس کا وہم تھا...... عفریتی ڈائن نے اسے
اپنے قابو میں کرنے اور اس سے انتقام لینے کی خاطر اس کے سامنے اس کے ہم شکل

ہیولے کو عذاب میں مبتلا کر کے دکھا دیا تھا، ورنہ اس میں کوئی حقیقت نہیں تھی، کیونکہ
جمشید ابھی زندہ تھا...... وہ انسانوں کی دُنیا کے زندہ انسانوں کی طرح زندہ تھا...... موت
کے بعد ابھی اس کے گناہوں کی سزا کا عمل شروع نہیں ہوا تھا، لیکن اس کی تقدیر میں
ایسا ہونا لکھا تھا اور ایسا ہو گیا تھا...... یہ اس کے گناہوں کی وہ سزا تھی جو اسے دُنیا میں ہی
مل رہی تھی اور اس سزا کو وہ آئندہ گناہ نہ کرنے اور توبہ کرنے سے کم کر سکتا تھا......
اب وہ اپنے گناہوں سے توبہ کر کے ایک نیک زندگی بسر کرنا چاہتا تھا اور اس عزم نے
جمشید کے اندر زندہ رہنے اور موت کا مقابلہ کرنے کی ہمت پیدا کر دی تھی...... وہ ایک
بار پھر اُٹھ کر دیوار کا جائزہ لینے لگا۔

اسے ہلکی ہلکی گونج کی آواز سنائی دی۔

وہ کان لگا کر سننے لگا...... یہ آواز گول دیوار کے پیچھے سے یا زمین کے اندر سے
آ رہی تھی...... گونج کی آواز پہلے ایک گنجار میں اور اس کے بعد کٹ کٹ کی آوازوں
میں تبدیل ہو گئی...... ایسے لگ رہا تھا جیسے زمین کے نیچے یا دیواروں کے پیچھے کوئی
پراسرار مخلوق کسی چیز کو بار بار کاٹ رہی ہے...... جمشید کو محسوس ہوا کہ یہ پراسرار آواز
جہاں وہ کھڑا ہے وہاں زمین کے اندر سے آ رہی ہے...... وہ جلدی سے دو تین قدم پیچھے
ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا اور فرش کو غور سے دیکھنے لگا...... دُھندلی زرد
روشنی میں فرش کی زمین بالکل ساکن تھی، مگر کٹ کٹ کی آوازیں زیادہ صاف آنے
لگی تھیں...... جمشید کے دیکھتے دیکھتے فرش پر ایک جگہ سے پتھر کی چوڑی اینٹ نے ہلنا
شروع کر دیا۔

قدرتی طور پر جمشید پر خوف طاری ہونے لگا کہ خدا جانے زمین کے نیچے سے
کون سا عفریت باہر آ رہا ہے...... وہ سہمی ہوئی آنکھوں سے ٹکٹکی باندھے پتھر کی اینٹ
کو ہلتے دیکھ رہا تھا...... کچھ ہی دیر بعد پتھر کی اینٹ اُچھل کر ایک طرف کو گر پڑی......
اس نے دیکھا کہ پتھر کی چوڑی اینٹ کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں بڑے بڑے

مکڑے چمٹے ہوئے تھے...... ان مکڑوں نے ہی پتھر کی اینٹ کو چاروں طرف سے کا
کر اُوپر اُچھال دیا تھا...... جمشید کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی، ان کالے مکڑوں کے
لمبے نوکیلے دانت آریوں کی طرح تھے اور وہ ہزاروں کی تعداد میں زمین کے اندر
باہر آ رہے تھے...... یہ خونخوار مکڑے اپنے نوکیلے دانتوں کی آریوں سے جمشید کے
کے ٹکڑے اڑا سکتے تھے...... انہوں نے پتھر کی سل کو کاٹ دیا تھا ان کے آگے جمشید
کیا حیثیت تھی اور وہاں سے بچ کر نکلنے کی کوئی راہ بھی نہیں تھی۔

وہ کھسک کر دیوار سے اور پرے ہو گیا۔

لیکن ان موٹے موٹے مکڑوں کا رُخ جمشید کی طرف نہیں تھا، بلکہ وہ سامنے
دیوار کی طرف جا رہے تھے...... مکڑے دس بارہ قطاروں میں ایک دوسرے کے
تیزی سے چلتے ہوئے سامنے والی دیوار کے پاس پہنچ گئے اور دیوار پر ایک جگہ چ
گئے...... جمشید انہیں مسلسل تک رہا تھا...... جیسے ہی وہ دیوار کے ساتھ چمٹے کٹ کٹ
آوازیں بلند ہونے لگیں...... وہ دیوار کو اپنے نوکیلے دانتوں کی آریوں سے کاٹ ر
تھے...... جمشید اپنی جگہ پر بت بنا یہ عجیب و غریب تماشہ دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر تک ہزار ہا مکڑے دیوار کے ساتھ چمٹے اسے کاٹتے رہتے...... پھر وہ د
پر سے نیچے اتر کر واپس فرش کے چوکور سوراخ میں چلے جاتے اور سوراخ میں سے
دم مکڑوں کی فوج نکل کر دیوار کے ساتھ چمٹ جاتی اور اسے کاٹنے لگتی...... یہ عمل
تک جاری رہا...... جمشید اپنی جگہ پر ساکت ہو کر کھڑا تھا، وہ ڈر رہا تھا کہ اگر اس نے
سی بھی حرکت کی تو ان خونی مکڑوں کو اس کی موجودگی کا احساس ہو جائے گا اور وہ
کر اس کے جسم سے چمٹ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے...... تیسری بار
زمین کے اندر سے مکڑوں کی تازہ دم فوج نے آ کر دیوار کو کاٹنا شروع کیا تو اس کے
لمحوں کے بعد وہاں سے دیوار کا پتھر الگ ہو کر اندر کی طرف گر پڑا...... جمشید کو دی
دوسری جانب سے ایسی آواز آئی جیسے پتھر پانی میں گرا ہو...... دیوار کے پتھر کو گر

کے بعد خدا جانے مکڑوں کے دل میں کیا آئی کہ ایک دم سارے کے سارے مکڑے
وہیں سے واپس مڑے اور قطاروں کی شکل میں دوڑتے ہوئے فرش میں جو سوراخ ہوا
تھا اس میں اتر کر غائب ہو گئے۔

پہلے تو جمشید بالکل نہ سمجھ سکا کہ یہ جو کچھ ہوا ہے اس کا مقصد کیا ہے، پھر اس کو
خیال آیا کہ ہو سکتا ہے قدرت نے اس کے فرار کی کوئی سبیل پیدا کر دی ہو...... وہ دیوار
میں اسی جگہ آ گیا جہاں سے مکڑوں نے پتھر کی اینٹ اُکھاڑ کر دوسری طرف گرائی تھی۔
پتھر کی اینٹ ایک چوکور سل کے برابر تھی اور وہاں شگاف پڑ گیا تھا...... اس نے شگاف
سے دوسری طرف جھانک کر دیکھا...... نیچے اندھیرا تھا...... اسے کچھ دکھائی نہ دیا، پھر
اس نے کان لگا کر سنا، نیچے سے پانی کے بہنے کی آواز آ رہی تھی...... خدا جانے یہ پانی
کہاں سے آ رہا تھا اور کس طرف جا رہا تھا، لیکن حقیقت یہ تھی کہ یہ سب کچھ اس طرح
سے وقوع پذیر ہوا تھا کہ جمشید کو یقین نہیں آ رہا تھا...... وہ سوچنے لگا کہ شاید قدرت
نے اسے گناہوں کی دلدل سے نکل کر توبہ کرنے اور نیک زندگی بسر کرنے کا ایک
موقع فراہم کیا ہے۔

دیوار کے شگاف کے اندر سے پانی کے بہنے کی مسلسل آواز آ رہی تھی...... آواز
سے معلوم ہوتا تھا کہ پانی تیزی سے بہہ رہا ہے...... اس گول قبر میں مرنے سے بہتر تھا
کہ نیچے اتر کر ایک بار وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کی جائے...... یہ سوچ کر جمشید
نے اپنی ایک ٹانگ شگاف کے اندر داخل کی، پھر دوسری ٹانگ داخل کرنے کے بعد
دونوں ہاتھوں سے شگاف کے کناروں کو مضبوطی سے پکڑا اور اپنی دونوں ٹانگیں نیچے
لٹکا دیں...... وہ اس حالت میں زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتا تھا، چنانچہ اس نے دونوں ہاتھ
چھوڑ کر اپنے آپ کو نیچے گرا دیا۔

وہ پانی میں گرا...... پانی کوئی ایک منزل نیچے تھا اور بڑی تیزی سے بہہ رہا تھا......
پانی کا تیز ریلا جمشید کے گرتے ہی اسے بہا کر آگے لے گیا۔ یہ پانی کی ایک تاریک

سرنگ تھی جس میں پانی کا تیز دھارا شور مچاتا گزر رہا تھا...... جمشید کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا...... پانی کے تیز دھارے کے ساتھ وہ آگے ہی آگے بہتا جارہا تھا...... کر کسی وقت اس کے پاؤں نیچے لگ جاتے تھے جس سے اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ پانی زیا گہرا نہیں ہے، مگر تیز بہاؤ اسے کسی جگہ رکنے نہیں دے رہا تھا...... پانی ڈھلان کی شکل میں جارہا تھا جس کی وجہ سے اس کی رفتار تیز سے تیز ہوتی جارہی تھی۔

سرنگ کبھی دائیں طرف مڑ جاتی تھی، کبھی بائیں طرف مڑ جاتی تھی...... سرنگ جب مڑتی تھی تو پانی کے تیز بہاؤ میں اس کا جسم سرنگ کی دیوار سے ٹکرا جاتا تھا...... پ سرنگ سیدھی ہوگئی مگر اس کا رُخ پہلے سے زیادہ نیچے کی طرف ہو گیا تھا اور پانی کا بہ اور زیادہ تیز ہو گیا تھا...... کچھ دیر کے بعد اسے پانی کی زبردست گونج سنائی دینے لگی... ایسے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے پانی کا یہ ریلا آگے جا کر کسی گہری جگہ میں آبشار کی طر گر رہا ہے...... اس نے کنارے میں پتھروں کو پکڑنے کی بہت کوشش کی کہ کسی طر سے وہ اپنے آپ کو پانی کے ساتھ نیچے گرنے سے بچا سکے، مگر اس کے ہاتھ پھ جاتے تھے اور تیز بہاؤ اسے آگے لے جاتا تھا۔

اب سرنگ پانی کے شور سے گونج رہی تھی...... ایسا شور تھا جیسے کسی گہری کھا میں پہاڑوں کے پتھر ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہوں...... جمشید نے آنکھیں بند کرلیں ا اپنے آپ کو پانی کی تیز لہروں کے حوالے کر دیا...... پانی کا بہاؤ اسے بے جان تنکے طرح تیز رفتاری سے لئے جارہا تھا...... اچانک وہ پانی کی آبشار کے ساتھ نیچے ہی ن گرنے لگا...... پھر بپھرتے شور مچاتے، جھاگ اڑاتے پانی کے ساتھ جیسے ایک گہر کنوئیں میں گر گیا اور گرتے ہی نیچے ہی نیچے اترتا چلا گیا...... کافی نیچے جا کر اسے پانی اُوپر اُٹھانا شروع کر دیا، وہ خود بھی ہاتھ پاؤں چلاتا پانی کی سطح پر آگیا۔

پانی کی سطح سے سر نکالتے ہی اس نے دیکھا کہ چاروں طرف زرد دُھند پھیلی ہو ہے اور وہ اُونچے پہاڑوں کی عمودی دیواروں کے درمیان پانی کے بہاؤ پر بہتا جارہا تھ

اڑوں کا رنگ کہیں بھورا اور کہیں سیاہ تھا اور ان کو دیکھنے سے ہی بدن میں خوف کی ریں دوڑ رہی تھیں...... جمشید کا خیال تھا کہ شاید وہ مردوں کی زیر زمین دُنیا سے نکل کر انوں کی دُنیا میں آگیا ہے لیکن فضا کی زرد دُھند اور بھورے سیاہ پہاڑوں کی ڈراؤنی کلیں اسے بتارہی تھیں کہ وہ ابھی زیر زمین مردوں کی دُنیا میں ہی ہے...... پانی کا رنگ ی زرد مائل تھا جو آہستہ آہستہ زرد اور گہرا زرد ہوتا جارہا تھا...... عفریتی ڈائن اور طور جادوگر کے علاوہ جمشید کو زرد لاشوں کے حملے کا ڈر بھی لگا ہوا تھا...... شاید یہی وہ رد جھیل تھی جس میں اس نے زرد لاش کو بہتے دیکھا تھا جس کے سر سے خون کا فوارہ پھوٹ رہا تھا۔

جمشید اپنے آپ کو تیر کر پہاڑی کناروں کی طرف لانے کی کوشش کرنے گا...... پانی کا دباؤ بہت زیادہ تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پانی گاڑھا ہو گیا ہے...... جمشید کو اتھ پاؤں چلانے میں دقت پیش آرہی تھی...... وہ خوفزدہ ہو گیا کہ کہیں وہ جھیل کی لدل میں نہ پھنس کر رہ جائے...... جھیل کا پانی آہستہ آہستہ تارکول کی طرح بھاری ور دلدلی ہوتا جارہا تھا، لیکن جمشید نے ہمت نہ ہاری اور اپنے آپ کو دھکیلتا ہوا کنارے پر لے آیا...... اس نے کافی زور لگا کر گاڑھے دلدل ایسے پانی میں سے اپنے آپ کو باہر نکالا اور پتھروں میں اوندھا لیٹ گیا...... اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا...... بھاری پانی ہونے کی وجہ سے اسے جھیل میں اس طرح تیرنا پڑا تھا جیسے وہ جسم کے ساتھ کئی من وزن باندھ کر تیر رہا ہو۔

ذرا سانس درست ہوا تو اس نے لیٹے لیٹے سر اُٹھا کر دائیں بائیں دیکھا...... اس کے سامنے بھی پہاڑ کی دیو قامت سیاہ دیوار اُوپر ہی اُوپر اُٹھتی چلی گئی تھی اور دائیں بائیں بھی سیاہ پہاڑوں کی ڈھلانی اور عمودی دیواریں تھیں، صرف اس کے پیچھے زرد جھیل تھی جو آگے دُھند کے بادلوں میں داخل ہو رہی تھی...... جمشید اُٹھا اور پہاڑ کی دیوار کے ساتھ پتھروں کے درمیان چھپ کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا، اب اسے کیا کرنا

چاہئے اور کس طرف کو جانا چاہئے...... وہ اس مردوں کی خطرناک دُنیا میں اکیلا اور سہارا رہ گیا تھا جہاں قدم قدم پر اسے اپنی جان کے دشمنوں کا خطرہ لگا ہوا تھا...... اب آرتی اس کی حفاظت کے لئے اس کے ساتھ تھی اور نہ ماتا کا بچھو ہی اس کے پاس تھا اگرچہ اس کا اعتقاد ماتا کے بچھو پر ختم ہو گیا تھا...... پھر بھی وہاں اس کا دم غنیمت تھا وہ کم از کم اسے نسطور جادُوگر زرد لاش اور عفریتی ڈائن کے حملوں سے وقتی طور پر سہی مگر بچا سکتا تھا۔

اپنے آپ کو شدید خطروں میں گھرا ہوا محسوس کرتے ہوئے جمشید جھیل کے کنارے کنارے اُونچے پہاڑ کی ڈھال کے ساتھ ساتھ چلنے لگا...... تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ ذرا رُک کر پیچھے دیکھ لیتا تھا کہ کوئی زرد لاش یا عفریتی ڈائن اس کا پیچھا تو نہیں کر رہی...... ایک پہاڑ پیچھے رہ گیا، پھر دوسرے سیاہ پہاڑ کی ڈھال شروع ہو گئی...... وہ بلا رُکے چلتا رہا، کچھ خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں جا رہا ہے اور آگے اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے...... جب وہ تین پہاڑوں کو پیچھے چھوڑ آیا اور چوتھے پہاڑ کی ڈھال شروع ہوئی تو اسے ایک آواز سنائی دی...... وہ وہیں بیٹھ گیا اور غور سے اس آواز کو سننے لگا۔

آواز ایسی تھی جیسے کوئی جھیل میں چپو چلا رہا ہے...... جھیل میں ہر طرف زرد دُھند پھیلی ہوئی تھی...... دُھند میں اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ چپو کی آواز رُک رُک کر آ رہی تھی...... جیسے کوئی بڑا زور لگا کر جھیل کے دلدلی پانی میں کشتی چلانے کی کوشش کر رہا ہو، مگر اسے وہاں ابھی تک کوئی کشتی نظر نہیں آئی تھی...... وہ ٹکٹکی باندھے دُھند میں اس جانب دیکھ رہا تھا جس طرف سے آواز آ رہی تھی...... تھوڑی دیر گزرنے کے بعد اسے دُھند میں سے ایک چھوٹی کشتی اپنی طرف آتی دکھائی دی کشتی میں آرتی بیٹھی ہوئی تھی اور دونوں ہاتھوں سے چپو چلا رہی تھی...... کشتی ذرا قریب آئی تو دُور ہی سے جمشید نے اسے پہچان لیا...... یہ آرتی تھی۔

وہ بے اختیار اُٹھ کر اس کی طرف بڑھنے لگا مگر ایک دم رُک گیا...... کہیں آرتی

کے رُوپ میں یہ کوئی ڈائن یا نسطور کی بھیجی ہوئی بدرُوح نہ ہو...... وہ ایک پتھر کے پیچھے چھپ گیا...... کشتی کنارے پر آ کر لگ گئی...... زرد روشنی میں اس نے آرتی کو دیکھا کہ وہ کشتی سے نکل کر اس کی طرف بڑھی اور قریب آ کر بولی۔

"میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے جمشید...... فکر نہ کرو...... میں آرتی ہی ہوں...... کوئی بدرُوح نہیں ہوں۔"

اس کے بعد جمشید اپنے آپ کو نہ چھپا سکا اور فوراً پتھروں کے پیچھے سے نکل آیا...... آرتی نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

"جمشید تمہارا کوئی اچھا کرم (عمل) تمہارے آگے آ گیا ہے، ورنہ تم اپنی حماقت سے جس مصیبت میں پھنس گئے تھے اس میں سے نکل نہیں سکتے تھے اور شاید اس جنم میں مجھے تمہاری شکل دوبارہ دیکھنی نصیب نہ ہوتی۔"

جمشید نے کہا۔

"آرتی! تم آرتی ہی ہو ناں؟ نسطور جادُوگر کی بھیجی ہوئی کوئی ڈائن یا بدرُوح تو نہیں ہو ناں؟"

آرتی نے کہا۔

"یہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی پہلے میرے ساتھ کشتی میں بیٹھ جاؤ تاکہ میں تمہیں جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکال کر لے جاؤں...... اگر میں کوئی بدرُوح نہیں ہوں تو تمہارے دشمنوں کی بھیجی ہوئی کوئی نہ کوئی بدرُوح یا عفریتی ڈائن خود تمہیں دبوچنے یہاں پہنچ جائے گی اور اب تو تمہارے پاس ماتا کا بچھو بھی نہیں ہے۔"

جمشید فوراً کشتی میں سوار ہو گیا...... آرتی نے بھی کشتی میں سوار ہو کر چپو سنبھالے اور کشتی کو موڑ کر جس طرف سے آئی تھی اس طرف روانہ ہو گئی۔

جمشید کہنے لگا۔

"اب تو میں بول سکتا ہوں ناں؟ کیونکہ تم خود مجھ سے باتیں کر رہی تھیں۔"

آرتی نے کہا۔

"ہاں تم بول سکتے ہو...... یہاں تمہاری آواز سن کر کوئی بدرُوح تم پر نہیں گی، لیکن یہ مت بھولو کہ عفریتی ڈائن کو تمہارے فرار کا علم ہو چکا ہے اور وہ تم تلاش میں نکل چکی ہے۔"

جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔

"مگر یہاں تو اس بلا سے چھپنے کی بھی کوئی جگہ نہیں ہے۔"

آرتی بولی۔

"افسوس کہ ماتا کے بچھو کے ساتھ وہ مہرہ بھی تم نے گم کر دیا ہے جو میں نے تم دیا تھا اور جسے منہ میں رکھ کر تم یہاں کی مخلوق کی نظروں سے اُوجھل ہو گئے تھے۔"

جمشید نے منت کرتے ہوئے کہا۔

"آرتی! اگر عفریتی ڈائن نے مجھے دبوچ لیا تو وہ اس بار مجھے زندہ نہیں چھوڑ گی...... میرے بچاؤ کے لئے کچھ کرو۔"

آرتی بولی۔

"تم گھبراؤ نہیں...... میرے پاس تمہیں بچانے کا ایک طریقہ ہے۔"

اور آرتی نے چپو روک کر اپنے کان میں پڑا ہوا ایک سیاہ موتی اتار کر جمشید کو اور بولی۔

"اسے اپنے منہ میں رکھ لو...... تمہیں کوئی بدرُوح نہیں دیکھ سکے گی۔"

جمشید نے جلدی سے کالا موتی اپنے منہ میں ڈال لیا...... موتی منہ میں رکھتے ایک بار پھر جمشید کو اپنا جسم نظر آنا بند ہو گیا...... وہ غائب ہو گیا، آرتی نے کہا۔

"تم غائب ہو گئے ہو، لیکن میں تمہیں دیکھ رہی ہوں...... پھر بھی تم اُونچی آوا میں بات نہ کرنا...... عفریتی ڈائن کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتی ہے...... تم بولو گے تو تمہیں فوراً دیکھ لے گی۔"

جمشید نے کہا۔

"لیکن تم اس سے کیسے بچو گی؟ وہ تمہیں تو دیکھ لے گی۔"

آرتی نے کہا۔

"تم میری فکر نہ کرو...... میں ابھی تک ان لوگوں کی دُنیا کی ایک بدرُوح ہوں...... یہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

کشتی اس وقت دو پہاڑیوں کے درمیان سے گزر رہی تھی...... کچھ دُور چلنے کے بعد پہاڑی پیچھے رہ گئی اور کسی ویران جزیرے کا کنارہ آ گیا...... جزیرے کے کنارے کہیں کہیں وہی سوکھے ہوئے لٹکتی مردہ ٹہنیوں والے سیاہ درخت کھڑے تھے...... زرد دھند میں جگہ جگہ سیاہ اور زرد چٹانیں زمین سے نکل کر بالکل ساکت کھڑی تھیں...... ہر طرف موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا، نہ دن تھا نہ رات تھی، بس ایک مردہ سی زرد روشنی تھی جس نے ساری فضا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا...... اُوپر آسمان پر بھی اسی دُھند کی چادر تنی ہوئی تھی۔

آرتی نے کشتی کنارے پر لگا دی۔

وہ اُتری تو جمشید بھی اس کے ساتھ ہی کشتی سے اُتر گیا...... آرتی نے دھیمی آواز میں کہا۔

"میں تمہیں جو کہوں سنتے جانا...... آگے سے کوئی جواب نہ دینا...... چپ چاپ میرے ساتھ چلتے جاؤ اور یاد رکھو...... کسی درخت کی طرف گھور کر مت دیکھنا۔"

سوکھے ہوئے خونخوار درخت ان کی بائیں جانب تھے...... جمشید نے ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں اور چپ چاپ سر جھکائے آرتی کے پیچھے پیچھے چلنے لگا...... زمین خشک اور بھربھری تھی، کہیں کہیں گڑھے پڑے ہوئے تھے...... ان گڑھوں میں کہیں کہیں انسانی پنجروں کی بکھری ہوئی ہڈیاں نظر آ رہی تھیں...... شاید یہ اس دُنیا کا کوئی خستہ حال قبرستان تھا...... جمشید کی آرتی سے یہ پوچھنے کی جرات نہ ہوئی کہ یہ ہڈیاں کن

مردوں کی ہیں...... آگے ایک بہت بڑی چٹان آگئی جو آگے کو اسی طرح جھکی ہوئی تھی، جیسے ابھی زمین پر گر پڑے گی...... جیسے جیسے وہ چٹان کے قریب ہو رہے تھے چٹان جیسے پہلے سے زیادہ بڑی اور زیادہ خوفناک ہوتی جا رہی تھی۔

چٹان کی دیوار میں ایک گول سوراخ صاف نظر آرہا تھا...... آرتی اس سوراخ کے پاس آکر کھڑی ہو گئی اور بولی۔

"یہاں تمہارا میرا ساتھ ختم ہوتا ہے...... یہاں سے میں آگے نہیں جا سکتی...... اب تمہیں اکیلے ہی جانا ہو گا۔"

جمشید نے حیرت سے آرتی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا...... کیا تم مجھ سے جدا ہو رہی ہو؟"

آرتی نے کہا۔

"میں جدا ہونا نہیں چاہتی، مگر مجھے جدا ہونا ہی پڑ رہا ہے، کیونکہ آگے انسانوں کی دُنیا ہے، جو تمہاری منزل ہے، جو تمہاری دُنیا ہے...... میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں انسانوں کی دُنیا میں ضرور پہنچاؤں گی...... میں اپنا وعدہ پورا کر رہی ہوں۔"

جمشید بولا۔

"لیکن سامنے تو ایک چٹان ہے جس کی دیوار میں ایک چھوٹا سیاہ شگاف دیکھ رہا ہوں...... یہاں انسانوں کی دُنیا کہاں ہے۔"

آرتی نے کہا۔

"تم اس شگاف کے اندر جاؤ گے تو تمہیں ایک غار ملے گا...... یوں سمجھ لو کہ یہ مردوں کی اس منحوس زیر زمین دُنیا کا آخری غار ہے...... اگر تم اس غار میں سے صحیح سلامت گزر گئے تو تم انسانوں کی دُنیا میں پہنچ جاؤ گے۔"

جمشید کہنے لگا۔

"تو کیا اس غار میں کوئی خطرہ بھی ہے؟"

آرتی بولی۔

"سب سے بڑا خطرہ تمہارے دشمن نسطور جادوگر اور تمہاری دوسری سب سے بڑی دشمن عفریتی ڈائن کا ہے جو کسی بھی وقت غار میں تم پر حملہ کر سکتی ہے اور یاد رکھو اگر وہ غار میں آگئی اور اس نے تم پر حملہ کر دیا تو پھر اس سے تمہیں کوئی بھی نہیں بچا سکے گا۔"

جمشید بولا۔

"مگر میں تو غائب ہوں۔"

آرتی نے کہا۔

"نسطور جادوگر یا اس کی کوئی بدرُوح تمہیں نہیں دیکھ سکے گی، مگر عفریتی ڈائن کو تم نظر آجاؤ گے اور یہی تمہاری سب سے خطرناک دشمن ہے...... یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تم ابھی تک اس کے انتقام کی آگ سے بچے ہوئے ہو۔"

جمشید شگاف میں داخل ہوتے ہوئے ڈر رہا تھا...... اگرچہ وہ انسانوں کی دُنیا میں جانے کے لئے بے تاب تھا، مگر اس پر عفریتی ڈائن کا زبردست خوف طاری تھا...... وہ جانتا تھا کہ اب اس کے پاس ماتا کا بچھو بھی نہیں ہے جو اسے عفریتی ڈائن سے محفوظ رکھ سکتا تھا...... آرتی بھی اس کے ساتھ نہیں ہو گی اور وہ تنگ غار میں عفریتی ڈائن کے رحم و کرم پر ہو گا...... پھر اس کا جو حشر ہو گا وہ اس کا تصور کر سکتا تھا، لیکن وہ جانتا تھا کہ جب آرتی نے اسے کہہ دیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ نہیں جا سکتی تو وہ اس کے ساتھ نہیں جائے گی۔

آرتی نے کہا۔

"تم کیا سوچ رہے ہو...... تمہاری منزل تمہارے سامنے ہے...... درمیان میں صرف ایک غار ہی ہے...... دیر نہ کرو۔"

جمشید کہنے لگا۔

"آرتی! کیا پھر کبھی تم سے ملاقات ہو گی؟"

"میں انسانوں کی دُنیا میں آنے کے بعد ہی تم سے ملاقات کر سکتی ہوں، کیو
جب تک میرے اس جنم کا چکر پورا نہیں ہوتا میں مردوں کی اس زیر زمین دُنیا سے با
نہیں جا سکتی۔"

جمشید نے کہا۔

"تمہارے اس جنم کا چکر کب ختم ہو گا؟"

آرتی بولی۔

"تمہاری دُنیا کے وقت اور ہماری دُنیا کے وقت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔
تم اسے نہیں سمجھ سکو گے، لیکن تم اطمینان رکھو میں بہت جلد انسانوں کی دُنیا میں آ
تم سے ملوں گی...... اب دیر نہ کرو اور یہاں سے نکل جاؤ...... ہاں، ایک بات کا خیال
رکھنا...... اگر غار میں سے گزرتے ہوئے تم پر نسطور جادوگر یا عفریتی ڈائن نے حملہ کر
تو جتنی تیز دوڑ سکتے ہو دوڑ کر ان کی زد سے نکل جانا۔"

جمشید نے پوچھا۔

"لیکن یہ لوگ تو انسانوں کی دُنیا میں آ کر بھی مجھے ہلاک کر سکتے ہیں۔"

آرتی نے کہا۔

"سوائے عفریتی ڈائن کے نہ نسطور جادوگر کی بدروح انسانوں کی دُنیا میں جا سکتی
ہے اور نہ کوئی زندہ لاش انسانوں کی دُنیا میں داخل ہونے کی جرات کر سکتی ہے۔"

جمشید بولا۔

"اس کا مطلب ہے مجھے عفریتی ڈائن کی طرف سے موت کا خطرہ لگا رہے گا۔"

آرتی نے کہا۔

"میں نے تمہیں جو کالا موتی دیا ہے اس کو انسانوں کی دُنیا میں جاتے ہی منہ سے
نکال کر اپنی جیب میں رکھ لینا...... یہ کالا موتی تمہیں عفریتی ڈائن کے کالے جادو سے

محفوظ رکھے گا۔"

جمشید نے کہا۔

"کالا موتی منہ سے نکالنے کے بعد تو میں غیبی حالت سے ظاہری حالت میں
آ جاؤں گا۔"

آرتی بولی۔

"وہ تو تم کالا موتی منہ میں بھی رکھو گے تو انسانوں کی دُنیا میں جاتے ہی ظاہر
ہو جاؤ گے اور سب کو نظر آنے لگو گے، کیونکہ انسانوں کی دُنیا میں جاتے ہی کالے موتی
کی وہ طلسمی طاقت جس کی وجہ سے تم غائب ہو جاتے ہو...... ختم ہو جائے گی، لیکن تم
اسے اپنے پاس رکھو گے تو یہ کالا موتی تمہیں بدروحوں اور خاص طور پر عفریتی ڈائن
کے آسیبی جادو سے محفوظ رکھے گا اور وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی...... اب جاؤ۔"

آرتی فوراً غائب ہو گئی۔

جمشید غار کے تنگ و تاریک شگاف میں داخل ہو گیا...... غار میں اندھیرا تھا......
وہ غائب تھا، اس لئے جتنی تیز چل سکتا تھا چلنے لگا...... غائب ہونے کی وجہ سے اسے
اندھیرے میں کچھ کچھ دکھائی دے رہا تھا...... غار میں گرمی تھی...... فضا میں شمشان
میں جلنے والے مردوں کی بدبو تھی...... جمشید جلدی سے جلدی اس غار میں سے نکل کر
انسانوں کی دُنیا میں پہنچ جانا چاہتا تھا...... اس کے اور انسانوں کی دُنیا کے درمیان صرف
یہ غار ہی حائل تھا...... آرتی نے کہا تھا کہ غار زیادہ طویل نہیں ہے...... غائب ہونے کی
وجہ سے اس کا وزن کافی ہلکا ہو گیا تھا اور وہ عام رفتار سے زیادہ تیز چل رہا تھا...... غار میں
کافی دُور نکل جانے کے بعد ایک جگہ بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک کا دھماکہ ہوا......
جمشید کانپ کر رہ گیا...... فوراً سمجھ گیا کہ عفریتی ڈائن غار میں آ گئی ہے اور اگر وہ اس کی
زد میں آ گیا تو وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گی، مگر انسانوں کی دُنیا میں پہنچنے کی شدید
خواہش اور انسانوں کی دُنیا کے قریب ہونے کی وجہ سے جمشید میں ایک نئی طاقت آ گئی

تھی...... اس نے اپنی رفتار تیز کر دی...... بجلی کی کڑک اور بادلوں کی گرج کے ساتھ اب بجلی بھی چمکنے لگی تھی...... بجلی چمکتی تو غار میں ایک دم روشنی ہو جاتی...... عفریتی ڈائن اس کے سر پر پہنچ چکی تھی...... اس نے جمشید کو غیبی حالت میں بھی دیکھ لیا تھا...... جمشید اُچھل کر غار میں اُڑنے لگا۔

عفریتی ڈائن بھیانک ڈراؤنی آوازیں نکالتی جمشید کے پیچھے آ رہی تھی...... جمشید خوفزدہ ہونے کے باوجود جان بچانے کی خاطر زیادہ سے زیادہ تیزی کے ساتھ غار میں آگے ہی آگے اُڑتا جا رہا تھا...... وہ عفریتی ڈائن سے چالیس پچاس قدم آگے تھا...... عفریتی ڈائن نے اس پر زبردست گرج دار آواز کے ساتھ آگ کا شعلہ پھینکا...... آگ کا شعلہ جمشید کے پیچھے آ کر گرا...... خوفناک دھماکے سے غار لرز اُٹھا...... جمشید اور تیزی سے اُڑنے لگا...... اسے دُور غار میں سفید روشنی دکھائی دینے لگی...... یہ انسانوں کی دُنیا کی روشنی تھی، اس کی منزل اس کے ساتھ تھی...... جمشید کا حوصلہ بڑھ گیا...... عفریتی ڈائن نے آگ کا ایک اور شعلہ جمشید پر پھینکا...... یہ شعلہ جمشید کے کندھے کو چھوتا ہوا آگے نکل گیا۔

لیکن انسانوں کی دُنیا کی روشنی اب غار میں داخل ہو رہی تھی...... انسانوں کی دُنیا کی روشنی کو دیکھ کر عفریتی ڈائن کی رفتار سست ہو گئی تھی...... اسے انسانوں کی دُنیا میں جانے کی اجازت نہیں تھی، مگر وہ اپنے دشمن کو زندہ بھی نہیں چھوڑنا چاہتی تھی...... اس کی وجہ سے وہ پھانسی پر لٹک گئی تھی اور اس کی گردن لمبی ہو گئی تھی اور شیطانی دیوتاؤں نے اسے اپنی دُنیا سے نکال دیا تھا...... عفریتی ڈائن جمشید سے اپنی اس بے عزتی اور شکست کا انتقام لینا چاہتی تھی، لیکن انسانوں کی دُنیا کی روشنی اسے آگے جانے سے روک رہی تھی...... جمشید پرواز کرتا اس سے دُور نکل گیا تھا...... عفریتی ڈائن نے بے بسی اور غصے کی حالت میں غضبناک ہو کر ایک کالا منتر پڑھ کر جمشید پر پھونکا اور چیخ مار کر کہا۔

"میرا کالا منتر کالے آسیب کا رُوپ بدل کر تیرا پیچھا کرے گا۔"

جمشید نے عفریتی ڈائن کی آواز سن لی تھی...... مگر اب وہ عفریتی ڈائن کی پہنچ سے دُور نکل چکا تھا...... غار میں روشنی ہی روشنی ہو گئی تھی اور ایک مدت کے بعد اسے انسانوں کی دُنیا اپنی دُنیا کی خوشگوار تازہ ہوا کے جھونکے محسوس ہونے لگے تھے...... وہ سفید روشنی کے غبار میں غار سے باہر نکل گیا...... غار سے باہر نکلتے ہی اسے ایک شدید جھٹکا لگا اور وہ فضا میں اُچھل کر زمین پر گر پڑا۔

اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ وہ کب تک بے ہوشی کی حالت میں پڑا رہا...... جب اسے ہوش آیا تو اس کے چاروں طرف دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی...... یہ انسانوں کی دُنیا کی روشنی تھی، اس کے اُوپر درختوں کی شاخیں جھکی ہوئی تھیں جن کے درمیان میں سے نیلا آسمان نظر آ رہا تھا...... جمشید انسانوں کی دُنیا میں واپس آ چکا تھا...... فرطِ مسرت سے وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور اس نے جوش میں آ کر اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے...... تب اس نے دیکھا کہ وہ غائب نہیں تھا...... اسے اپنا جسم نظر آ رہا تھا...... اسے یاد آگیا...... آرتی نے کہا تھا کہ انسانوں کی دُنیا میں پہنچتے ہی کالے موتی کا وہ طلسم جس کی وجہ سے تم غائب ہو ختم ہو جائے گا اور تم نظر آنے لگو گے...... اس نے یہ بھی کہا تھا کہ کالے موتی کی دوسری طلسمی طاقت قائم رہے گی اور اسے جیب میں رکھ لینا...... وہ تمہیں انسانوں کی دُنیا کی بدرُوحوں سے محفوظ رکھے گا اور اگر عفریتی ڈائن کوئی خاص چلہ کر کے رُوپ بدل کر تمہاری تلاش میں انسانوں کی دُنیا میں آ گئی تو جب تک یہ کالا موتی تمہارے پاس ہو گا وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔

جمشید نے فوراً کالا موتی منہ میں سے نکال کر اپنی جیب میں رکھ لیا...... سب سے پہلے وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ کہاں پر ہے اور جہاں پر وہ ہے وہ کون سی جگہ ہے...... وہ اُسی لباس میں تھا جس لباس میں وہ اس رات قبرستان میں نسطور جادُوگر کی قبر میں چلہ کرنے بیٹھا تھا...... اس نے چاروں طرف دیکھا اور اس نے اس جگہ کو پہچان لیا...... یہ جگہ شہر کی کچی آبادی والے کھیت تھے...... وہاں سے جمشید کا نئی کالونی والا مکان زیادہ

دُور نہیں تھا...... وہ پیدل ہی چل پڑا...... راستہ اسے معلوم تھا...... اپنی دُنیا کی روشنی اور تازہ فضا میں آنے کے بعد جمشید اپنے آپ کو تازہ دم اور صحت مند محسوس کر رہا تھا...... مردوں کی زیرِ زمین دُنیا میں بیتے ہوئے بھیانک لمحوں کو یاد کر کے اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے اس نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہو، وہ اس ڈراؤنے خواب کو بھول جانا چاہتا تھا۔

کچی آبادی میں سے گزر کر وہ سڑک پر آ گیا...... یہ سڑک اسی کالونی کو جاتی تھی جہاں جمشید کا مکان تھا...... انسانوں کی دُنیا میں داخل ہونے کے بعد اسے بھوک اور پیاس محسوس ہونے لگی تھی...... اس کے سارے انسانی حواس بیدار ہو گئے تھے...... وہ سوچ رہا تھا کہ گھر میں جاتے ہی اپنی پرانی خادمہ رانی سے کہے گا کہ فوراً اس کے لئے مزیدار کھانا تیار کرے...... بڑی سڑک چھوڑ کر وہ چھوٹی سڑک پر ہو گیا...... یہ سڑک اس کی کالونی میں سے گزرتی تھی...... اسے نئی کالونی کے مکان اور بلڈنگیں دن کی دُھوپ میں صاف نظر آنے لگی تھیں...... ان مکانوں میں دُور سے اسے اپنا مکان بھی نظر آ گیا جو کالونی کی آبادی سے ذرا ہٹ کر واقع تھا...... اپنے مکان کو دیکھ کر اس کے جسم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اس نے اپنی رفتار تیز کر دی...... اب وہ کالونی کے بڑے بازار میں آ گیا...... بازار کی دکانیں کھلی تھیں...... لوگ خرید و فروخت کر رہے تھے...... سارے دکاندار اسے جانتے تھے اور جب جمشید بازار میں سے گزرتا تھا تو دکاندار اسے ایک نظر ضرور دیکھ لیا کرتے تھے...... جمشید کے کالے جادُو ٹونے کی وجہ سے محلے کے لوگ اسے پسند نہیں کرتے تھے، لیکن جمشید کبھی کبھی کسی دکاندار سے سلام علیک لے لیا کرتا تھا...... بازار میں سے گزرتے ہوئے اس نے محسوس کیا کہ کسی دکاندار نے اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا تھا...... اسے یقین تھا کہ اس کو زندہ حالت میں دیکھ کر دکاندار حیران ہو کر یا ڈر کر بھاگ جائیں گے، لیکن کسی پر کوئی اثر نہ ہوا...... بازار میں نلکے وغیرہ مرمت کرنے والے کی دکان تھی جس کا بوڑھا مالک چوری چھپے اس کے پاس سفلی عمل کے تعویذ وغیرہ لکھوانے آ جایا کرتا تھا...... جمشید جب اس کی دکان کے

قریب سے گزرتا تھا تو بوڑھا دکاندار اسے ضرور سلام وغیرہ کر لیا کرتا تھا...... جمشید کو یقین تھا کہ بوڑھا اسے زندہ دیکھ کر شاید ڈر کے مارے بے ہوش ہو جائے گا، لیکن اس روز جب وہ اس کی دکان کے قریب سے گزرا تو بوڑھے دکاندار نے اسے ایک سرسری نظر سے دیکھا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا...... اس نے عادت کے مطابق جمشید سے کوئی سلام دعا بھی نہ لی...... جیسے اس نے جمشید کو بالکل نہ پہچانا ہو...... جمشید آگے نکل گیا...... بازار کے کونے میں گوشت بیچنے والے کی دکان تھی...... دکان کے باہر ایک کتا بیٹھا رہتا تھا...... جمشید جب بھی قصاب کی دکان کے قریب سے گزرتا تھا تو یہ کتا اُٹھ کر اس کے پاس آ جاتا تھا اور تھوڑی دُور اس کے ساتھ چل کر واپس قصاب کی دکان پر چلا جاتا تھا...... اس روز بھی کتا قصاب کی دکان کے باہر بیٹھا ہوا تھا...... جمشید اس کے قریب سے گزرا تو کتے نے اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

جمشید کو کچھ تعجب ضرور ہوا، لیکن وہ یہ سوچ کر مسکرا دیا کہ شاید یہ کتا ابھی تک اسے مردہ سمجھ رہا ہے...... بازار میں سے گزرنے کے بعد وہ ایک کھیت کے کنارے کنارے چلتا اپنے مکان کے دروازے پر آ گیا...... اپنے مکان کو دیکھ کر اسے لگا جیسے اسے نئی زندگی مل گئی ہو...... دروازہ بند تھا...... اس نے دروازے کو دھکیلا تو وہ کھل گیا...... اسے اپنے مکان میں داخل ہونے کے لئے کسی سے اجازت لینے کی تو ضرورت ہی نہیں تھی...... وہ مکان میں داخل ہو گیا...... دروازہ کھلنے کی آواز سن کر جمشید کی ملازمہ رانی جلدی سے "کون ہے؟" کہتی ہوئی کچن سے باہر آ گئی...... جمشید دالان میں آ گیا تھا...... اس نے رانی کو دیکھتے ہی کہا۔

"رانی! مجھ سے یہ مت پوچھنا کہ میں دوبارہ کیسے زندہ ہو گیا ہوں...... پہلے مجھے کچھ کھانے کو دو...... اس کے بعد میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا کہ میں کہاں تھا اور میرے ساتھ کیا گزری ہے...... یقین کرو، میں مرا نہیں تھا، بلکہ زندہ تھا...... مجھے زندہ دفن کر دیا گیا تھا۔"

جمشید یہی توقع کر رہا تھا کہ اسے دیکھتے ہی رانی کی چیخ نکل جائے گی اور وہ غ
کھا کر گر پڑے گی، لیکن ایسا بالکل نہ ہوا...... اس کی بجائے رانی نے حیران ہو کر پوچھا۔
"تم کون ہو بھائی...... بغیر پوچھے کیسے اندر آ گئے ہو...... اگر جمشید جی سے
آئے ہو تو ان کا کچھ روز پہلے انتقال ہو گیا ہے۔"

اب جمشید کے حیران ہونے کی باری تھی...... اس نے رانی سے کہا۔

"رانی! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ میں جمشید ہوں...... تم نے مجھے پہچانا نہیں؟
لوگوں نے مجھے زندہ دفن کر دیا تھا...... بڑی مشکل سے قبر میں سے نکل کر آیا ہوں۔"

رانی کے چہرے پر خوف اور دہشت کا نام و نشان نہیں تھا...... وہ صرف پریشا
اور گھبرائی ہوئی تھی...... کہنے لگی۔

"بھائی تم یہاں بیٹھو...... میں ابھی آتی ہوں۔"

جمشید یہی سمجھا کہ اس کی پرانی ملازمہ رانی کا شاید دماغ چل گیا ہے، ورنہ یہ کی
ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے مالک جمشید کو نہ پہچانے...... اس دوران رانی گھبرا کر مکان سے
باہر نکل گئی تھی...... جمشید اپنے کمرے میں چلا گیا...... رانی مکان سے نکل کر بھا
بھاگی قصاب کی دکان پر پہنچی اور کہا۔

"ہمارے گھر میں کوئی چور اُچکا گھس آیا ہے، کہتا ہے میں تمہارا مالک ہوں۔"

قصاب نے یہ سنا تو کام چھوڑ کر گدی سے اُٹھا اور آس پاس کے دکانداروں سے
بلند آواز میں کہا۔

"رانی کے گھر میں کوئی ڈاکو آ گیا ہے...... چلو اس کو پکڑ کر پولیس کے حوا
کرتے ہیں، جلدی چلو۔"

چھ سات دکاندار فوراً رانی کے گھر میں پہنچ گئے...... رانی ان کے آگے آگے تھ
دیکھا کہ مکان کا دالان خالی تھا...... کیمسٹ شاپ والے شاہ جی نے کہا۔

"یہاں تو کوئی نہیں ہے۔"

رانی نے پریشانی سے کہا۔

"وہ ضرور اُوپر والے کمرے میں ہو گا۔"

سارے دکاندار اُوپر والے کمرے کی طرف بڑھے...... قصاب نے دکان سے
اُٹھتے وقت ایک چھری اپنے ہاتھ میں پکڑ لی تھی...... جمشید اس وقت تخت پوش پر بیٹھا
کالے جادو کی ایک کتاب دیکھ رہا تھا...... اچانک اتنے سارے لوگوں کو کمرے میں داخل
ہوتے دیکھ کر وہ اُٹھ کھڑا ہوا...... رانی ان کے آگے آگے تھی...... جمشید بڑا حیران ہوا
کہ رانی محلے کے دکانداروں کو وہاں کس لئے لے آئی ہے...... وہ ان سارے دکانداروں
کو پہچانتا تھا...... اس نے حیرانی کے ساتھ پوچھا۔

"آپ لوگ کیسے آئے ہیں؟"

کیمسٹ شاپ کے مالک شاہ جی نے آگے ہو کر کہا۔

"تم کون ہو اور اس مکان میں کیسے گھس آئے ہو؟"

قصاب نے کہا۔

"شاہ جی اس سے کیا پوچھتے ہو کہ یہ کون ہے...... یہ چور اُچکا ہے...... اس کو پکڑ کر
پولیس کے حوالے کرنا چاہئے۔"

جمشید انتہائی تعجب کی حالت میں ایک ایک کا منہ تک رہا تھا...... اس کا خیال تھا کہ
یہ محلے کے لوگ ہیں...... انہوں نے ہی جمشید کو قبرستان میں دفن کیا تھا، چنانچہ اسے
دیکھ کر یہ لوگ بھی خوف زدہ ہو جائیں گے اور شاید ڈر کر بھاگ بھی جائیں، لیکن ایسی
کوئی بات نہیں ہوئی تھی...... سب کے سب اسے قہر بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے،
بلکہ اُلٹا شاہ جی نے یہ پوچھا کہ تم کون ہو...... حالانکہ وہ جمشید کی شکل صورت سے اچھی
طرح واقف تھے...... جمشید نے بڑے اطمینان کے ساتھ کہا۔

"شاہ جی! میں آپ کا ہمسایہ عامل جمشید ہوں...... آپ لوگوں نے مجھے مردہ سمجھ
کر قبر میں دفن کر دیا تھا، مگر میں مرا نہیں تھا...... زندہ تھا اور سکتے کی حالت میں تھا......

قبر میں دفن ہونے کے دوسرے ہی روز مجھے ہوش آ گیا تھا اور سخت جدوجہد کے بعد میں اب قبر سے نکل کر اپنے گھر آیا ہوں۔"

لانڈری کی دکان والے ملک صاحب بولے۔

"شاہ جی! یا تو یہ کوئی پاگل ہے اور یا پھر بڑا مکار چور ہے...... اسے تھانے لے چلنا چاہیے۔"

قصاب نے ملک صاحب کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

"ہاں شاہ جی! اسے پکڑ کر تھانے لے چلتے ہیں...... وہاں یہ اپنے آپ سب کچھ بک دے گا۔"

دو آدمیوں نے فوراً جمشید کے دونوں بازو دبوچ لئے...... جمشید نے رانی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"رانی! تم تو میری پرانی ملازمہ ہو...... کیا تم نے بھی مجھے نہیں پہچانا...... تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے...... میں عامل جمشید ہوں...... میں مرا نہیں تھا۔"

لیکن وہاں جب ہر کوئی اسے پہچاننے سے انکار کر رہا تھا تو اس کی کون سنتا...... محلے کے لوگ اسے پکڑ کر علاقے کے پولیس اسٹیشن لے گئے اور کہا کہ یہ کوئی چور ڈاکو یا دہشت گرد ہے جو محلے کے عامل جمشید کے گھر گھس آیا تھا جسے فوت ہوئے ایک ہفتہ گزر چکا ہے۔

تھانے میں جمشید کو زمین پر بٹھا دیا گیا اور پوچھ گچھ شروع کر دی...... اتفاق سے وہاں ایک کانسٹیبل آ گیا جس کو جمشید جانتا تھا اور جو جمشید کو بھی جانتا تھا اور کئی بار اس کے مکان پر جادو ٹونہ کرانے آیا تھا...... اسے دیکھتے ہی جمشید بے اختیار بول اُٹھا۔

"عمر دین! انہیں بتاؤ کہ میرا نام عامل جمشید ہے اور تم مجھے جانتے ہو۔"

کانسٹیبل عمر دین نے حیران سا ہو کر پہلے غور سے جمشید کو دیکھا...... پھر دوسرے کانسٹیبل کو دیکھ کر بولا۔

"اوئے یہ کس پاگل کو یہاں لے آئے ہو۔"

دوسرا کانسٹیبل ہنس کر بولا۔

"یہ کارٹون نئی کالونی والے یہاں چھوڑ گئے ہیں۔"

پولیس کو پہلے شبہ تھا کہ شاید جمشید کا تعلق دہشت گردوں کے کسی گروہ سے ہے، لیکن بہت جلد انہیں یقین ہو گیا کہ یہ شخص ذہنی طور پر بیمار ہے...... چنانچہ انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔

جمشید تھانے سے نکل کر سوچنے لگا کہ یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے...... اچانک اسے خیال آیا کہ اپنی شکل تو دیکھی جائے، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ مردوں کی زیر زمین دُنیا سے نکلنے کے بعد اس کی شکل صورت ہی بدل گئی ہو...... نئی کالونی کے پولیس سٹیشن کے قریب ہی ایک سینما ہاؤس تھا...... جمشید سینما ہاؤس کے باتھ روم میں چلا گیا...... وہاں منہ ہاتھ دھونے والے سنک کے پیچھے آئینہ لگا تھا...... وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ آئینے کے سامنے آ گیا اور غور سے اپنی شکل کو دیکھنے لگا...... اس کی شکل بالکل نہیں بدلی تھی، جس شکل صورت کے ساتھ وہ چلہ کاٹنے قبرستان میں گیا تھا، اس کی وہی شکل صورت تھی...... ذرا سی بھی تبدیلی نہیں آئی تھی...... وہی آنکھیں، وہی ناک نقشہ، ویسے ہی بھورے رنگ کے تھوڑے تھوڑے اُڑے ہوئے سر کے بال، اس نے چہرے کے نقوش کو ٹٹول کر بھی دیکھا...... جمشید اپنی اصلی اور پیدائشی شکل میں تھا، پھر وہ لوگ اسے پہچاننے سے کیوں انکار کر رہے تھے، جو اسے تقریباً ہر روز دیکھتے رہتے تھے...... حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کی ملازمہ رانی نے بھی اسے نہیں پہچانا تھا۔

اپنا شک دُور کرنے کے لئے صرف ایک ہی جگہ باقی رہ گئی تھی...... یہ جمشید کی اکلوتی بڑی بہن تھی جو اندرون سندھ رہتی تھی...... جمشید نے اسی وقت سندھ جانے کا فیصلہ کر لیا...... اس نے اپنی جیبوں کی تلاشی لی...... ایک جیب میں آرتی کا دیا ہوا کالا موتی تھا جو اس نے وہاں سے نکال کر جیکٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا...... ایک جیب

میں سے ایک بھرا ہوا بٹوہ نکل آیا...... یہ بٹوہ اس کا نہیں تھا...... اس نے کبھی پیسے بٹو
میں نہیں رکھے تھے...... وہ بٹوہ رکھنے کے سخت خلاف تھا...... بڑا حیران ہوا، یہ بٹوہ
کی جیب میں کہاں سے آ گیا ہے۔

اس نے بٹوہ کھولا تو اس میں کتنے ہی کرنسی نوٹ تھے...... اُس کا خیال اپنی ہو
آرتی کی طرف چلا گیا...... پاکستانی کرنسی نوٹوں سے بھرا ہوا بٹوہ ضرور آرتی نے ہی ا
کی جیب میں ڈال دیا ہوگا...... اس خیال سے کہ یہ پیسے انسانوں کی دُنیا میں جا کر اس کے
کام آئیں گے...... اس نے ایک کونے میں جا کر نوٹ گنے...... یہ سولہ سترہ ہزار کے
قریب رقم تھی...... جمشید نے جلدی سے بٹوہ بند کر کے اندر والی جیب میں رکھ لیا ا
سوچنے لگا کہ اس وقت اگر اس کی جیب خالی ہوتی تو وہ کیا کرتا...... کس کے پاس جاتا...
اسے ایسے محسوس ہوا جیسے آرتی کو معلوم تھا کہ انسانوں کی دُنیا میں واپس جانے کے بع
اس کے ساتھ یہ حادثہ ضرور پیش آئے گا اور اس کے قریبی جاننے والے بھی اسے نہیں
پہچان سکیں گے، مگر آرتی نے اسے بتایا نہیں تھا...... جمشید کو سخت بھوک لگ رہی تھی۔

سب سے پہلے اس نے ایک ریستوران میں بیٹھ کر کھانا کھایا...... پھر ریلوے
سٹیشن کی طرف چل پڑا...... صوبہ سندھ کی طرف جانے والی ٹرین اسے دو گھنٹے کے بع
ملی...... وہ ٹکٹ لے کر اس میں سوار ہو گیا...... دوسرے دن دوپہر کے وقت اپنی بڑ
بہن کے گاؤں پہنچ گیا...... ڈرتے ڈرتے اپنی بہن کے مکان کے باہر آ کر کھ
ہو گیا...... دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ دروازے پر دستک دی...... اندر سے اس ک
بہن نے ہی دروازہ کھولا اور سر پر دوپٹہ لیتے ہوئے پوچھا۔

”بھائی صاحب آپ کو کس سے ملنا ہے؟“

جمشید کے دل پر ایک چوٹ سی لگی...... اس کی بڑی بہن نے بھی اسے نہیں پہ
تھا...... وہ کیا کر سکتا تھا...... کیا کہہ سکتا تھا...... بس حسرت و یاس کے ساتھ اپنی بہن ک
طرف تکتے ہوئے بولا۔

”بہن جی! آپ کا ایک بھائی ہے جس کا نام جمشید ہے...... مجھے اس سے ملنا تھا۔“

جمشید کی بڑی بہن نے اُداس لہجے میں کہا۔

”میرے بھائی جمشید کو فوت ہوئے تو ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔“

یہ کہہ کر وہ دروازہ بند کرنے لگی تو جمشید نے ہاتھ سے دروازے کو پکڑ لیا اور بولا۔

”آپا! میں ہی جمشید ہوں...... تمہارا بھائی...... کیا تم نے مجھے نہیں پہچانا۔“

یہ سن کر جمشید کی بہن گھبرا گئی...... اس نے اندر اپنے خاوند کو آواز دی۔

”ذرا باہر آنا...... کوئی پاگل آ گیا ہے۔“

جمشید کا اب وہاں رُکنا بے کار تھا۔

وہ تیزی سے پلٹ کر واپس چل دیا۔

وہ ایک کھیت میں سے گزر رہا تھا کہ اس کی بڑی بہن کا خاوند اس کے سامنے آ کر
غصے میں بولا۔

”کون ہو تم؟ میرے گھر کیا کرنے آئے تھے“

جب اس کے بہنوئی نے بھی جمشید کو نہ پہچانا تو جمشید سمجھ گیا کہ کھیل ختم ہو چکا
ہے...... اب کسی وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہی...... ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا اور
اپنی بہن کے خاوند سے بولا۔

”سائیں! میری خطا معاف کر دو...... میں عامل جمشید کی تلاش میں آیا تھا۔“

اس کے بہنوئی نے کہا۔

”مگر تم تو میری بیوی کو کہہ رہے تھے کہ تم خود جمشید ہو؟ کیا تم کوئی پاگل ہو؟
کہاں سے آئے ہو؟“

جمشید نے بڑے انکسار سے کہا۔

”سائیں! معاف کر دو، غلطی ہو گئی...... اب اس گاؤں میں کبھی نہیں آؤں گا۔“

اس کے بہنوئی نے جمشید کو برا بھلا کہتے ہوئے خبردار کیا کہ اگر وہ دوبارہ اس

گاؤں میں نظر آیا تو اس کی خیر نہیں ہو گی...... کھیل واقعی ختم ہو چکا تھا...... جمشید کو شدید اکیلے پن کا احساس ہوا...... اسے لگا کہ ساری دُنیا میں وہ تنہا رہ گیا ہے جس کو کوئی نہیں جانتا...... کوئی نہیں پہچانتا تھا...... جمشید گاؤں کے چھوٹے سے سٹیشن پر آکر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ یہ اس کے ساتھ کیا ہو گیا ہے اور آگے اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے...... اچانک عفریتی ڈائن کے الفاظ اس کے ذہن میں گونجنے لگے...... جب وہ مردوں کی زیرِ زمین ہولناک دُنیا کے آخری غار میں سے گزر رہا تھا اور عفریتی ڈائن نے اس پر آخری بار اپنا کالا منتر پڑھ کر پھونکا تھا اور کہا تھا۔

"میرا کالا منتر کالے آسیب کا روپ بدل کر تمہارا پیچھا کرے گا۔"

جمشید نے غور کیا تو اسے یقین ہو گیا کہ یہ عفریتی ڈائن کے کالے منتر کا ہی بداثر ہے جو کالا آسیب بن کر اس کے پیچھے لگ گیا ہے اور جس نے اس جاننے پہچاننے والوں کی آنکھوں کے آگے پردہ ڈال دیا ہے۔ بس پر انہیں جمشید کی اصلی شکل کی جگہ کسی دوسرے آدمی کی شکل نظر آنے لگی ہے۔

یہ بڑا اذیت ناک انتقام تھا جو عفریتی ڈائن نے جمشید سے لیا تھا، کیونکہ شاید وہ جان گئی تھی کہ جمشید کے پاس آرتی کا دیا ہوا کالا موتی موجود ہے جس کی موجودگی میں وہ جمشید کو ہلاک نہیں کر سکے گی، چنانچہ اس نے اپنا انتقام لینے کے لئے پہلا قدم یہ اٹھایا تھا کہ جمشید کو اپنوں میں اجنبی بنا دیا تھا اور ساری دُنیا میں اکیلا رہ گیا تھا...... خود اس کی بہن نے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا تھا...... اب جمشید کو آرتی کے کالے موتی کی حقیقی اہمیت کا احساس ہوا تھا...... یہ کالا موتی اس کی زندگی کے لئے بے حد ضروری ہو گیا تھا...... اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر موتی کو ٹٹول کر دیکھا اور اسے سنبھال کر اندر والی جیب میں ہی رہنے دیا...... وہ سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔

اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا...... اس کا گھربار، اس کا ماضی، اس کا کاروبار یہاں تک کہ اس کی بہن بھی اس سے چھین لی گئی تھی...... اس کے پاس تھوڑی بہت

رقم بھی تھی اور اس کے پاس ایک ایسا فن بھی تھا جس کی مدد سے وہ جہاں چاہے بیٹھ کر اپنی نئی زندگی شروع کر سکتا تھا، اب اسے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ اپنا جادُو ٹونے کا کام کس شہر میں جا کر شروع کر دے...... یہ ایسا کاروبار تھا وہ کسی بھی شہر، کسی بھی گاؤں میں جا کر شروع کر سکتا تھا...... کیونکہ ضعیف الاعتقاد اور سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے لوگ ہر جگہ موجود ہوتے ہیں، لیکن مردوں کی زیرِ زمین دُنیا میں گناہ گار رُوحوں کو اپنے برے اعمال اور گناہوں کی سزا بھگتتے دیکھ چکا تھا...... ان عبرت انگیز مناظر کو یاد کر کے جمشید کی رُوح کانپ گئی، اس نے اسی لمحے فیصلہ کر لیا کہ وہ صرف ایسے لوگوں کے لئے جادُو ٹونہ کرے گا جو ایسے بیمار ہوں کہ جنہیں ڈاکٹروں نے بھی جواب دے دیا ہو، جنہیں کسی اپنے گمشدہ عزیز یا بچے یا بہن بھائی کی تلاش ہو...... وہ جادُو ٹونے کے ذریعے کوئی ناجائز کام نہیں کرے گا۔

کافی سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ سب شہر اس کاروبار کے لئے ایک جیسے ہی ہیں...... پھر کیوں نہ وہ اس شہر یعنی لاہور میں ہی جا کر اپنا کاروبار شروع کرے...... اس شہر میں اس نے ایک عرصہ بسر کیا تھا اور لاہور سے اسے ایک لگاؤ بھی ہو گیا تھا...... اس کے علاوہ وہاں آرتی سے ملنے کا امکان بھی تھا، کیونکہ آتش پرستوں کا قدیم اور ویران قبرستان بھی اسی شہر کے نواح میں تھا جس کے نیچے مردوں کی دُنیا میں اس کی آرتی سے ملاقات ہوئی تھی...... اسے یقین تھا کہ اب صرف آرتی ہی اس پر سے عفریتی ڈائن کے کالے آسیب کا بداثر دُور کر سکتی ہے جس کے بعد اس کے جاننے والوں میں اس کی اصلی شناخت واپس آسکے گی اور وہ واپس اپنے نئے کالونی والے مکان میں جا کر اپنی پرانی گدی سنبھال سکتا تھا۔

وہ گاڑی میں سوار ہو کر لاہور آ گیا۔

ریلوے سٹیشن کے قریب اس نے ایک درمیانے سے ہوٹل میں ایک کمرہ لے لیا اور رات وہیں بسر کی...... دوسرے دن وہ آتش پرستوں کے اپنے منحرف قبیلے کے

قدیمی ویران قبرستان کے جنوب میں کچھ فاصلے پر ایک پرانی آبادی میں آ کر ایک پراپرٹی ڈیلر سے ملا اور اس کے ذریعے شہر کی اس پرانی آبادی کے آخری کنارے پر ایک مکان کرائے پر لے لیا اور اس سے اگلے روز اپنا تعویذ دھاگے کا کام شروع کر دیا...... دو چار دنوں کے بعد ہی ضعیف الاعتقاد لوگ اس کے پاس اپنی اپنی حاجتیں لے کر آنا شروع ہو گئے......اس نے اپنا نام بالکل نہ بدلا اور مکان کے باہر عامل جمشید کا ہی چھوٹا سا بورڈ لگا دیا......اس نے تمام حاجت مندوں کو صاف صاف بتا دیا کہ وہ حاجت مندوں کی صرف جائز حاجتوں کو پورا کرنے کے واسطے تعویذ دھاگے کرتا ہے اور اس کے ہاں جادُو ٹونہ نہیں کیا جاتا...... جمشید میں یہ ایک نئی تبدیلی آئی تھی کہ اس نے کالے جادُو اور اس کے ٹونے سے ہمیشہ کے لئے توبہ کر لی تھی۔

ہفتے کا دن قدیم زمانے کے آتش پرستوں کے ہاں مقدس دن سمجھا جاتا تھا...... خاص طور پر آتش پرستوں کے منحرف قبیلے میں جس سے جمشید کا تعلق تھا اور جس کے لوگ منحرف ہونے کے بعد اپنے مردوں کو گدھوں کے حوالے کرنے کی بجائے زمین میں دفن کر کے قبر کے اُوپر کھوپڑی کا نشان بنا دیتے تھے...... ہفتے کے دن کو بڑی اہمیت حاصل تھی...... ان لوگوں میں مشہور تھا کہ ہفتے کی رات کو مرنے والوں کی رُوحیں قبروں سے باہر آ کر اپنے زندہ عزیز و اقارب کا انتظار کرتی ہیں...... آتش پرستوں کے جس قبرستان کی قبر میں بیٹھ کر جمشید نے عفریتی ڈائن کو قابو کرنے کا چلہ ادھورا چھوڑ دیا تھا اس قبرستان میں جمشید کا کوئی رشتے دار یا بہن بھائی دفن نہیں تھا...... یہ قبریں سینکڑوں برس پرانی تھیں اور ان کی قبروں میں دفن ہونے والوں کے رشتے داروں میں سے کوئی زندہ نہیں تھا۔

لیکن جمشید ہر ہفتے کی رات کو چپکے سے ویران قبرستان میں چلا جاتا تھا...... وہ قبرستان میں داخل نہیں ہوتا تھا، بلکہ اس کی شکستہ چار دیواری کے باہر رہ کر قبرستان میں جھانک کر دیکھ لیا کرتا تھا کہ کہیں کسی جگہ آرتی تو موجود نہیں ہے......اگرچہ آرتی

نے اسے کہہ دیا تھا کہ جونہی اس کے جنم کا چکر پورا ہو گا وہ خود بخود انسانوں کی دُنیا میں آ کر اس سے مل لے گی...... لیکن جمشید پر کالے آسیب کے بد اثر سے اس کی شناخت جو ختم ہو چکی تھی اس سے جمشید پریشان تھا اور وہ آرتی کا شدت سے انتظار کر رہا تھا، اسے ڈر تھا کہ عفریتی ڈائن اس پر دوسرا حملہ بھی کرے گی اور کچھ پتہ نہیں کہ وہ اس بار اس کی ایک ٹانگ یا ایک بازو ہی غائب کر دے یا اسے اندھا کر دے...... عفریتی ڈائن اگر اسے کالے موتی کی وجہ سے ہلاک نہیں کر سکتی تھی تو اسے کسی شدید مصیبت میں ضرور مبتلا کر سکتی تھی۔

آتش پرست مردوں کی زیر زمین شیطانی دُنیا میں عفریتی ڈائن اپنے دُشمن جمشید کے فرار ہو جانے کی وجہ سے سخت پیچ و تاب کھا رہی تھی، مگر اس کا کوئی بس نہیں چلتا تھا...... جمشید اس کے ہاتھ سے نکل کر انسانوں کی دُنیا میں پہنچ چکا تھا اور عفریتی ڈائن کوشش کے باوجود اسے ہلاک کرنے میں ناکام رہی تھی، لیکن اسے ایک تسلی ضرور تھی کہ اس نے اپنے کالے منتر کے آسیب کو جمشید کے پیچھے لگا دیا ہے جو اسے قتل تو نہیں کر سکے گا، لیکن اسے چین سے نہیں بیٹھنے دے گا اور اس کو ایسے ایسے عذابوں میں مبتلا کرتا رہے گا کہ جمشید کی زندگی موت سے بدتر ہو جائے گی...... نسطور جادُوگر کی بدرُوح کو بھی مردوں کی شیطانی دُنیا سے جمشید کے فرار کا پتہ چل چکا تھا...... وہ بھی آتش انتقام میں جل رہا تھا مگر اس کی بھی کوئی پیش نہ جاتی تھی، کیونکہ عفریتی ڈائن کی طرح انسانوں کی دُنیا میں جا کر جمشید کو موت کے گھاٹ نہیں اتار سکتا تھا...... ان بھٹکاری ہوئی بدرُوحوں کا انسانوں کی دُنیا میں جانا منع تھا......انسانوں کی دُنیا میں داخل ہوتے ہی ان کا شعلہ بن کر بھسم ہو جانا یقینی تھا۔

نسطور جادُوگر کچھ سوچ کر عفریتی ڈائن کے غار میں آ گیا۔

اس نے عفریتی سے کہا۔

"عفریتی! دُشمن کا دُشمن دوست ہوتا ہے...... جمشید تمہارا بھی دُشمن ہے......

جمشید میرا بھی دُشمن ہے...... اس نے تمہارا ادھورا چلہ کاٹ کر تمہیں پھانسی پر چڑھایا
ہے اور میری آدھی کھوپڑی اُڑا کر مجھے جنم جنم کے لئے معذور کر دیا ہے...... میرے
وجود کو ادھورا کر دیا ہے...... مجھے میرا پورا وجود اب کسی جنم میں بھی نہیں مل سکے گا۔“

عفریتی ڈائن کی گردن میں ابھی تک پھانسی کا پھندا پڑا ہوا تھا اور اس کی گردن لمبی
ہو چکی تھی...... اس نے اپنی گردن کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”اس کے ادھورے چلے نے میری گردن میں جنم جنم کے لئے پھانسی کا پھندا
ڈال دیا ہے...... مجھے ہر روز پھانسی ملتی ہے اور میں پھانسی پانے کی اذیت سے گزرتی
ہوں۔“

نسطور جادُوگر بولا۔

”لیکن افسوس کہ ہمارا دُشمن ہماری پہنچ سے باہر ہو گیا ہے...... اب ہم اس کا کچھ
نہیں بگاڑ سکتے اور یہ سب کچھ آرتی کی وجہ سے ہوا ہے، مگر ہم آرتی کا بھی کچھ نہیں
بگاڑ سکتے۔“

عفریتی ڈائن بولی۔

”ہمارا دشمن عامل جمشید ہم سے بچ کر ضرور نکل گیا ہے، لیکن میں نے بھی اس
کے پیچھے کالے منتر کے آسیب کو چھوڑ دیا ہے جو اس کی زندگی عذاب بنا دے گا۔“

نسطور جادُوگر کہنے لگا۔

”لیکن تمہیں شاید معلوم نہیں کہ عامل جمشید نے ہماری شیطانی دُنیا کے جہنم میں
گناہ گار بدرُوحوں کو عذاب میں مبتلا دیکھ لیا ہے جس کا اس پر گہرا اثر ہوا ہے اور دُنیا میں
جا کر اس نے گناہوں سے توبہ کر لی ہے...... اب وہ کالے جادُو کا ٹونا نہیں کرتا، بلکہ
دُکھی لوگوں کے دُکھ درد دُور کرنے کے لئے تعویذ لکھ کر دیتا ہے۔“

عفریتی ڈائن نے غراتے ہوئے کہا۔

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔“

نسطور جادُوگر بولا۔

”عامل جمشید کے اندر نیکی کا جذبہ پیدا ہو چکا ہے اور تم جانتی ہو کہ نیکی کی طاقت کا
ہم مقابلہ نہیں کر سکتے...... جب کوئی انسان نیکی کے راستے پر چلنا شروع کر دیتا ہے تو
اس پر ہمارے کسی جادُو، کسی کالے منتر کا اثر نہیں ہوتا...... اس طرح تمہارے کالے
منتر کے آسیب کا بھی عامل جمشید پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔“

عفریتی ڈائن نے کہا۔

”تم بھول گئے ہو کہ انسان کو اس کے گناہوں کی سزا ضرور مل کر رہتی ہے......
عامل جمشید نے بڑے گناہ کئے ہوئے ہیں، اس کے کالے جادُو نے کئی بے گناہ لوگوں کو
موت کی نیند سلا دیا ہے...... اس کے جادُو ٹونے سے کئی ماؤں کے اکلوتے بیٹے پیدا
ہونے کے چند روز بعد مر گئے تھے، اس کو ان گھناؤنے جرم کی سزا مل کر رہے گی......
میرے کالے منتر کا آسیب عامل جمشید کو اس کے ان ہی گناہوں کی سزا دے گا، ابھی
اس کے اعمال کی کتاب کا صرف ایک ورق نیکی کے جذبے سے پاک صاف ہوا ہے، باقی
ساری کتاب گناہوں کی سیاہی میں لپٹی ہوئی ہے...... اس کو اپنے گناہوں کی سزا کے
عمل سے گزرنا ہی پڑے گا اور میرا کالا منتر سائے کی طرح اس کے پیچھے لگ کر اس کے
عذاب میں اضافہ کرتا رہے گا۔“

نسطور جادُوگر بولا۔

”عفریتی! تم نے ایسی بات کی ہے کہ اب میری تسلی ہو گئی ہے...... اب مجھے یقین
ہو گیا کہ ہمارا دشمن انسانوں کی دُنیا میں جا کر بھی ہمارے انتقام کی آگ کی زد میں ہو گا
اور اپنے دُشمن کو جلتا دیکھ کر ہماری کچھ نہ کچھ تسلی ہوتی رہے گی۔“

عفریتی ڈائن کہنے لگی۔

”میں اسے اس طرح بھی نہیں چھوڑوں گی...... میرے کالے منتر کا آسیب
اسے ورغلا کر کسی نہ کسی طرح تمہاری قبر کے پاس لانے کی کوشش کرتا رہے گا......

ایک بار عامل جمشید اگر تمہاری قبر کے پاس آگیا تو پھر اسے کھینچ کر مردوں کی دُنیا میں واپس لانا میرا کام ہوگا اور اب اگر وہ ایک بار ہمارے قبضے میں آگیا تو پھر آرتی تو کیا آرتی کی ماتا پچھو والی بھی، عامل جمشید کو ہمارے انتقام کی آگ سے نہیں بچا سکے گی۔"

نسطور جادُوگر بولا۔

"مگر آرتی کا کالا موتی ابھی تک عامل جمشید کے پاس موجود ہے اور اس کی موجودگی میں ہم اس کو ہلاک نہیں کر سکیں گے۔"

عفریتی ڈائن نے کہا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو...... یہ کام میرے کالے منتر کا آسیب کرے گا...... تمہاری قبر پر لانے سے پہلے وہ جمشید سے آرتی کا کالا موتی اپنے قبضے میں کر چکا ہوگا۔"

نسطور جادُوگر کہنے لگا۔

"اگر ایسا ہو جائے تو میں اپنے دُشمن کو اپنی قبر پر ہی ہلاک کر دوں گا۔"

عفریتی ڈائن نے مکروہ قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"بے فکر رہو...... میں اس سے پہلے ہی عامل جمشید کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر چکی ہوں گی۔"

نسطور جادُوگر بولا۔

"بس! اب میری تسلی ہو گئی ہے...... میں اپنی قبر میں جاتا ہوں اور اپنے دُشمن کا انتظار شروع کر دیتا ہوں۔"

عفریتی ڈائن نے کہا۔

"تمہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔"

اور نسطور جادُوگر غائب ہو گیا۔

اس کے جانے کے بعد عفریتی ڈائن نے اپنی مٹھی زور سے بند کی اور سامنے غار کی دیوار کی طرف دیکھ کر چیخ مار کر ایک منتر پڑھا اور پھر مٹھی کھول دی...... اس کی مٹھی

میں راکھ تھی...... اس نے دوسری چیخ کے ساتھ راکھ دیوار کی طرف اُچھال دی اور گرج کر کہا۔

"میرے کالے منتر کے آسیب! میرے سامنے آ۔"

دیوار پر بجلی کی چمک سی پڑی اور پھر اس میں سے ایک سایہ نکل کر عفریتی کے سامنے آگیا...... عفریتی ڈائن نے حکم دینے کے لہجے میں کہا۔

"میرے دُشمن عامل جمشید کے پیچھے لگے رہنا اور اسے کسی نہ کسی بھیانک اذیت میں مبتلا کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دینا اور یاد رکھنا، اس کے پاس آرتی کا کالا موتی ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے...... تمہیں وہ موتی بھی اپنے قبضے میں کرنا ہے اور پھر اسے نسطور کی قبر کے پاس قبرستان میں ورغلا کر لانا ہے۔"

آسیب کے سائے نے اپنا سر جھکا دیا...... زبان سے کچھ نہ کہا۔



کالے منتر کے آسیبی سائے کا جسم انسان کی طرح کا تھا۔
اس کا ایک سر تھا...... دو بازو تھے...... دو ٹانگیں تھیں مگر وہ سایہ تھا...... کالا سیاہ سایہ...... عفریتی ڈائن نے آسیبی سائے سے مخاطب ہو کر کہا۔

"جاؤ اور میرے دُشمن کے ساتھ سایہ بن کر لگے رہو...... جب موقع ملے اس کو اپنے عذاب کا نشانہ بناتے رہو۔"

آسیبی سائے نے دوبارہ سر جھکا دیا اور غائب ہو گیا...... عفریتی ڈائن بھی اپنی ماتحت ڈائنوں سے صلاح مشورے کرنے وہاں سے غائب ہو گئی۔

عامل جمشید آتش پرستوں کے قبرستان کے قریب کی پرانی آبادی والے اپنے مکان کی بیٹھک میں بیٹھ کر تعویذ دھاگے کا کام کرتا تھا...... اس نے کوئی نوکر یا نوکرانی نہیں رکھی تھی۔ وہ خود ہی بازار سے سبزی وغیرہ لا کر تھوڑا بہت پکا لیتا تھا...... اپنے پرانے مکان والے محلے میں وہ کبھی نہیں جاتا تھا...... وہاں جانے کا اب کوئی فائدہ نہیں تھا، کیونکہ وہاں اسے کوئی نہیں پہچانتا تھا...... اس کی زندگی کے شب و روز بالکل بدل گئے تھے...... وہ خود بدل چکا تھا...... اس نے جس طرح گناہ گار رُوحوں کو عذاب میں گرفتار اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اس نے اس کی زندگی میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیا تھا...... اس کے آتش پرست مذہب کی تعلیمات نے اسے اعمال کی جزا اور سزا

کے بارے میں اتنا کچھ نہیں بتایا تھا جتنا کچھ اس نے زیرِ زمین دُنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا...... اپنے آتش پرست مذہب کی تعلیمات پر بھی اس کا اعتقاد متزلزل ہو گیا تھا۔

اس نے دُنیا میں نیکی اور بھلائی کا راستہ اختیار کر لیا تھا...... اس کے باوجود جو گھناؤنے گناہ وہ کر چکا تھا وہ اس کا تعاقب ضرور کر رہے تھے اور کسی کسی وقت اس کا ضمیر اسے کچوکے لگاتا تھا...... عامل جمشید اچھی طرح سے جان گیا تھا کہ انسان کو اس کے گناہوں کی سزا ضرور مل کر رہتی ہے اور وہ اپنے گناہوں کی سزا کا تصور کر کے کانپ کانپ جایا کرتا تھا...... ایک دن شام کے وقت وہ اپنی بیٹھک میں بیٹھا تھا کہ ایک آدمی آیا، کہنے لگا۔

"میں نے آپ کی بہت تعریف سنی ہے...... اس لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔"

جمشید نے کہا۔

"آپ کیا چاہتے ہیں۔"

اس آدمی نے کہا۔

"میرا بھائی مر چکا ہے، اس کی کروڑوں کی جائیداد ہے...... اس کا ایک ہی بیٹا ہے...... اگر وہ مر جائے تو بھائی کی ساری جائیداد مجھے مل جائے گی۔"

جمشید نے کہا۔

"تو پھر میں کیا کروں؟"

وہ آدمی بولا۔

"آپ کالے جادُو کے عامل ہیں...... میرے بھائی کے بیٹے پر کالے جادُو کا کوئی ایسا عمل کریں جس سے وہ مر جائے، میں آپ کو منہ مانگی رقم دوں گا۔"

اس آدمی نے اپنا بیگ کھول کر جمشید کے سامنے رکھ دیا...... بیگ نوٹوں سے بھرا ہوا تھا...... وہ آدمی بولا۔

"اس بیگ میں دس لاکھ روپے ہیں...... یہ پہلی قسط ہے...... اسے اپنے پاس رکھ
لیں...... کام ہو جانے کے بعد میں اس سے دُگنی رقم آپ کو ادا کروں گا۔"
جمشید نے کہا۔
"آپ غلط جگہ پر آگئے ہیں...... میں یہ کام نہیں کرتا...... مہربانی فرما کر یہ بیگ
لے کر یہاں سے تشریف لے جائیں۔"
وہ آدمی بولا۔
"ایک بار پھر سوچ لیجئے...... یہ دولت آپ کی زندگی بدل کر رکھ دے گی۔"
جمشید نے بیگ میں بھرے ہوئے نوٹوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"اس بیگ میں جہنم کی آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور میں ان شعلوں میں
تمہیں جلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں...... جاؤ جا کر توبہ کرو اور اپنے بھائی کے بیٹے کو قتل
کروانے کا خیال دل سے نکال دو۔"

جمشید تو واقعی نوٹوں سے بھرے ہوئے بیگ میں جہنم کے شعلے دیکھ رہا تھا مگر یہ
شعلے اس بدنصیب انسان کو نظر نہیں آرہے تھے جو دولت کی خاطر اپنے بھائی کے بے
گناہ بیٹے کو ہلاک کرنا چاہتا تھا...... اس آدمی نے بیگ بند کرتے ہوئے کہا۔
"ٹھیک ہے...... اگر آپ میرا کام نہیں کرتے تو شہر میں اور بہت عامل ہیں......
میں ان کے پاس چلا جاتا ہوں، مگر مجھے یہ سوچ کر افسوس ضرور ہوگا کہ آپ مفت میں
آنے والی تیس لاکھ روپے کی رقم سے محروم ہو گئے ہیں۔"
جمشید نے اس کے جواب میں کہا۔
"اور مجھے اس بات کا افسوس رہے گا کہ میں آپ کو جہنم کی آگ سے نہیں بچا سکا۔"
وہ آدمی چلا گیا تو جمشید نے آنکھیں بند کر لیں اور اس کی آنکھوں میں جہنم کے بڑے
عبرت ناک مناظر گھومنے لگے جن میں گناہ گار انسانوں کی رُوحیں اپنے برے اعمال کی
دردناک سزا بھگت رہی تھیں...... اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں...... عین اس

وقت اسے ایک انسانی سایہ نظر آیا جو دالان میں ایک طرف سے نمودار ہو کر تیزی سے
دوسری طرف نکل گیا تھا۔
جمشید جلدی سے اُٹھ کر دالان میں آگیا...... یہ اک منزلہ چھوٹا سا مکان تھا......
ایک بیٹھک تھی...... آگے چھوٹا سا دالان تھا...... دالان کی دوسری طرف دو چھوٹے
چھوٹے کمرے تھے...... دالان میں شام کے دُھندلے سائے سے اترنے لگے تھے......
جمشید نے دالان میں چاروں طرف دیکھا، مگر وہاں اسے کوئی انسان یا کوئی سایہ دکھائی نہ
دیا...... اس نے اسے اپنا وہم سمجھا اور واپس بیٹھک میں آکر بیٹھ گیا، لیکن یہ اس کا وہم
نہیں تھا...... یہ عفریتی ڈائن کے کالے منتر کا آسیبی سایہ تھا جو جمشید کے پیچھے لگا ہوا
تھا...... جمشید نے آرتی کے دیئے ہوئے کالے موتی کو چمڑے کے غلاف میں منڈھا کر
اس کا چھوٹا سا تعویذ بنا کر اپنے گلے میں ڈال رکھا تھا...... آرتی نے زیر زمین مردوں کی
دنیا سے نکلتے وقت جمشید کو یہ موتی دیا تھا اور کہا تھا کہ اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھنا، یہ
تمہیں دُنیا اور زیر زمین دُنیا کی بدرُوحوں سے محفوظ رکھے گا، چنانچہ اس نے کالے موتی
کا تعویذ بنا کر اپنے گلے میں ڈال لیا تھا...... پراسرار سائے کی موجودگی کا احساس ہونے
کے بعد جمشید کا ہاتھ خود بخود اپنی گردن کی طرف چلا گیا...... کالے موتی کا تعویذ اس
کے گلے میں ہی تھا...... بس یونہی وہ اپنی تسلی کرنا چاہتا تھا، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ
اگرچہ نسطور جادوگر اور عفریتی ڈائن انسانوں کی دُنیا میں داخل نہیں ہو سکتے، لیکن وہ کسی
نہ کسی بدرُوح کے ذریعے اسے اپنے انتقام کا نشانہ بنا سکتے ہیں۔
اس نے اپنی کتابیں سمیٹ کر الماری میں رکھ دیں اور چھوٹے سے باورچی خانے
میں آکر کھانا وغیرہ پکانے لگا...... سردی بہت زیادہ پڑ رہی تھی...... جمشید نے بند گلے کا
سویٹر پہن رکھا تھا...... پھر ایسا ہوا کہ شہر کے آسمان پر اچانک بادل جمع ہونا شروع ہو گئے
اور سرد ہوا چلنے لگی...... جمشید نے باورچی خانے کا دروازہ بند کر لیا اور کھڑکی کھول
دی...... یہ کھڑکی دالان کی طرف کھلتی تھی...... تھوڑی دیر بعد بجلی چمکی اور بادلوں کی

گرج سنائی دی......اس کے بعد بارش شروع ہوگئی...... جمشید نے کھڑکی کے باہر ہا
پھیلا کر دیکھا......بارش بونداباندی کی شکل میں ہو رہی تھی۔

جمشید خاموشی سے کھانا پکاتا رہا...... جب کھانا تیار ہو گیا تو وہیں کچن میں بیٹھ
اس نے تھوڑا بہت کھانا کھایا اور کچن سے نکل کر بونداباندی میں دالان سے گزر
کے بعد اپنی بیٹھک میں آ گیا...... اس نے بیٹھک میں ایک چارپائی پر اپنا بستر لگا رکھا
اور رات کو وہیں سوتا تھا...... سردی خوب پڑ رہی تھی...... جمشید بستر میں گھس گیا
لحاف گھٹنوں کے اُوپر کر کے ٹیبل لیمپ جلا کر ایک کتاب کا مطالعہ کرنے لگا......ا
کے مکان کے اِردگرد کوئی دوسرا مکان نہیں تھا...... یہ پرانی آبادی کے کونے کا آخر
مکان تھا اور آبادی سے تھوڑی دُور واقع تھا...... جمشید کو باہر سے بارش کی ہلکی ہلکی آ
آ رہی تھی...... بیٹھک کے دروازے کو بند کر کے اس نے اندر سے کنڈی لگا دی ہو
تھی...... اس کے پاؤں کی جانب ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی جو باہر کچھ فاصلے پر وا
آتش پرستوں کے ویران قبرستان کی طرف کھلتی تھی، مگر اس وقت کھڑکی ب
تھی...... جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ جمشید نے آتش پرستوں کے قبرستان ک
قریب مکان اس لئے لیا تھا کہ شاید وہاں آرتی سے اس کی ملاقات ہو جائے، کیونکہ
آرتی نے وعدہ کیا تھا کہ جب اس کے جنم کا چکر پورا ہو گیا تو وہ اس سے ایک بار
انسانوں کی دُنیا میں ضرور آئے گی۔

جمشید نے سرہانے کے نیچے سے گھڑی نکال کر وقت دیکھا...... اس وقت را
کے آٹھ بجنے والے تھے...... جمشید کافی دیر تک پڑھتا رہا...... پھر اس پر غنودگی طار
ہونے لگی...... اس نے گھڑی دیکھی...... رات گیارہ بجنے والے تھے...... اس نے ٹیبل
لیمپ بجھایا اور لحاف اُوپر کر کے آنکھیں بند کر لیں...... بند کھڑکی میں سے ہلکی ہل
بارش کی آواز برابر آ رہی تھی...... کسی وقت بادلوں کی دھیمی سی گرج بھی سنائی د
جاتی تھی...... کچھ ہی دیر بعد جمشید سو گیا...... اس وقت بند کھڑکی کے باہر ایک سا

قبرستان کی طرف سے آ کر کھڑکی کے ساتھ لگ گیا...... کچھ دیر وہاں رُکنے کے بعد
غائب ہو گیا...... یہ وہی پُراسرار سایہ تھا جسے جمشید نے شام کے وقت دالان میں
گزرتے دیکھا تھا، مگر جمشید گہری نیند سو رہا تھا...... وہ سائے کو نہیں دیکھ سکا تھا، مگر
سائے نے جمشید کو دیکھ لیا تھا اور اس کو بند کھڑکی کی درز میں سے دیکھنے کے بعد غائب
ہو گیا تھا۔

یہ عفریتی کے کالے آسیب کا سایہ ہی تھا۔

آدھی رات کے بعد ایک دم بارش تیز ہو گئی...... بجلی بھی چمکنے لگی...... بادل بھی
گرجنے لگے...... آہستہ آہستہ بادلوں کی گرج مدھم پڑ گئی، مگر بجلی رہ رہ کر چمکتی رہی اور
بارش بھی ہوتی رہی...... اچانک بند کھڑکی پر کسی نے زور سے دستک دی...... تیسری
چوتھی بار دستک کی آواز پر جمشید کی آنکھ کھل گئی...... اس نے لحاف کے اندر ہی کان
لگا کر سنا...... کھڑکی پر کوئی زور زور سے جیسے ہاتھ مار رہا تھا...... اس نے لحاف ہٹا کر ٹیبل
لیمپ روشن کر دیا اور نیند بھری آنکھوں سے کھڑکی کی طرف دیکھا...... باہر سے کوئی بار
بار دستک دے رہا تھا...... جمشید سوچ ہی رہا تھا کہ اتنی رات گئے بارش کے طوفان میں یہ
کون ہو سکتا ہے کہ اسے ایک عورت کی آواز سنائی دی۔

"کھڑکی کھولیں...... کھڑکی کھولیں...... مجھے اندر آنے دیں۔"

جمشید نے عورت کی آواز سنی تو جلدی سے بستر سے نکلا اور کھڑکی کے پاس جا کر
کھڑکی کھول دی...... باہر بجلی چمکی تو اس نے ایک نوجوان عورت کو دیکھا جو بارش میں
بھیگ رہی تھی اور سردی سے ٹھٹھر رہی تھی اور سخت گھبرائی ہوئی لگتی تھی۔

"مجھے اندر آنے دیں، میں مجبور بے سہارا عورت ہوں۔"

جمشید عورت کو سہارا دے کر اندر لے آیا اور جلدی سے کھڑکی بند کر دی، کیونکہ
کھڑکی میں سے سرد ہوا کے ساتھ بارش کی بوچھاڑیں بھی اندر آ رہی تھیں...... اس
نے عورت پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالی اور الماری میں سے ایک چادر نکال کر عورت کو

دی اور کہا۔

"تم بہت بھیگ گئی ہو...... کپڑے اتار کر یہ چادر لپیٹ لو۔"

اجنبی عورت نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"آپ عامل جمشید جی ہیں ناں؟"

جمشید بولا۔

"ہاں یہ میرا ہی نام ہے۔"

اجنبی عورت بولی۔

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے...... خدا کے لئے میری مدد کیجئے۔"

جمشید نے کہا۔

"بی بی! اگر میں تمہاری کوئی مدد کر سکا تو ضرور کروں گا، لیکن پہلے یہ گیلے کپڑے بدل لو...... نہیں تو سردی کی وجہ سے تمہیں نمونیہ ہونے کا ڈر ہے۔"

عورت نے ہاتھ باندھ لئے اور پریشان لہجے میں بولی۔

"میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں...... میرے خاوند کو بچالیں...... اسے موت کے منہ میں جانے سے بچالیں۔"

نوجوان عورت نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپالیا اور سسکیاں بھر کر رونے لگی۔

جمشید خاموشی سے اسے دیکھتا رہا...... پھر اسے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

"بی بی! مجھے بتاؤ تم کون ہو...... کہاں سے آئی ہو اور آخر تمہاری مصیبت کیا ہے؟"

نوجوان عورت نے چہرہ اُوپر کر کے چادر سے آنسو پونچھے اور بولی۔

"بھائی جان! میں ایک ایسی مصیبت میں پھنس چکی ہوں جس میں سے صرف آپ ہی مجھے نکال سکتے ہیں...... اگر آپ نے میری مدد نہ کی تو میرا خاوند زندہ نہیں بچے گا اور پھر میں بھی مر جاؤں گی...... ہماری شادی کو ابھی ایک ہی مہینہ ہوا ہے۔"

جمشید نے کہا۔

"تمہارا خاوند کیوں مر رہا ہے بی بی؟ اور میں کیسے تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔"

نوجوان عورت سسکی بھر کر بولی۔

"میرے خاوند پر ہمارے دُشمنوں نے جادُو کر دیا ہے...... وہ گم سم گھر میں بیٹھا رہتا تھا، نہ کسی سے بات کرتا تھا، نہ کسی کو پہچانتا تھا...... میں نے ایک عامل کو دکھایا...... اس نے کہا شہر کے کسی قبرستان میں آدھی رات کے وقت اپنے خاوند کو لے جا کر کسی پرانی قبر کے پاس بٹھادو اور ایک منتر پڑھتے ہوئے اس کے گرد سات چکر لگاؤ...... وہ ٹھیک ہو جائے گا...... میں خاوند کی محبت میں دیوانی ہو رہی تھی...... آج رات اسے قبرستان میں لے آئی...... اسے ایک پرانی قبر کے پاس بٹھا کر عامل کا بتایا ہوا منتر پڑھتے ہوئے اس کے گرد سات چکر لگائے تو میرا خاوند ایک چیخ مار کر زمین سے دس گز اُوپر کو اُچھلا اور قبر کے اُوپر گر کر اس کے اندر دھنس گیا...... میں روتی پیٹتی اس کی مدد کے لئے لپکی تو دیکھا کہ قبر کے اندر میرے خاوند کے سارے جسم سے سانپ لپٹے ہوئے تھے اور وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا...... جمیلہ! مجھے یہاں سے نکالو...... میں مر جاؤں گا...... میں اس کو نکالنے کے لئے بڑھی تو چھ سات سانپ پھنکارتے ہوئے مجھ پر حملہ کرنے کے لئے لپکے...... میں ڈر کر پیچھے ہٹ گئی...... میں نے تین چار مرتبہ اپنے خاوند کو نکالنے کی کوشش کی لیکن ہر بار سانپ قبر سے اُچھل اُچھل کر مجھے ڈسنے کے لئے لپکتے رہے...... میرے خاوند نے چیخ کر کہا...... جمیلہ! جلدی سے کسی عامل کو بلا کر لاؤ...... یہ کالے جادُو کے سانپ ہیں...... یہ تجھے بھی مار ڈالیں گے...... اور میں اپنے خاوند کو اسی حالت میں چھوڑ کر بارش کے طوفان میں آپ کے مکان کی طرف دوڑ پڑی، کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ آپ ایک نیک دل عامل ہیں اور اس مکان میں رہتے ہیں اور دُکھی لوگوں کے کام آتے ہیں۔"

یہ کہہ کر عورت نے جمشید کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے اور بولی۔

"خدا کے واسطے میری مدد کریں اور میرے ساتھ چل کر میرے خاوند کو اس

مصیبت سے نجات دلائیں...... میں ساری زندگی آپ کا احسان نہ بھلا سکوں گی۔"

جمشید کے دل پر اس مصیبت زدہ عورت کی آہ وزاری کا بڑا اثر ہوا، اس نے کہا۔

"بی بی! گھبراؤ نہیں...... میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"

جمشید نے کھڑکی میں سے سر باہر نکال کر دیکھا...... بارش رُک چکی تھی...... اس نے اسی وقت عورت کو ساتھ لیا اور مکان کو تالا لگا کر اس کے ساتھ سرد رات کی تاریکی میں چل پڑا...... کافی آگے جا کر اس نے عورت سے پوچھا۔

"بی بی! تمہارا خاوند کس قبرستان میں پڑا ہے؟"

عورت نے بائیں جانب اشارہ کیا اور بولی۔

"وہ سامنے درختوں کے پاس جو قبرستان ہے وہاں ایک قبر کے گڑھے میں گرا تھا۔"

جمشید ایک لمحے کے لئے سوچ میں پڑ گیا...... عورت نے آتش پرستوں کے قبرستان کی طرف اشارہ کیا تھا...... اس نے عورت سے پوچھا۔

"بی بی! یہ تو آتش پرستوں کا قبرستان ہے اور ایک عرصے سے ویران پڑا ہے...... تم اپنے خاوند کو لے کر مسلمانوں کے قبرستان میں کیوں نہیں گئیں؟"

نوجوان عورت نے جواب دیا۔

"جس عامل نے مجھے کالے جادو کے اتار کا چلہ بتایا تھا اس نے خاص طور پر اسی قبرستان میں جانے کے لئے کہا تھا۔"

اس کے بعد اس نے رونا شروع کر دیا...... روتے روتے بولی۔

"مجھے کیا خبر تھی کہ اس قبرستان میں موت میرے خاوند کا انتظار کر رہی ہے۔"

جمشید کے دل میں اس وقت اس مصیبت زدہ عورت کی مدد کرنے کے جذبے کے سوا دوسرا کوئی خیال نہیں تھا، لیکن جب وہ اجنبی عورت کے ساتھ رات کے تاریک سناٹے میں آتش پرستوں کے ویران قبرستان کی چار دیواری میں داخل ہوا تو اسے اچانک آرتی کے الفاظ یاد آ گئے۔

آرتی نے اسے جاتے وقت کہا تھا۔

"اپنے آباؤاجداد کے قبرستان کی چار دیواری میں داخل ہونے کی غلطی نہ کرنا۔"

جمشید ان الفاظ کو یاد کر کے وہیں رُک گیا اور عورت سے کہنے لگا۔

"بی بی! میں تمہیں کالے جادو کا ایک منتر بتاتا ہوں...... تمہارا خاوند جس قبر میں گرا ہوا ہے اس قبر پر جا کر یہ منتر پڑھ کر پھونک دینا...... تمہارا خاوند زندہ سلامت باہر آجائے گا۔"

عورت ہاتھ جوڑ کر زار و قطار رونے اور جمشید کی منتیں کرنے لگی۔

"خدا کے لئے آپ منتر پڑھ کر پھونکیں...... میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں۔"

اور عورت جمشید کے پاؤں پر گر پڑی...... جمشید جلدی سے پیچھے ہٹ گیا اور بولا۔

"یہ کیا کرتی ہو بی بی! مجھے گناہ گار نہ کرو...... جیسا میں نے کہا ہے ویسے کرو...... میں تمہیں منتر بتائے دیتا ہوں، تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔"

مگر عورت تو جمشید کے پاؤں میں لوٹنے لگی اور پھر لوٹتے لوٹتے کھڑی ہو گئی اور اس کا قد ایک دم دس پندرہ گز لمبا ہو گیا اور اس کا چہرہ بھیانک ہو گیا...... اس نے ایک خوفناک چیخ مار کر جمشید کو ایک قبر کی طرف دھکا دیا جو وہاں سے بمشکل دس فٹ کے فاصلے پر تھی...... جمشید قبر کے اُوپر گرنے ہی والا تھا کہ کسی غیبی طاقت نے اسے نیچے سے سہارا دے کر اُوپر اُٹھا لیا...... پھر اتنی زور سے اُوپر کو اُچھالا کہ جمشید قبرستان کی دیوار کے پاس آ کر گرا...... اس نے جلدی سے اُٹھ کر بھیانک شکل والی عورت کی طرف دیکھا...... وہ عورت قبر کے پاس کھڑی دونوں بازو پھیلائے حلق سے دہشت ناک آوازیں نکال رہی تھی جیسے کسی شدید اذیت میں مبتلا ہو...... پھر اچانک ایک سیاہ سایہ اس کے جسم سے نکل کر قبرستان کی طرف بڑھا اور قبروں کے اُوپر پھیلی ہوئی تاریکی میں غائب ہو گیا...... سائے کے جدا ہوتے ہی عورت بھی غائب ہو گئی۔

جمشید قبرستان کی اندھیری سرد رات میں شکستہ دیوار کے پاس کھڑا سہمی ہوئی

نگاہوں سے اس قبر کو دیکھ رہا تھا جس کے اُوپر دس پندرہ گز لمبی چڑیل ایسے چہرے والی
عورت تھوڑی دیر پہلے کھڑی اس کی طرف قہر بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے حلق
سے ڈراؤنی آوازیں نکال رہی تھی اور جس کے جسم سے ایک سایہ نکل کر قبرستان کے
اندھیروں میں گم ہو گیا تھا...... تب سب کچھ جمشید کی سمجھ میں آ گیا...... یہ سایہ وہی تھا
جس کو اس نے شام کے وقت اپنے مکان کے دالان میں ایک طرف سے دوسری
طرف جاتے دیکھا تھا...... وہ سمجھ گیا کہ یہ عفریتی ڈائن کی بھیجی ہوئی کسی بدرُوح کا سایہ
ہے جو مصیبت زدہ عورت کے رُوپ میں اس کے پاس آیا تھا اور انتہائی مکاری کے
ساتھ اسے بہلا پھسلا کر قبرستان نسطور جادُوگر کی قبر کے پاس لے آیا تھا...... جمشید نے
اس قبر کو بھی اب پہچان لیا تھا...... یہ وہی نسطور جادُوگر کی قبر تھی جس میں بیٹھ کر اس
نے عفریتی ڈائن کو قابو کرنے کا ادھورا چلہ کیا تھا۔

جمشید فوراً قبرستان کی چار دیواری سے باہر نکل آیا۔

اب وہ بے حد محتاط ہو گیا تھا...... اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ ایک
بدرُوح کا سایہ اس کا پیچھا ہی نہیں کر رہا بلکہ اسے ہلاک کرنے کی کوشش کر رہا ہے......
یہ منحوس سایہ عفریتی ڈائن ہی اس کے پیچھے لگا سکتی تھی...... وہ گھر جا کر کافی دیر غور
کرتا رہا...... آخر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے گھر سے بہت کم باہر نکلے گا اور جو حاجت
منداس کے پاس تعویذ وغیرہ کروانے آتے ہیں ان سے ہوشیار رہے گا اور کسی کے
ساتھ کہیں نہیں جائے گا...... آرتی کا دیا ہوا کالا موتی اس کے گلے میں تعویذ کی شکل
میں موجود تھا مگر اب اسے اس پر بھی زیادہ بھروسہ نہیں رہا تھا...... اسے جو کچھ کرنا تھا
اب خود ہی کرنا تھا اور وہ سوائے احتیاط برتنے کے اور کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا...... وہ دن
میں صرف ایک ڈیڑھ گھنٹہ حاجت مندوں کو جائز تعویذ وغیرہ لکھ کر دیتا اور اس کے
بعد سودا سلف خریدنے بھی بازار نہ جاتا...... اس نے ایک عبدل نام کا لڑکا نوکر رکھ لیا تھا
جو اس کے گھر کے سارے کام کر دیتا تھا...... اُدھر عفریتی ڈائن بھی غافل نہیں تھی۔

اس کا آسیبی سایہ جب جمشید کو قبر کے پاس لانے میں ناکام ہو گیا تو اس نے اسے
واپس اپنے غار میں بلایا اور غضبناک آواز میں کہا۔

"تم نے میرا حکم پورا نہیں کیا...... اگر آئندہ تم اسی طرح ناکام ہو گئے تو میں
تمہیں موت کی وادی کے اندھیروں میں تحلیل کر دوں گی۔"

سایہ خاموش تھا، مگر اس نے سر جھکا دیا...... جیسے کہہ رہا ہو۔

"آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔"

عفریتی ڈائن بولی۔

"جاؤ اور جب تک میں خود انسانوں کی دُنیا میں جا کر اپنے دشمن کا خون نہیں کرتی،
تم اسے بار بار کرب ناک موت کی اذیت میں مبتلا کر دو۔"

سائے نے سر جھکایا اور غائب ہو گیا۔

جمشید اب گھر سے بہت کم باہر نکلتا تھا...... انتہائی ضرورت کے وقت وہ بازار جاتا
اور پھر واپس آ جاتا...... عفریتی ڈائن کا آسیبی سایہ برابر اس کی نگرانی کر رہا تھا اور ایک
خاص وقت کے انتظار میں تھا...... آسیبی سائے کو معلوم تھا کہ دو روز بعد شام کے وقت
ایک آدمی خودکشی کرنے کے لئے شہر کی سب سے اُونچی عمارت پر سے چھلانگ لگانے
والا ہے...... گناہ گار بدرُوحوں کو انسانوں کے گناہ گار خیالات کا پتہ چل جاتا ہے اور
خودکشی کرنا حرام ہے اور سب سے بڑا گناہ ہے۔

آخر دو دن گزر گئے...... شام کے وقت جمشید اپنی بیٹھک میں کتاب پڑھ رہا تھا کہ
آسیبی سایہ اس کے پیچھے دیوار میں سے نکلا اور جمشید کے جسم کو چھو کر غائب ہو گیا......
اس نے جمشید کے دماغ میں شہر کی سب سے اُونچی عمارت کی طرف جانے کا خیال پیدا
کر دیا تھا...... دوسرے ہی لمحے جمشید کے دل میں سیر کرنے کی خواہش پیدا ہوئی...... وہ
بھول گیا کہ اسے احتیاط سے کام لینا ہے اور اس کا دُشمن اس کو تباہ کرنے کے لئے اس
کے پیچھے لگا ہوا ہے...... اس لمحے جمشید کے دل میں گھر سے باہر نکل کر شہر کی سب سے

بلند عمارت کے سبز سبز پلاٹ میں سیر کرنے کے علاوہ اور کوئی خیال نہیں تھا، چنانچہ اس نے کتاب بند کی اور نوکر عبدل سے کہا۔

"میں ذرا سیر کرنے جا رہا ہوں...... ایک گھنٹے تک واپس آ جاؤں گا۔"

مکان سے نکل کر وہ بس سٹاپ پر آیا...... بس پکڑی اور اس شاہراہ پر اُتر گیا جہاں شہر کی سب سے اُونچی عمارت واقع تھی...... عمارت کے اِرد گرد ایک بڑا خوبصورت باغیچہ تھا، کچھ بچے وہاں کھیل رہے تھے...... جمشید ایک خالی بنچ پر بیٹھ کر کھیلتے ہوئے بچوں کو دیکھنے لگا...... کھلی تازہ ہوا نے اس کے ذہن کو تروتازہ کر دیا تھا...... اتنے میں ایک آدمی پر اس کی نظر پڑی...... یہ آدمی پریشان لگ رہا تھا...... وہ اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا...... جمشید اسے خاموشی سے دیکھتا رہا...... پھر وہ آدمی اس بنچ کی طرف آیا جس پر جمشید بیٹھا ہوا تھا...... یہ آدمی اپنے گھریلو حالات کی وجہ سے پریشان تھا اور بلند عمارت سے کود کر خودکشی کرنے کی نیت سے آیا تھا...... وہ جمشید کے قریب ہی بنچ پر بیٹھ گیا اور بلند و بالا عمارت کی اُوپر والی منزل کو سر اُٹھا کر دیکھنے لگا۔

جمشید کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ یہ آدمی تھوڑی دیر بعد بلند عمارت سے کود کر مر جائے گا...... وہ معصوم بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھ رہا تھا کہ اچانک اسے محسوس ہوا کہ وہ دُھند کی ایک لہر بنکر بنچ پر بیٹھے ہوئے آدمی کے جسم میں داخل ہو گیا ہے...... اس آدمی کے جسم میں داخل ہوتے ہی جمشید اپنا آپ بھول گیا...... وہ اس خودکشی کرنے والے آدمی کا جسم بن گیا، اس کا دماغ بن گیا، وہ اسی طرح سوچنے اور محسوس کرنے لگا جس طرح وہ آدمی سوچ رہا تھا...... اس کے محسوسات اور احساسات خودکشی کرنے والے آدمی کے احساسات بن گئے...... اب وہ عامل جمشید نہیں تھا بلکہ ایک ایسا گناہ گار انسان بن گیا تھا جو زندگی سے منہ موڑ کر خودکشی کرنے جا رہا تھا۔

وہ آدمی اُٹھ کر اُونچی عمارت کی طرف بڑھا...... جمشید کو محسوس ہوا کہ وہ خود اُونچی عمارت کی طرف جا رہا ہے...... وہ آدمی لفٹ میں سوار ہو کر عمارت کی سب سے

آخری منزل پر آ گیا اور سیڑھیاں چڑھ کر عمارت کی چھت پر آ گیا...... پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا چھت کے کنارے پر آ کر کھڑا ہو گیا...... اس نے نیچے نگاہ ڈالی...... دُور نیچے بڑی سڑک پر کاریں آ جا رہی تھیں جو چھوٹی چھوٹی لگ رہی تھیں...... اس آدمی نے آسمان کی طرف ایک نگاہ ڈالی اور نیچے چھلانگ لگا دی...... گیارہویں منزل سے گرا ہوا آدمی کیسے زندہ بچ سکتا ہے...... وہ آدھی سڑک کی سنگین فٹ پاتھ پر گرا اور گرتے ہی اس کی ہڈیاں چور چور ہو گئیں، لیکن وہ ابھی سانس لے رہا تھا۔

جمشید کو محسوس ہو رہا تھا کہ خود اس نے عمارت کی چھت سے چھلانگ لگائی ہے...... اس پر جان کنی کی حالت طاری تھی...... اس کا سارا جسم درد و کرب کی ایک ناقابل برداشت ٹیس بن گیا تھا...... خودکشی کرنے والے کی ساری اذیت سارا درد ساری تکلیف جمشید بھی محسوس کر رہا تھا...... لوگ اس کے اِرد گرد جمع ہو گئے تھے...... پھر اسے محسوس ہوا کہ اسے اُٹھا کر کسی گاڑی میں ڈالا جا رہا ہے...... گاڑی چل پڑی...... گاڑی کے ہچکولے اس کی جان کنی کی شدید تکلیف میں اضافہ کر رہے تھے...... جمشید کو ایسے لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کے سارے جسم میں نوکیلی سلاخیں آر پار کر دی ہیں...... پھر اس کو جھٹکے لگنے لگے، گاڑی ایک جگہ رُک گئی...... اسے سٹریچر پر ڈال کر ہسپتال میں ایک بستر پر لٹا دیا گیا...... جمشید کو ناقابل برداشت درد کے جھٹکے لگ رہے تھے...... جیسے اس کی جان نکل رہی تھی۔

اچانک اسے ایک زبردست جھٹکا لگا اور اس کے ساتھ ہی جمشید نے محسوس کیا کہ وہ خودکشی کرنے والے بدقسمت شخص کے جسم سے الگ ہو گیا ہے...... اسے اپنا آپ دُھند کی لہر کی شکل میں دکھائی دے رہا تھا...... دُھند کی اس لہر کو وہاں پر موجود کوئی ڈاکٹر یا نرس نہیں دیکھ رہی تھی...... جمشید اپنے آپ کو خواب میں محسوس کر رہا تھا...... پھر اس نے محسوس کیا کہ وہ کسی دوسرے جسم میں داخل ہو گیا ہے، اس نے آنکھیں کھول دیں اور دیکھا کہ وہ گھاس پر لیٹا ہوا ہے...... وہ جلدی سے اُٹھ کر بیٹھ گیا...... چاروں

طرف نگاہ ڈالی...... یہ کوئی ہسپتال تھا، ایک آدمی سٹریچر پر کسی مریض کو ڈالے ایک
طرف جارہا تھا...... جمشید کا اپنا آپ، اپنے احساسات، اپنے محسوسات واپس آگئے تھے۔
وہ غور کرنے لگا کہ اسے کیا ہو گیا تھا...... اسے وہ سارا درد و کرب اور اذیت یاد آرہی تھی
جو اس نے خودکشی کرنے والے آدمی کے ساتھ برداشت کی تھی...... تب وہ فوراً سمجھ
گیا کہ عفریتی ڈائن نے کسی بدرُوح کے ذریعے یہ سب کچھ کیا ہے...... وہ اسے ہلاک تو
نہیں کر سکتی تھی، لیکن اس نے جمشید کو موت کی اذیت میں سے ضرور گزار دیا تھا......
اس طرح سے جمشید ایک بار خودکشی کی موت مر کر اس دردانگیز موت کی ساری
تکلیفیں برداشت کرنے کے بعد دوبارہ اپنے زندہ وجود میں واپس آگیا تھا۔

یہ خیال کر کے جمشید دہشت زدہ ہو گیا کہ عفریتی کی بدرُوح اس سے اس طرح
بھی انتقام لے سکتی ہے...... اس کا مطلب تھا کہ وہ جمشید کو ہر مرنے والے کے ساتھ
مار کر اسے بار بار موت کی اذیت سے گزارے گی...... وہ گھبرا کر وہاں سے اُٹھا کر اپنے
گھر آیا...... مکان پر آکر اس نے اپنے آپ کو بیٹھک میں بند کر لیا اور سوچنے لگا کہ
عفریتی ڈائن کے اس المناک انتقام سے کیسے بچا جاسکتا ہے، جس وقت عفریتی ڈائن کے
کالے منتر کا آسیبی سایہ اس پر حملہ کرتا تھا تو جمشید اس کے آگے بے بس ہو جاتا
تھا...... اس کے پاس ایسی کوئی طلسمی طاقت نہیں تھی جس سے وہ اس کا مقابلہ کر سکتا اور
اپنے ہوش و حواس میں رہتا...... اسے تو پتہ بھی نہیں چلا تھا اور وہ دُھند کی ایک پتلی لہر
میں تبدیل ہو کر خودکشی کرنے والے آدمی کے جسم میں داخل ہو کر اس کے جسم کا
ایک حصہ بن گیا تھا اور اسی کی طرح سوچنے لگا تھا۔

جمشید آتش پرستوں کے قبیلے سے تعلق رکھتا تھا...... اگرچہ زیرِ زمین گناہ گار
رُوحوں کو عذاب میں مبتلا دیکھ کر اگنی دیوتا پر سے اس کا اعتقاد اُٹھ گیا تھا اور وہ ایک
عظیم ربی طاقت کا قائل ہو گیا تھا، جس کا کوئی شریک نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود
اس پر ابھی تک آتش پرستوں کے مشرکانہ خیالات کا اثرات باقی تھے، چنانچہ اسے

رنی کا خیال آگیا۔

وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ اس وقت آرتی ہی اسے آسیبی سائے کے عذاب سے نجات
کتی ہے، مگر آرتی انسانوں کی دُنیا سے دُور زیرِ زمین شیطانی دُنیا میں رہ رہی تھی اور
نے جنم کا آخری چکر پورا کئے بغیر انسانوں کی دُنیا میں جمشید سے ملنے نہیں آسکتی
ی...... اس لمحے جمشید نے محسوس کیا کہ وہ دُشمنوں سے بھری ہوئی دُنیا میں بے
و مددگار ہو کر اکیلا رہ گیا ہے...... دُشمن چاروں طرف سے اس پر وار کر رہے ہیں اور
ے بچانے والا کوئی نہیں ہے...... اسے اپنے وہ گھناؤنے گناہ یاد آنے لگے جو اس کے
لے جادو کے ٹونے کی وجہ سے اس سے سرزد ہو چکے تھے...... اگرچہ وہ آئندہ گناہ
نے سے توبہ کر چکا تھا مگر اس کے پچھلے گناہ اذیت ناک کانٹے بن کر اس کے ضمیر کو
ن آلود کر رہے تھے۔

نسطور جادوگر کی بدرُوح کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس کا دُشمن عامل جمشید اگرچہ مرا
یں لیکن وہ ایک دردناک موت کی ساری اذیت ایک بار برداشت کر چکا ہے اور
فریتی ڈائن اپنے آسیبی سائے کی مدد سے جمشید کو اب ایک بار پھر کسی انتہائی تکلیف دہ
ت کے مرحلے میں سے گزارنے کی تیاریاں کر رہی ہے...... وہ اسی وقت عفریتی ڈائن
ے غار میں پہنچ گیا...... لمبی گردن والی عفریتی ڈائن کی گردن میں پھانسی کا پھندا اسی
رح لٹک رہا تھا...... اس نے نسطور جادوگر کو دیکھا تو اپنی لمبی گردن پر ہاتھ پھیر کر بولی۔

"نسطور! میں نے تمہارے اور اپنے دُشمن کو ایک بار مار ڈالا ہے...... اب اسے
ری بار مارنے والی ہوں...... میں اسے ہر بار ایسی موت ماروں گی کہ جس کی تکلیف
کی برداشت سے باہر ہو گی...... زندگی میں تو اسے ایک بار ہی مرنا تھا، مگر میں اسے
بار ماروں گی۔"

اور عفریتی ڈائن نے ایک ڈراؤنا قہقہہ لگایا...... نسطور جادوگر کی بدرُوح نے خوش
و کر کہا۔

"عفریتی! تم میرے اور اپنے دُشمن سے ایسا انتقام لے رہی ہو کہ جو میں بھی نہیں لے سکتا تھا...... میں نے تو اسے ایک ہی بار ہلاک کر دینا تھا...... اس کے بعد عامل جمشید کی جان چھوٹ جاتی، لیکن تم اسے بار بار موت کے حوالے کر رہی ہو...... عفریتی! تم میرے آتش انتقام کو ٹھنڈا کر رہی ہو...... مجھے بڑی تسکین مل رہی ہے...... عامل جمشید نے مجھے جو نقصان پہنچایا ہے وہ تو پورا نہیں ہو سکتا...... میری آدھی کھوپڑی مجھے واپس نہیں مل سکتی، لیکن میں خوش ہوں کہ میرا دُشمن ایک ایسی اذیت میں گرفتار ہو چکا ہے جس سے اسے قیامت تک چھٹکارا نہیں مل سکتا۔"

عفریتی ڈائن بولی۔

"نسطور! تمہیں میری طاقت کا اندازہ ہی نہیں ہے...... آرتی کو بھی میری طاقت کا اندازہ نہیں تھا...... اب اسے بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس کا کالا موتی بھی عامل جمشید کو مجھ سے نہیں بچا سکتا۔"

نسطور کی بدرُوح نے کہا۔

"عفریتی! تم مہان ہو...... میں تمہاری طاقت کو مان گیا ہوں...... یہ بتاؤ کہ اب ہمارے دُشمن کے ساتھ تم کیا سلوک کرنے والی ہو؟"

عفریتی ڈائن اپنی گردن پر ہاتھ پھیر کر بولی۔

"میرے دُشمن نے مجھے پھانسی پر چڑھایا تھا، اب میں بھی اسے پھانسی پر لٹکاؤں گی۔"

میں دیکھتی ہوں جمشید کو کون اس کربناک موت سے بچاتا ہے۔"

نسطور جادُوگر نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"شاباش عفریتی شاباش! تم نے بالکل ٹھیک سوچا ہے...... اپنے دُشمن کی اس موت کا میں بھی بڑے شوق سے نظارہ کروں گا۔"

اور نسطور جادُوگر کی بدرُوح دوسرا قہقہہ لگا کر غائب ہو گئی۔

عامل جمشید نے اب بالکل ہی اپنے آپ کو گھر میں بند کر لیا تھا...... وہ کسی بھی وقت مکان سے باہر نہیں نکلتا تھا...... نسطور کی بدرُوح اور عفریتی ڈائن کا خوف موت کا خوف بن کر اس کے ذہن پر چھا گیا تھا...... دن کے وقت بھی اس نے نوکر عبدل کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ مکان کا دروازہ ہر وقت اندر سے بند رکھے اور اس کی اجازت کے بغیر کسی کو مکان میں داخل نہ ہونے دے...... رات کے وقت وہ سونے سے پہلے دروازے اور کھڑکی کو اچھی طرح سے بند کر کے کنڈی لگا دیتا تھا۔

لیکن عفریتی ڈائن کا آسیبی سایہ برابر جمشید کی نگرانی کر رہا تھا اور عفریتی ڈائن کے اشارے کا منتظر تھا...... اب ایسا ہوا کہ سنٹرل جیل میں ایک سنگدل قاتل کو پھانسی کی سزا ملنے والی تھی...... اس نے زمین اور جائیداد حاصل کرنے کے لالچ میں چار بے گناہ انسانوں کو بڑی درندگی سے قتل کر دیا تھا اور اسے موت کی سزا سنا دی گئی تھی...... اس نے اپنے وکیل کے ذریعے ہائی کورٹ میں اپیل کی...... ہائی کورٹ نے اس کی سزا بحال رکھی...... قاتل نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی...... وہاں سے بھی اس کی موت کی سزا بحال رکھی گئی...... اس نے صوبے کے گورنر کے آگے رحم کی اپیل کی جو نامنظور ہو گئی...... اس نے وکیل کے ذریعے صدر مملکت کے آگے رحم کی اپیل کی، مگر وہاں بھی اس کی اپیل مسترد کر دی گئی اور اس کا بلیک وارنٹ جاری ہو گیا اور پھانسی کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔

جس رات کے پچھلے پہر تین بجے منہ اندھیرے قاتل کو پھانسی پر لٹکایا جانے والا تھا اس رات جمشید اپنی بیٹھک میں بستر پر لحاف اُوپر کئے لیٹا ایک کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا...... پڑھتے پڑھتے اس پر غنودگی طاری ہونے لگی...... بستر پر لیٹنے سے پہلے اس نے بیٹھک کے دروازے اور کھڑکی کو اچھی طرح سے بند کر کے کنڈیاں لگا دی تھیں...... اس نے سرہانے کے نیچے سے گھڑی نکال کر وقت دیکھا...... رات کے ٹھیک پونے تین بج رہے تھے...... جمشید کو خودکشی والے واقعے کے بعد رات کو نیند نہیں آتی تھی اور وہ

دیر تک پڑھتا رہتا تھا اور خوفزدہ سا رہتا تھا...... اس لمحے اس پر غنودگی طاری ہونے لگی،
گھڑی پر وقت دیکھنے کے بعد اس نے کتاب ایک طرف رکھ کر ٹیبل لیمپ بجھایا اور
لحاف میں گھس کر آنکھیں بند کر لیں...... وہ بڑا خوش تھا کہ آخر اسے نیند آگئی تھی......
وہ ابھی نیند اور بیداری کے درمیان ہی تھا کہ اچانک اسے ایک جھٹکا سا لگا...... گھبرا کر
اس نے لحاف پرے ہٹا دیا اور اندھیرے میں آنکھیں کھول کر دیکھنے لگا...... وہ سمجھ گیا تھا
کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے...... سخت سردی میں بھی اسے خوف کے مارے
پسینہ آگیا۔

اسے دوسرا جھٹکا لگا اور پھر اس کے ذہن کی اپنی ساری یادداشتیں، اپنی ساری
شناخت اور اپنے سارے احساسات غائب ہو گئے...... اس نے دیکھا کہ وہ دُھند کی ایک
پتلی سی لہر بن کر لحاف میں سے باہر نکل رہا ہے...... اس وقت وہ عامل جمشید نہیں
تھا...... کوئی اور ہی شخص تھا...... یہی وجہ تھی کہ اسے کسی قسم کا کوئی ڈر، خوف یا حیرانی
محسوس نہیں ہو رہی تھی...... وہ کسی قسم کی مزاحمت بھی نہیں کر رہا تھا، جیسے وہ اپنے
آپ سب کچھ کر رہا تھا اور چاہتا تھا کہ ایسا ہو...... دُھند کی پتلی لہر بند دروازے میں سے
باہر نکل کر سرد تاریک رات کے اندھیرے میں ایک طرف سفر کرنے لگی...... جمشید
اپنی شناخت فراموش کر چکا تھا...... کوئی طاقت اسے کسی طرف لئے جا رہی تھی اور وہ چلا
جا رہا تھا، مگر وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا...... سب کچھ محسوس کر رہا تھا...... اس کے انسانی
محسوسات اس کے جسم کے اندر بیدار تھے، مگر یہ جمشید کے محسوسات نہیں تھے......
یہ کسی اور ہی شخص کے محسوسات تھے۔

اس نے دیکھا کہ وہ شہر کی ایک سڑک پر نیچے آنے لگا ہے...... وہ دُھند کی لہر کی
شکل میں سڑک پر آگیا، اس کے سامنے ایک عمارت تھی جس کا آہنی گیٹ بند تھا......
عمارت پر سناٹا چھایا ہوا تھا...... گیٹ کے اُوپر بتی جل رہی تھی جس کے نیچے سنٹرل
جیل لکھا ہوا تھا...... جمشید دُھند کی شکل میں بند گیٹ میں سے گزر گیا...... آگے

درختوں کے درمیان چھوٹا سا راستہ بنا ہوا تھا، جس کے دونوں جانب مسلح گارڈ پہرے
پر کھڑے تھے...... دُھند کی لہر ان کے اُوپر سے ہو کر آگے نکل گئی...... کوئی طلسمی طاقت
دُھند کی لہر کو کسی خاص سمت لئے جا رہی تھی...... جمشید یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور اس پر
کسی قسم کا ردعمل نہیں ہو رہا تھا، نہ وہ خوش تھا، نہ وہ پریشان تھا...... بس اپنے آپ ہوا
میں تیرتا ہوا چلا جا رہا تھا۔

آگے ایک کھلی جگہ آگئی...... یہاں برآمدہ تھا جس پر آہنی سلاخوں کے چوکھٹے
چڑھے ہوئے تھے...... یہاں بھی ایک جانب مسلح گارڈ موجود تھی...... جمشید برآمدے
کی سلاخوں میں سے گزر گیا...... برآمدے کی دوسری جانب بھی آہنی سلاخیں لگی
ہوئی تھیں...... وہ اس میں سے بھی گزر گیا...... سامنے ایک بہت بڑے درخت کے
نیچے ایک بیرک تھی...... بیرک کے دروازے پر بھی آہنی گیٹ تھا جو بند تھا اور باہر دو
سپاہی پہرہ دے رہے تھے...... جمشید دُھند کی نظر نہ آنیوالی لہر کی شکل میں بیرک کے
دروازے میں داخل ہو گیا...... آگے آمنے سامنے تین چار کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں،
جن کے سلاخ دار آہنی دروازے بند تھے...... درمیان میں چھوٹی سی راہداری تھی......
اس راہداری میں بھی ہر کوٹھڑی کے باہر ایک ایک مسلح سپاہی پہرے پر کھڑا تھا...... ہر
طرف موت کا سکوت چھایا ہوا تھا...... مسلح سپاہی بھی خاموش تھے۔ جمشید دُھند کی لہر کی
شکل میں ایک کوٹھڑی میں داخل ہو گیا۔

یہ پھانسی کی کوٹھڑی تھی...... اس کوٹھڑی کے آگے بھی سلاخوں والا دروازہ لگا
تھا جو بند تھا...... کوٹھڑی میں بلب جل رہا تھا...... ایک آدمی قیدی کے لباس میں سر
جھکائے بیٹھا تھا...... اس کی عمر چالیس کے قریب ہو گی...... ہڈ کاٹھ چوڑا تھا...... اس کا
چہرہ اترا ہوا تھا اور موت کے خوف سے جو اس سے چند منٹ کے فاصلے پر رہ گئی تھی زرد
پیلا ہو رہا تھا...... دو مسلح سپاہی جو جیل کے اہلکار لگتے تھے سلاخوں والے دروازے کے
پاس کھڑے تھے...... تین آدمی پھانسی پانے والے قیدی کے بالکل قریب ہو کر بیٹھے

تھے...... ان میں سے جو شاید مجسٹریٹ ہوگا یا وکیل ہوگا اس سے اس کی آخری وصیت لکھوا رہا تھا...... جیل کا ایک افسر بھی وہیں تھا...... چند منٹ بعد پھانسی کے تختے پر لٹکنے والا قیدی مردہ سی دھیمی آواز میں کچھ وصیت لکھوا رہا تھا۔

ان میں سے کسی نے جمشید کے ہیولے کی دُھندلی سی لہر کو محسوس نہیں کیا تھا۔ دُھند کی یہ لہر پھانسی پانے والے بدنصیب انسان کے سر کے اُوپر دو سیکنڈ چکر لگاتی رہی، پھر اس کے سر میں داخل ہوگئی، جیسے ہی دُھند کی لہر قیدی کے سر میں داخل ہوئی اس کو ایک ہلکا سا جھٹکا لگا...... وہاں بیٹھے ہوئے ہر آدمی نے یہی سمجھا کہ موت کے خوف کی وجہ سے ایسا ہوا ہے...... پھانسی کے قیدی نے اس کے بعد اپنے اندر کوئی تبدیلی محسوس نہ کی، کیونکہ اس کے اندر کسی قسم کی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی...... تبدیلی اگر ہوتی تھی تو بس اتنی ہوتی تھی کہ موت کے قیدی کا خوف اب اس کے اندر داخل جمشید کا خوف بن گیا تھا...... اب موت کے خوف سے جمشید کا دل بیٹھتا جا رہا تھا، کیونکہ پھانسی پانے والے کے جذبات واحساسات اب جمشید کے جذبات واحساسات میں بدل گئے تھے...... موت کی جو دہشت پھانسی پانے والے اصل مجرم نے محسوس کرنی تھی اب جمشید محسوس کر رہا تھا۔

اس تبدیلی کے ساتھ ہی جمشید کی یادداشت واپس آ گئی تھی...... وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے اور کیا ہونے والا ہے...... وہ یہ بھی جان گیا تھا کہ وہ ایک پھانسی کے تختے پر لٹکنے والے قیدی کے جسم میں داخل ہو چکا ہے اور پھانسی کے پھندے سے دم گھٹ کر مرنے کی ساری تکلیف وہ خود برداشت کرے گا اور یہ کام عفریتی ڈائن کا تھا اور وہ جمشید سے اپنی پھانسی کا بدلہ لے رہی تھی۔

عامل جمشید یہی محسوس کر رہا تھا کہ اسے پھانسی ملنے والی ہے...... اس پر موت کی وہی دہشت اور خوف طاری تھا جو اس قاتل پر طاری ہوتی ہے، جس کو چند لمحوں کے بعد پھانسی ملنے والی ہو...... پھانسی کی کوٹھڑی کے دروازے پر جیل کا سپرنٹنڈنٹ اور

پولیس افسر خاموشی سے آکر رُک گئے...... جیل کے سپرنٹنڈنٹ نے آہستہ سے کہا۔

"وقت ہو گیا ہے۔"

اس کے ساتھ ہی موت کے قیدی کو دو آدمیوں نے بازوؤں سے تھاما اور اسے لے کر پھانسی گھاٹ کی طرف چل پڑے...... عامل جمشید کو بالکل یہی لگ رہا تھا کہ اسے پھانسی گھاٹ کی طرف لے جایا جا رہا ہے...... خوف کے مارے اس کے قدم ایک بار لڑکھڑائے...... اس کے ساتھ جو آدمی چل رہے تھے انہوں نے اسے سہارا دے کر آگے بڑھایا...... پھانسی گھاٹ میں اس نے پھانسی کے پھندے اور جلاد کو دیکھا تو اس پر جیسے نزع کی حالت طاری ہو گئی...... اس کا دل اتنی تیزی سے دھڑکنے لگا جیسے ابھی پھٹ جائے گا...... اسے پھانسی کے تختے پر لا کر کھڑا کر دیا گیا...... جمشید چلا کر کہنا چاہتا تھا کہ میں قاتل نہیں ہوں...... مجھے پھانسی پر نہ لٹکاؤ، مگر وہ بول نہیں سکتا تھا...... تختے پر ایک خاص جگہ پر کھڑا کر کے اس کے دونوں پاؤں جوڑ کر رسی سے باندھ دیئے گئے...... اس کے ہاتھ بھی پیچھے باندھ دیئے گئے، ساری کارروائی بڑی جلدی جلدی ہو رہی تھی۔

جلاد نے جمشید کے منہ پر کالا نقاب ڈال کر اس کی گردن میں پھانسی کا پھندا ڈال دیا۔ جمشید کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا...... اس کے فوراً بعد اس کے پاؤں کے نیچے سے تختہ کھسک گیا...... وہ نیچے کنوئیں میں گرا اور گرتے ہی اسے زبردست جھٹکا لگا اور اس کے بعد اندھیرا چھا گیا...... اگرچہ وہ ایک مردے کے بے جان جسم کے اندر تھا مگر وہ دیکھ سکتا تھا اور سن بھی سکتا تھا...... صرف بول نہیں سکتا تھا...... وہ پھانسی کی موت کی اذیت سے گزر چکا تھا...... اس نے اپنا آپ مردے کے جسم سے باہر آتا محسوس کیا...... مرے ہوئے آدمی کے جسم سے وہ دھوئیں کی سفید لہر کی شکل میں باہر نکل آیا...... اب وہ قبر کی تاریکی میں تھا۔

اس نے اپنا آپ بلند کیا تو وہ قبر سے باہر نکل آیا۔

قبر سے باہر آتے ہی اس نے اپنے مکان کا رُخ کر لیا...... کوئی غیبی طاقت اسے

اپنے آپ اڑائے لئے جا رہی تھی...... وہ زمین سے کافی بلندی پر تھا...... اس کی رفتار بہت تیز تھی...... کچھ ہی دیر بعد وہ اپنے مکان کی چھت پر آ گیا...... دن کی روشنی چاروں طرف پھیل چکی تھی...... وہ چھت پر سے نیچے دالان میں آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کا ملازم عبدل کچن میں ناشتہ وغیرہ تیار کر رہا تھا...... وہ خاموشی سے اپنی بیٹھک میں آ گیا...... اس نے دیکھا کہ اس کا جسم بستر پر اسی طرح پڑا تھا جس طرح وہ اسے چھوڑ گیا تھا...... اس کا جسم بے حس و حرکت تھا...... جیسے گہری نیند سو رہا ہو...... وہ اپنے جسم میں داخل ہو گیا...... اپنے جسم میں داخل ہوتے ہی اس کی آنکھ کھل گئی...... وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا، وہ جس اذیت سے گزرا تھا اس کا ایک ایک لمحہ اسے اچھی طرح یاد تھا...... وہ پوری طرح سے عفریتی ڈائن کے انتقام کی زد میں آ چکا تھا...... اس کو ایسی حقیقت کا احساس تھا کہ عفریتی ڈائن اس سے بڑا خوفناک انتقام لے رہی ہے اور اس کا آسیبی سایہ اس کے پیچھے لگا ہوا ہے اور اسے ایک بار پھر کسی المناک موت کی اذیت سے گزرنا پڑے گا۔

عامل جمشید کے پاس عفریتی ڈائن اور نسطور جادوگر کی آسیبی طاقتوں کا کوئی توڑ نہیں تھا...... وہ ان کی شیطانی طاقتوں کے جال میں پوری طرح پھنس چکا تھا...... وہ اس جال کو توڑ کر نکل جانا چاہتا تھا مگر اسے کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا...... صرف آرتی اس کی مدد کر سکتی تھی، لیکن جب تک آرتی کے اس جنم کا چکر پورا نہیں ہو جاتا، وہ انسانوں کی دُنیا میں آ کر اس سے نہیں مل سکتی تھی...... یہ خیال کر کے عامل جمشید کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ ساری دُنیا میں اس کا کوئی مددگار نہیں اور وہ مکمل طور پر نسطور اور عفریتی ڈائن کی آسیبی طاقتوں کے رحم و کرم پر ہے...... نسطور اور عفریتی ڈائن مجبوری کی وجہ سے خود تو انسانوں کی دُنیا میں نہیں آ سکتے تھے لیکن عفریتی ڈائن نے اپنا آسیبی سایہ عامل جمشید کے پیچھے لگا دیا تھا جو اس کے اشارے پر جمشید کو طرح طرح کے جسمانی اور ذہنی عذابوں میں سے گزار رہا تھا۔

اتنے میں ملازم عبدل کمرے میں ناشتہ لے کر آ گیا...... اس نے ناشتہ ایک طرف

رکھا اور اُلٹے پاؤں واپس چلا گیا...... عامل جمشید ناشتہ کرنے لگا تو اسے محسوس ہوا کہ اسے بالکل بھوک نہیں ہے...... وہ اُٹھ کر غسل خانے میں منہ ہاتھ دھونے چلا گیا...... منہ ہاتھ دھو کر واپس آیا اور تھوڑا بہت ناشتہ کر کے اپنے اڈے پر بیٹھ گیا اور کالے جادو کی ایک پرانی کتاب کھول کر اس کا مطالعہ کرنے لگا...... وہ کالے جادو کے قدیم ٹونے ٹوٹکوں میں سے کوئی ایسا منتر تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ جس سے اس کو عفریتی ڈائن کے آسیبی سائے سے نجات مل جائے، کیونکہ انسانوں کی دُنیا میں یہی آسیبی سایہ اس کا سب سے بڑا دُشمن تھا...... آخر اسے ایک منتر مل گیا...... سینکڑوں برس پہلے آتش پرست جادوگر اس منتر کو پڑھ کر بدرُوحوں کو قابو کیا کرتے تھے۔

عامل جمشید نے منتر کو پوری تفصیل کے ساتھ پڑھا اور اچھی طرح سے یاد کر لیا...... یہ منتر کسی ویران جگہ پر رات کی تاریکی میں بیٹھ کر پڑھا جاتا تھا...... عامل جمشید اب رات ہونے کا انتظار کرنے لگا...... جب رات ہو گئی تو وہ شہر سے باہر ایک غیر آباد ویران علاقے میں آ گیا...... یہاں برگد کا ایک بہت پرانا درخت تھا...... یہ درخت سینکڑوں برس پرانا تھا اور اس کی جڑیں زمین سے باہر نکلی ہوئی تھیں اور شاخیں زمین کو چھو رہی تھیں...... یہ واقعی بڑا ڈراؤنا درخت تھا، مگر عامل جمشید ان چیزوں سے کبھی نہیں ڈرا تھا...... وہ زندگی میں اس قسم کے چلے کئی بار کر چکا تھا...... وہ درخت کے قریب ہی سوکھی گھاس پر بیٹھ گیا اور اس نے منتر پڑھنا شروع کر دیا...... اس کے اِرد گرد رات کی تاریکی تھی...... خاموشی اتنی گہری تھی کہ ایسے لگتا تھا کہ وہ کسی قبرستان میں بیٹھا ہے...... آسیب سے نجات کا چلہ کرنے کے لئے اسے ایسی ہی جگہ کی ضرورت تھی۔

کالے جادو کا منتر اسے ایک ہزار بار پڑھنا تھا۔

ایک سو بار منتر پڑھ چکنے کے بعد عامل جمشید اپنے ہاتھ کی ایک اُنگلی بند کر لیتا تھا...... جب وہ نو سو مرتبہ منتر پڑھ چکا تو اسے ایک پراسرار سی آواز سنائی دی...... اس

نے آنکھیں بند نہیں کی ہوئی تھیں...... اندھیرے میں اسے دکھائی تو کچھ نہ دیا لیکن اس
اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ پراسرار آواز جو قدموں کی آہٹ سے ملتی جلتی تھی اس کی بائیں
جانب سے آئی تھی...... جیسے کوئی سوکھی گھاس پر قدم رکھتا چلا آرہا ہو...... عامل جمشید
نے کالے جادو کے منتر کا جاپ جاری رکھا...... جب وہ منتر کی نو سو پچاس کی گنتی پر پہنچا
تو ہلکی سی چیخ کی آواز کے ساتھ کوئی شے درخت کی شاخوں میں سے دھپ سے نیچے
گری...... جمشید منتر بھی پڑھتا رہا اور آنکھیں کھول کر برگد کے دیو قامت قدیم درخت
کے نیچے بھی تکتا رہا...... اسے اندھیرے میں درخت کے نیچے کچھ دکھائی نہیں دے رہا
تھا...... ابھی چلے کے منتر پورے ختم نہیں ہوئے تھے کہ اس کا جسم اپنے آپ آگے
پیچھے ہلنے لگا...... اس نے اپنے جسم کو روکنے کی بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا......
اس کا جسم برابر آگے پیچھے چل رہا تھا۔

آخر وہ کالے جادو کا عامل تھا اور آتش پرست خاندان سے تھا...... سمجھ گیا کہ
عفریتی ڈائن کے آسیب نے جوابی کارروائی شروع کر دی ہے، مگر وہ بالکل نہ گھبرایا اور
جلدی جلدی منتر پڑھنے لگا...... وہ جلدی سے جلدی چلہ پورا کرنا چاہتا تھا...... جب ایک
ہزار کی گنتی میں دس ہندسے باقی رہ گئے تو اچانک جیسے کسی شیطانی طاقت نے اسے زمین
سے پانچ فٹ اُوپر اُٹھا کر زمین پر پھینک دیا...... زمین پر گرتے ہی عامل جمشید کو کچھ ہوش
نہ رہا...... جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک اُونچی چھت والے بند کمرے
کے پتھریلے فرش پر بالکل سیدھا پڑا ہے...... چھت کے پاس دیوار کے محرابی روشن
دان میں سے زرد چاند کی پھیکی کرنیں اندر آرہی ہیں...... ان کرنوں کی مدھم روشنی
میں جمشید کو چھت کے ساتھ کچھ جالے لٹکتے نظر آئے...... وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا...... اس کا
سر بوجھل بوجھل سا ہو رہا تھا، مگر اس کے ہوش و حواس قائم تھے...... عامل ہونے کی
وجہ سے وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ کارروائی عفریتی ڈائن کے آسیب کی ہے جس نے اس کے
چلے کو پورا ہونے سے پہلے ہی اس پر حملہ کر کے اسے کسی ویران عمارت میں لا کر

پھینک دیا ہے۔

وہ آہستہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور کمرے کا جائزہ لینے لگا...... محراب دار روشندان کی
ساخت بتا رہی تھی کہ یہ کوئی قدیم عمارت ہے...... روشن دان میں سے آتی چاندنی کی
پھیکی روشنی میں اس نے دیکھا کہ کمرہ بالکل خالی پڑا تھا...... ایک جانب دیوار میں اسے
دروازہ دکھائی دیا...... وہ اس کے قریب آیا اور دیکھا کہ دروازہ بند تھا...... دروازہ بہت
پرانا اور بوسیدہ تھا اور اس پر جگہ جگہ مکڑیوں نے جالے تان رکھے تھے...... جیسے دروازہ
صدیوں سے کسی نے نہ کھولا ہو...... دیواروں کا رنگ سیاہ تھا، جس کی وجہ سے چاند کی
پھیکی کرنیں کمرے کی تاریکی کو روشن کرنے میں ناکام ہو رہی تھیں...... عامل جمشید
نے دیوار کو ٹٹولا تو اسے بند دروازے کے پہلو میں قریب ہی چھوٹی سی کھڑکی نظر آئی
جس کے پٹ بند تھے...... کھڑکی فرش کے بالکل قریب بنی ہوئی تھی...... اس نے
کھڑکی کے بند کواڑوں پر ہاتھ پھیرا تو اسے ایک دو جگہوں سے ہوا اندر آتی محسوس
ہوئی...... یہ کھڑکی کی درزیں تھیں...... اس نے ان درزوں کے ساتھ آنکھ لگا کر
دوسری طرف دیکھنے کی کوشش کی مگر اسے دوسری طرف سوائے اندھیرے کے اور
کچھ نظر نہ آیا...... درزوں میں سے جو ہوا اندر آرہی تھی اس میں عجیب سی بو تھی...... یہ
بو ایسی تھی جیسے دوسری طرف کوئی بوچڑ خانہ ہو جہاں جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے۔ اس
میں جمے ہوئے خون کی بھکراند تھی...... جمشید نے منہ پیچھے کر لیا اور سوچنے لگا کہ یہ
کون سی جگہ ہو سکتی ہے۔

وہ کھڑکی کے پاس ہی بیٹھ گیا...... اس کو خیال آیا کہ اسے آسیب کے کالے سائے
سے نجات حاصل کرنے کے لئے کالے جادو کے منتر کا عمل ایک بار پھر دہرانا چاہئے،
ہو سکتا تھا کہ ایک ہزار بار منتر پڑھنے سے اسے اس منحوس جگہ سے چھٹکارا مل جائے۔ وہ
جلدی سے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور اس نے منتر پڑھنا شروع کر دیئے...... اسے
محسوس ہوا کہ منتر اسے پوری طرح سے یاد نہیں آرہا...... دس بارہ مرتبہ تو اس نے

بالکل صحیح منتر پڑھا مگر اس کے بعد وہ منتر بھولنے لگا...... اس کے بعد وہ منتر بالکل ہی بھول گیا...... اسے کچھ یاد نہیں آرہا تھا کہ منتر کے پورے الفاظ کیا ہیں...... اس نے اپنے ذہن پر بہت زور دیا مگر منتر کے الفاظ جیسے اس کے ذہن سے بالکل غائب ہو چکے تھے...... وہ فوراً اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ یہ کارروائی آسیبی سائے کے سوا اور کسی کی نہیں ہو سکتی...... عفریتی ڈائن کے آسیب نے اس کے دماغ سے منتر کے الفاظ غائب کر دیئے ہیں اور اب وہ اس کے رحم و کرم پر ہے اور خود کچھ نہیں کر سکتا...... سوائے اس کے کہ اس قید خانے سے نکلنے کی کوشش کرے، مگر اسے وہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا۔

وہ ان پریشان خیالوں میں اُلجھا بند کھڑکی کے ساتھ لگ کر بیٹھا تھا کہ اچانک اسے بھنبھناہٹ کی دھیمی دھیمی آواز سنائی دی...... یہ آواز ایسی تھی جیسے دُور سے کچھ آدمی باتیں کرتے آرہے ہوں...... آوازیں بند کھڑکی کی دوسری جانب سے آرہی تھیں، اس نے کھڑکی کی درز میں جھانک کر دیکھا...... دوسری طرف اندھیرا تھا...... اسے کچھ دکھائی نہ دیا...... دوسرے لمحے بھنبھناہٹ کی آوازیں آنا بند ہو گئیں اور کھڑکی کی دوسری جانب خاموشی چھا گئی...... جمشید سوچنے لگا کہ یہ آوازیں کیسی تھیں...... ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ بند کھڑکی کی درزوں میں سے ہلکی ہلکی روشنی نظر آنے لگی...... عامل جمشید نے ایک درز کے ساتھ آنکھیں لگا دیں۔

بند کھڑکی کی دوسری جانب ایک چھوٹا سا کمرہ نظر آیا جس کی سیاہ دیواروں پر روشنی پڑ رہی تھی...... یہ روشنی ایک دروازے میں سے آرہی تھی جو کمرے کی سامنے والی دیوار میں بنا ہوا تھا...... روشنی آہستہ آہستہ بڑھتی جا رہی تھی...... ایسے لگ رہا تھا جیسے کوئی جلتی ہوئی مشعل لئے دروازے کی طرف بڑھ رہا ہو...... جمشید دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ دروازے پر آنکھیں جمائے ہوئے تھا...... اس کے دیکھتے دیکھتے کمرے کے تنگ دروازے میں سے دو آدمی برآمد ہوئے جن کے ہاتھوں میں جلتی ہوئی

شعلیں تھیں...... انہوں نے اندر آکر روشن مشعلیں آمنے سامنے دیوار پر لگا دیں اور دونوں ہاتھ باندھ کر دیوار کے پاس خاموش کھڑے ہو گئے...... ان آدمیوں نے کالے بادے پہن رکھے تھے اور چہرے بھی سیاہ نقاب میں چھپے ہوئے تھے۔

جمشید حیرت زدہ ہو کر دیکھ رہا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں اور یہاں مشعلیں لے کر ں لئے آئے ہیں...... اتنے میں دروازے میں سے ... اور آدمی مشعلیں لئے اندر گئے...... یہ مشعل بردار بھی سیاہ [illegible] پوشوں میں تھے ... مشعلیں تھامے ایک طرف ڑے ہو گئے...... ان مشعلوں کی روشنی میں جمشید نے دیکھا کہ کمرے کے کونے میں تھر کی ایک لمبوتری سل رکھی ہوئی ہے ... ایک طرف سیاہ مٹکا رکھا ہے...... اب ے کسی کے کراہنے اور سسکیاں لے لے کر رونے کی آواز سنائی دی...... کچھ ہی دیر بعد جمشید نے دیکھا کہ دو آدمی ایک شخص کو بازوؤں سے پکڑ کر لئے آرہے ہیں...... ں آدمی سے پوری طرح چلا نہیں جا رہا...... وہ لڑکھڑا رہا ہے اور دونوں آدمی اسے ہارا دے کر گھسیٹتے ہوئے لا رہے ہیں، جس آدمی کو پکڑ کر لایا جا رہا تھا وہ اپنے سر کو بے بی کے عالم میں دائیں بائیں مار رہا تھا اور رونے کی کوشش میں اس کے حلق سے سسکیوں کی دلدوز آواز نکل رہی تھی...... اس کے پیچھے تین آدمی تھے، ان میں سے ایک آدمی آگے آگے چل رہا تھا...... اس آدمی کے سر کے بال جنگلی جھاڑیوں کی طرح لگ رہے تھے...... چہرہ سیاہ تھا اور آنکھوں سے سرخ روشنی نکل رہی تھی...... ایک آدمی اس کی دائیں جانب اور دوسرا اس کی بائیں جانب بڑے ادب سے چلا آرہا تھا...... ان دونوں آدمیوں کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں جن کے پھل مشعلوں کی روشنی میں چمک رہے تھے...... آگے جانے والے آدمیوں نے جس بدنصیب کو پکڑ رکھا تھا اسے انہوں نے پتھر کی سل پر سیدھا لٹا دیا اور اس کے دونوں ہاتھ اور پاؤں رسیوں سے باندھ دیئے۔

جھاڑیوں ایسے بالوں اور سرخ آنکھوں والا بھوت نما آدمی پتھر کی سل کے

قریب ہی کھڑا ہو گیا، جن آدمیوں نے تلواریں تھام رکھی تھیں ان میں سے ایک آدمی سل کی دائیں جانب اور دوسرا سل کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا...... یہ لوگ ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں کر رہے تھے...... وہاں دہشت زدہ خاموشی چھائی تھی جمشید کھڑکی کی درز میں سے یہ سب کچھ سہمی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا...... سل پر جکڑے ہوئے آدمی کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی...... وہ اپنے سر کو دائیں بائیں ہلا رہا تھا مگر سل پر ایسے لیٹا تھا جیسے اس نے اپنی قسمت کے لکھے کو قبول کر لیا ہو۔

جنگلی جھاڑیوں ایسے بالوں والے سیاہ فام آدمی نے اپنا ہاتھ اُوپر اُٹھا لیا، اس کا ہاتھ اُوپر اُٹھتے ہی ایک تلوار والا آدمی سل پر پڑے بد نصیب انسان کے سرہانے کی جانب آ گیا...... دوسرے آدمی نے سیاہ مٹکا اُٹھا لیا اور وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا...... پھر سیاہ فام آدمی نے اپنا ہاتھ جلدی سے نیچے کر لیا...... اس کے ساتھ ہی تلوار والے آدمی نے تلوار کے ایک ہی وار سے سل پر پڑے ہوئے انسان کا سر تن سے جدا کر دیا۔ کٹی ہوئی گردن میں سے خون کا فوارہ اُبل پڑا...... دو آدمیوں نے تڑپتی لاش کو قابو کرنے کے بعد اس کی کٹی ہوئی گردن کو مٹکے کے اندر کر دیا...... گردن میں سے لاش کا خون نکل نکل کر مٹکے میں جمع ہونے لگا...... جب مٹکا خون سے بھر گیا تو لاش کو چھوڑ دیا گیا...... اب ایک آدمی خون سے بھرا ہوا مٹکا لے کر سیاہ فام بھوت نما آدمی کے قریب آیا اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

سیاہ فام آدمی نے دونوں ہاتھوں سے مٹکے کو تھام لیا اور پھر مٹکے کو اپنے منہ کے ساتھ لگا کر غٹا غٹ خون پینے لگا...... جب اس کا پیٹ بھر گیا تو اس نے مٹکا دوسرے آدمیوں کے حوالے کر دیا...... ایک ایک کر کے باقی آدمیوں نے بھی مٹکے میں بھرے ہوئے تازہ انسانی خون سے اپنی شیطانی پیاس بجھائی اور جب مٹکا خالی ہو گیا تو دو آدمی مشعلیں اُٹھائے وہاں سے واپس چلے گئے...... سیاہ فام آدمی بھی اپنے دو محافظوں کے ساتھ وہاں سے چلا گیا...... کمرے میں جو آدمی باقی رہ گئے تھے انہوں نے بد قسمت

انسان کے کٹے ہوئے سر کو مٹکے میں ڈالا اور بے جان لاش کے پاؤں پر بندھی ہوئی رسی کو پکڑ کر اسے گھسیٹتے ہوئے وہاں سے واپس چلے گئے...... جاتے ہوئے وہ جلتی ہوئی مشعلیں بھی ساتھ لے گئے تھے...... ان لوگوں کے جانے کے بعد اس چھوٹے سے کمرے میں ایک بار پھر گھپ اندھیرا ہو گیا...... یہ خونیں منظر دیکھ کر عامل جمشید کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے اور اسے لگ رہا تھا کہ اس کا بھی یہی انجام ہونے والا ہے...... کسی بھی وقت مشعل بردار سیاہ پوش آ کر اسے لے جائیں گے اور اس کا گلا کاٹ کر اس کے خون سے اپنی پیاس بجھائیں گے۔

عامل جمشید کو اپنی جان کی فکر پڑ گئی...... سب کچھ بھلا کر اس نے وہاں سے فرار ہونے کی ترکیبیں سوچنی شروع کر دیں...... اس کی نگاہ اُوپر روشن دان کی طرف اُٹھ گئیں...... روشن دان میں اگرچہ سلاخیں نہیں لگی ہوئی تھیں مگر وہ فرش سے کافی اُونچائی پر چھت کے بالکل ساتھ تھا اور وہاں کوئی ایسی شے بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی جس کا سہارا لے کر وہ روشن دان تک پہنچ سکتا...... وہ ابھی تک کھڑکی کے ساتھ لگ کر بیٹھا ہوا تھا...... اس نے ایک بار پھر منتر کے الفاظ یاد کرنے کی کوشش کی مگر اب اسے منتر کا ایک لفظ بھی یاد نہیں آ رہا تھا...... منتر کے الفاظ جیسے کسی نے اس کے ذہن سے حرف غلط کی طرح مٹا دیئے تھے...... اس کا دل ویسے بھی کالے جادو اور آتش پرستوں کے شیطانی منتروں سے بیزار ہو چکا تھا...... اس کے دل میں ایک خدا کا تصور آہستہ آہستہ عقیدے کی شکل اختیار کر رہا تھا...... اس نے جادو ٹونے کی ایک پرانی کتاب میں پڑھا تھا کہ اگر یہ ٹونہ کسی مسلمان پر کیا جائے گا تو اس کا اثر اس پر نہیں ہو گا، کیونکہ ایک مسلمان نماز روزے کا پابند نہ بھی ہو تب بھی اس کے دل میں ایمان کی شمع کا نور زندہ سلامت ہوتا ہے اور جہاں ایمان کا نور ہو گا وہاں کفر اور شرک کے شیطانی اندھیرے ایک پل کے لئے بھی نہیں ٹھہر سکتے...... شرک اور کفر کی شیطانی طاقتیں کسی بھی سادہ دل مسلمان کی طاقت ایمانی کے نزدیک نہیں پھٹک سکتیں...... ایمان کی

طاقت ہی کائنات کی بلکہ ساری کائناتوں کی سب سے بڑی، سب سے اعلیٰ اور ارفع اور ازلی اور ابدی طاقت ہے جو صرف ایک سچے مسلمان کو عطا ہوتی ہے۔

عامل جمشید کو اب افسوس ہو رہا تھا کہ وہ ایک آتش پرست خاندان میں پیدا ہوا..... اس نے ایک سرد آہ بھر کر اپنے آپ سے کہا۔

"کاش! میں ایک مسلمان خاندان میں پیدا ہوتا۔"

اس نے تاسف کے احساس کے ساتھ اپنا سر بند کھڑکی کے ساتھ لگا دیا..... ایسا کرتے ہوئے اس کے جسم کا بوجھ کھڑکی پر پڑا تو اسے ایسی آواز آئی جیسے کسی میں کوئی شے اپنی جگہ سے مل گئی ہو..... کھڑکی سے ہٹ کر اس نے ہاتھوں سے بند دروازے کو اندر کی طرف دھکیلا..... وہی آواز پھر سنائی دی..... عامل جمشید نے دیکھا کہ بند کھڑکی کا بایاں پٹ اپنی جگہ سے تھوڑا سا کھڑا ہوا ہے..... اس نے آہستہ آہستہ کھڑکی کو اندر کی جانب دھکیلنا شروع کیا..... تھوڑی سی کوشش کے بعد بایاں پٹ اپنی چوکھٹ سے ہل گیا..... جمشید کے دل میں امید کی کرن بیدار ہو گئی..... کھڑکی کو تالا لگا ہوا تھا، مگر اس کے بار بار ہلانے سے کھڑکی کا ایک پٹ چوکھٹ سے الگ ہو گیا..... جمشید نے اپنی کوشش جاری رکھی۔

ایک گھنٹے کی جدوجہد کے بعد وہ کھڑکی کے پٹ کو چوکھٹ سے الگ کرنے میں کامیاب ہو گیا..... پٹ اندر کی جانب الگ ہوا تھا..... مزید تھوڑی سی جدوجہد کے بعد اس نے پٹ کو الگ کر دیا..... اس کے ساتھ ہی اس نے سر اندر ڈال کر اس کمرے کا جائزہ لیا جہاں تھوڑی دیر پہلے ایک انسان کا خون ہوا تھا، بلکہ اس کا خون پیا گیا تھا..... کمرے میں اندھیرا چھایا ہوا تھا..... جمشید کے دل میں وہاں سے فرار ہونے کی ہلکی سی اُمید پیدا ہو گئی تھی..... وہ کھڑکی میں سے نکل کر کمرے میں داخل ہو گیا اور کھڑے ہو کر اندھیرے کمرے کے در و دیوار کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگا..... وہاں کوئی روشن دان بھی نہیں تھا جہاں سے باہر آسمان پر نکلے ہوئے چاند کی چاندنی اندر آتی..... چند

لمحوں کے بعد جمشید کو اندھیرے میں تھوڑا تھوڑا دھندلا دھندلا سا دکھائی دینے لگا..... کمرے کی فضا میں انسانی خون کی بو ابھی تک بسی ہوئی تھی۔

وہ اس دروازے کی طرف بڑھا جس میں سے سیاہ لبادوں والی مخلوق بدنصیب آدمی کو رسیوں سے جکڑ کر اندر لائی تھی، مگر افسوس کہ دروازہ بند تھا..... اس نے اسے تھوڑا سا دھکیلا مگر دروازہ اپنی جگہ پر پتھر کی دیوار کی طرح سخت تھا..... وہ دروازے سے ہٹ کر پتھر کی سل والی دیوار کے پاس آ گیا..... یہاں فرش پر انسانی خون کے دھبے جگہ جگہ جمے ہوئے تھے..... اس نے جھک کر دیکھا کہ پتھر کی سل کے قریب ہی فرش پر ایک نالی بنی ہوئی تھی..... یہ نالی دیوار کے پاس جا کر فرش میں غائب ہو گئی تھی..... عامل جمشید نے غور سے دیکھا تو اسے معلوم ہوا نالی فرش کے اندر چلی گئی تھی..... نالی کے اُوپر لکڑی کا ایک تختہ لگا ہوا تھا..... یہ نالی انسان کے فالتو خون کے نکاس کے لئے بنائی گئی تھی..... جمشید نے دونوں ہاتھوں سے تختے کو اُوپر کی طرف اٹھایا تو تختہ الگ ہو گیا..... تختے کے نیچے ایک چوکور گڑھا تھا..... جمشید گڑھے میں اُتر گیا۔

گڑھے میں ایک چھوٹی سی سرنگ بنی ہوئی تھی..... جمشید نے سرنگ کے دہانے میں جھانک کر دیکھا..... سرنگ کے اندر اندھیرا تھا، مگر سرنگ کے اندر سے تازہ ہوا آ رہی تھی..... اس کا مطلب تھا کہ یہ سرنگ اس آسیب زدہ عمارت کے باہر جاتی تھی..... سرنگ زیادہ کشادہ نہیں تھی، مگر ایک آدمی رینگ کر اس میں سے گزر سکتا تھا..... جمشید گھٹنوں کے بل ہو کر چوپائے کی طرح سرنگ میں داخل ہو گیا..... سرنگ کی چھت اس کے سر سے چھ سات انچ ہی اُونچی تھی..... وہ آہستہ آہستہ سرنگ میں چلنے لگا..... وہ چاروں ہاتھ پاؤں پر چل رہا تھا..... سرنگ میں لگے ہوئے جالے اس کے چہرے سے ٹکرا رہے تھے جنہیں وہ بار بار رُک کر ہاتھ سے پیچھے ہٹا دیتا تھا..... یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ سرنگ کے اندر تازہ ہوا آ رہی تھی..... اگر ہوا نہ آ رہی ہوتی تو شاید وہ دم گھٹنے سے مر جاتا..... سرنگ ڈھلواں ہو گئی..... وہ ڈھلان اترنے لگا..... کچھ دیر

کے بعد سرنگ کی ڈھلان ختم ہو گئی اور زمین ہموار ہو گئی......اس کے بعد پھر تھوڑی سی چڑھائی آنے کے بعد سرنگ سیدھی ہوتی گئی۔

آخر جمشید کو سرنگ کے آخر میں روشنی دکھائی دی...... یہ روشنی آسمان پر لٹکے ہوئے زرد چاند کی تھی...... سرنگ ایک نالے میں جا نکلتی تھی جو سوکھا ہوا تھا......وہ نالے میں سے باہر نکل آیا...... آسمان پر مغرب کی جانب نامکمل زرد اُداس چاند درختوں کے اُوپر جھکا ہوا تھا...... آس پاس کسی آبادی کی روشنی نظر نہیں آرہی تھی......وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ عفریتی ڈائن کے آسیبی سائے نے اسے چلہ مکمل ہونے سے پہلے ہی اُٹھا کر جس ویران خونی عمارت میں پھینک دیا تھا وہ لاہور شہر سے دور دراز کسی جنگل میں واقع ہے...... اس نے پلٹ کر عمارت پر نگاہ ڈالی...... یہ عمارت ایک دیو ہیکل بھوت کی طرح پھیکی چاندنی میں سر اُٹھائے کھڑی تھی...... جمشید لاہور کے گرد و نواح سے واقف تھا...... یہ ویران عمارت اس نے پہلے نہیں دیکھی تھی......وہ عمارت کی مخالف سمت کو تیز تیز چلنے لگا......اسے ہر لمحے آسیبی سائے کے حملے کا خطرہ تھا...... یہ ہو نہیں سکتا تھا کہ آسیبی سائے کو یہ علم نہ ہوا ہو کہ جمشید آسیب زدہ عمارت سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

وہ گھاس اور جنگلی جھاڑیوں کے میدان میں سے گزر رہا تھا......دُور درختوں کے سیاہ جھنڈ نظر آرہے تھے......اس کا رُخ ان درختوں کی طرف ہی تھا کہ شاید وہاں کوئی آبادی ہو اور اسے کم از کم یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کون سا شہر ہے...... کون سی جگہ ہے......وہ درختوں کے جھنڈ میں پہنچ گیا......ان درختوں میں ایک جگہ روشنی ہو رہی تھی...... عامل جمشید اس روشنی کی طرف چلنے لگا...... قریب جا کر دیکھا کہ وہاں درختوں کے درمیان ایک چھوٹی سی مسجد تھی جس کے دروازے کے اُوپر طاق میں چراغ روشن تھا...... مسجد کا دروازہ کھلا تھا۔

اس نے دروازے میں سے جھانک کر دیکھا۔

مسجد کے صحن کے آدھے حصے پر زرد چاندنی پھیلی ہوئی تھی...... صحن خالی تھا...... معلوم نہیں رات کا کیا بجا ہو گا......اس کا دل بے اختیار مسجد میں داخل ہونے کو چاہا، لیکن یہ سوچ کر اس کے قدم رُک گئے کہ وہ مسلمان نہیں ہے...... آتش پرست ہے...... مسجد میں جانے سے کہیں مسجد کی بے حرمتی نہ ہو جائے......وہ وہیں سے واپس مڑا تو ایک آواز اس کے کان میں پڑی۔

"ڈرو نہیں بیٹا...... یہ خدا کا گھر ہے......اندر آجاؤ۔"

جمشید کے قدم وہیں رُک گئے......اس نے پلٹ کر ایک بار پھر مسجد کے خاموش پُرسکون صحن کو دیکھا...... صحن اسی طرح خالی تھا...... آواز مسجد کے اندر ہی سے آئی تھی...... آواز میں محبت اور شفقت تھی...... جمشید نے مسجد کے دروازے کے باہر جوتے اتارے اور بڑے ادب کے ساتھ مسجد میں داخل ہو گیا...... مختصر سا صحن تھا...... صحن کے آگے مسجد کی چھت کے نیچے ایک جگہ منبر کے پاس دو چراغ ساتھ ساتھ جل رہے تھے......ان کی روشنی میں جمشید نے ایک سفید ریش نورانی چہرے والے بزرگ کو دیکھا جو چٹائی پر بیٹھے تھے...... سر پر سبز عمامہ تھا......ہاتھ میں تسبیح تھی...... آنکھوں میں شفقت اور محبت کی چمک تھی...... جمشید نے بڑے ادب سے سلام کیا اور ہاتھ

باندھ کر اسی طرح کھڑا رہا۔

نورانی چہرے والے بزرگ نے کہا۔

"بیٹھ جاؤ بیٹے۔"

جمشید بزرگ کے سامنے دوزانوں ہو کر بیٹھ گیا...... بزرگ نے کہا۔

"بیٹا! تمہارے سینے میں اللہ کی وحدانیت کا جو چراغ روشن ہوا ہے اس کی روشنی کو کب تک چھپائے رکھو گے...... تمہیں اللہ تعالیٰ نے سیدھی راہ دکھادی ہے...... کفر اور شرک کے راستے کو چھوڑ کر اللہ کے دکھائے ہوئے راستے پر کیوں نہیں آجاتے؟"

جمشید سمجھ گیا کہ یہ روشن ضمیر بزرگ ہیں...... ان سے اپنے دل کی بات نہیں چھپانی چاہئے، اس نے کہا۔

"بزرگ محترم! میں بھی یہی چاہتا ہوں لیکن مجھے کسی راہ پر کامل کی تلاش تھی شاید۔"

بزرگ نے فرمایا۔

"راہ پر کامل تو خداوند تعالیٰ کی ذات ہی ہے...... اس نے تمہیں راہ تو دکھادی ہے...... تمہاری راہنمائی تو کر دی گئی ہے...... اب تم اسلام قبول کرنے سے کیوں جھجک رہے ہو؟"

عامل جمشید بولا۔

"محترم بزرگ! میں جھجک نہیں رہا تھا...... میں یہ نہیں جانتا کہ اسلام قبول کرنے کے لئے مجھے کیا کچھ کرنا ہوگا...... کون کون سی ضروری رسمیں ادا کرنی ہوں گی۔"

بزرگ نے مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا۔

"میرے عزیز! اسلام قبول کرنے کے واسطے کسی رسم و رواج کی ضرورت نہیں ہے...... صرف تمہیں کلمہ پاک میرے ساتھ پڑھنا ہوگا...... کلمہ پاک پڑھنے کے بعد تم مسلمان ہو جاؤ گے، لیکن کلمہ پاک تمہیں صدق دل سے پڑھنا ہوگا۔"

جمشید بولا۔

"محترم بزرگ! میں صدق دل سے مسلمان ہونا چاہتا ہوں، کیونکہ یہی ایک دین ایسا ہے جس میں مجھے نہ صرف اپنی بلکہ تمام عالم انسانیت کی نجات نظر آتی ہے۔"

بزرگ نے جمشید سے کہا۔

"اپنا دایاں ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دو۔"

جمشید نے ایسا ہی کیا...... نورانی چہرے والے بزرگ نے کہا۔

"جیسے میں بولوں میرے ساتھ بولتے جاؤ۔"

اس کے بعد بزرگ نے جمشید کو کلمہ پڑھایا اور بولے۔

"مبارک ہو بیٹا! تم کفر و شرک کے اندھیروں سے نکل کر اسلام کے نورانی حلقے میں داخل ہو گئے ہو...... میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں راہِ مستقیم پر چلتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔"

نورانی بزرگ نے جمشید کو گلے سے لگا کر اس کا ماتھا چوما اور فرمایا۔

"بیٹا! تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو...... مجھے تمہارے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔"

جمشید نے بڑی عاجزی سے کہا۔

"محترم بزرگ! اگر آپ میرا حال جانتے ہیں تو مجھ پر ایک عنایت کیجئے اور مجھے ان منحوس بدرُوحوں سے نجات دلائیں جو میری جان کی دُشمن ہیں اور میرے پیچھے لگی ہوئی ہیں۔"

بزرگ نے فرمایا۔

"بیٹا! یہ اللہ کے اختیار میں ہے، میرے اختیار میں نہیں ہے...... میں تمہارے لئے دُعا کر سکتا ہوں...... تم بھی اللہ کے حضور دعا کرو اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ انسان دُنیا میں جو اچھے برے عمل کرتا ہے اس کا نتیجہ نکل کر رہتا ہے...... تم نے زندگی

میں جو اچھے عمل کئے ہیں یہ ان کا نتیجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ پر آ گئے ہو...... تم نے زندگی میں جو گناہ کئے ہیں یہ ان کا نتیجہ ہے جو بدرُوحوں اور آسیب کی صورت میں تمہارا پیچھا کر رہا ہے...... ہاں اگر خدا چاہے تو تمہارے سارے گناہ معاف کر سکتا ہے...... یہ اختیار صرف اللہ کی ذات پاک کے پاس ہی ہے...... کسی کی مجال نہیں کہ اس میں دخل دے سکے۔"

جمشید نے ندامت آمیز لہجے میں کہا۔

"بزرگ محترم! جب میں آتش پرست تھا اور کفر اور شرک کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا تو میرے شیطانی جادو ٹونے کے عمل سے کچھ بے گناہ مر گئے تھے...... میں نے دولت کے لالچ میں آ کر کئی حقداروں کے حق چھین کر کالے جادو کے عمل سے ان لوگوں کے حوالے کر دیئے جو حقدار نہیں تھے...... آج میرے یہ گناہ میرے ضمیر کو کچوکے لگا رہے ہیں۔"

بزرگ نے فرمایا۔

"یہ ان ہی گناہوں کی سزا ہے جو تم بھگت رہے ہو...... دُنیا میں ہی یہ تمہارا چھوٹا سا جہنم ہے جس کی آگ تمہیں جلا رہی ہے۔"

جمشید نے پوچھا۔

"میں اس جہنم میں آخر کب تک جلتا رہوں گا؟"

بزرگ نے فرمایا۔

"جب تک کہ تمہاری رُوح کے وہ داغ نہیں دُھل جاتے جو تم نے اپنے اعمال کے ذریعے اس پر لگائے ہیں، مگر خدا غفور الرحیم ہے...... وہ اگر چاہے تو تمہارے گناہ معاف کر سکتا ہے...... اس کے لئے تم ہر وقت اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت کی دعا مانگتے رہو۔"

جمشید سر جھکا کر خاموش ہو گیا...... بزرگ نے فرمایا۔

"مایوسی گناہ ہے...... تمہیں اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے...... کسی

بھی لمحے تمہاری دعا قبول ہو سکتی ہے اور تمہاری بخشش کا سامان پیدا ہو سکتا ہے...... اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھو اور نیک عمل کرتے رہو...... تمہارا یہ دور بڑی جلدی ختم ہو جائے گا۔"

جمشید نے سر اُٹھا کر عاجزی سے پوچھا۔

"کیا کبھی عفریتی ڈائن کے آسیبی سائے سے مجھے چھٹکارا مل سکے گا۔"

اس کے جواب میں بزرگ نے فرمایا۔

"ایسا وقت انشاء اللہ بہت جلد آ جائے گا، اب تم جا سکتے ہو...... خدا تمہاری حفاظت کرے۔"

یہ کہہ کر جمشید نے ادب سے بزرگ کو سلام کیا اور باہر مسجد کے صحن میں آ گیا۔ ایک سوال اچانک جمشید کے دل میں پیدا ہوا...... وہ اس سوال کا جواب بزرگ محترم سے پوچھنا چاہتا تھا، چنانچہ وہ صحن میں ہی واپس پلٹ کر مسجد کے کمرے میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر بڑا حیران ہوا کہ نورانی چہرے والا بزرگ وہاں نہیں تھا...... طاق میں دیا ضرور روشن تھا...... ایک لمحے کے لئے جمشید خاموشی اور احترام کے ساتھ اس جگہ کو دیکھتا رہا جہاں تھوڑی دیر پہلے بزرگ تشریف فرما تھے...... پھر وہ سر جھکائے مسجد سے باہر آ گیا۔

اس وقت آسمان پر صبح کا نور پھیل رہا تھا۔

جمشید اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے آپ کو ایسے محسوس کر رہا تھا جیسے اس کا سینہ نورِ ایمانی سے روشن ہو گیا ہو...... اسے یقین ہو گیا تھا کہ عفریتی کا آسیب اب اسے موت کی اذیت میں مبتلا نہیں کر سکے گا...... اسے ہلاک نہیں کر سکے گا، لیکن اسے اپنے گناہوں کی سزا بھی بھگتنی تھی...... وہ جانتا تھا کہ عفریتی کا آسیب اس کا پیچھا کر رہا ہے اور جیسے ہی موقع ملا وہ اس پر اپنی شیطانی طاقتوں سے حملہ کر دے گا...... جمشید ان شیطانی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کے واسطے بالکل تیار تھا...... وہ ایک آبادی کے قریب سے گزرا تو دن کی روشنی میں اس نے اس آبادی کو پہچان لیا اور یہ جان کر اسے اطمینان

ہوا کہ وہ اپنے شہر لاہور میں ہی ہے...... وہ پیدل ہی چلتا اپنے مکان پر آ گیا۔

نوکر عبدل نے اسے دیکھ کر کہا۔

"مالک! آپ کہاں چلے گئے تھے؟"

جمشید بولا۔

"ایک ضروری جگہ جانا تھا...... وہاں چلا گیا تھا۔"

پھر اس نے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے نوکر سے کہا۔

"میں ایک ضروری کام کر رہا ہوں...... کسی کو اندر مت آنے دینا۔"

اپنے کمرے میں آتے ہی اس نے پہلا کام یہ کیا کہ کالے جادو ٹونے کی جو چند ایک کاپیاں اور دو کتابیں اس کے پاس تھیں انہیں پھاڑ کر پرزے پرزے کر دیا اور ان پرزوں کو ایک ڈبے میں بند کر کے رکھ لیا...... دوپہر ہو گئی، نوکر نے باہر سے پوچھا۔

"مالک! کھانا لے آؤں؟"

جمشید نے محسوس کیا کہ اسے بھوک بالکل ہی نہیں ہے...... اس نے کہا۔

"کچن میں رہنے دو...... ابھی مجھے بھوک نہیں ہے۔"

جمشید قبلہ رو ہو کر بیٹھا آنکھیں بند کئے کلمہ پاک کا ورد کرتا اور خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہا...... شام ہو گئی تو نوکر نے ایک بار پھر دروازے پر دستک دے کر کھانے کے بارے میں پوچھا۔

جمشید نے آہستہ سے جواب دیا۔

"عبدل! میرا کھانا کچن میں رکھ کر تم چلے جاؤ...... میں خود ہی کھا لوں گا۔"

"جیسے آپ کی مرضی مالک! میں جا رہا ہوں۔"

نوکر عبدل نے کھانا کچن میں ہی ڈھانپ کر رکھ دیا اور چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد جمشید کمرے سے نکل آیا...... دالان میں آ کر اس نے آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر دیکھا...... آسمان پر شروع رات کے اِکا دُکا ستارے نکلے

ہوئے تھے...... سردی بڑھ گئی تھی...... جمشید اس خیال سے کچن میں آ گیا کہ کھانا وغیرہ کھا لے، مگر اس نے محسوس کیا کہ اس کی بھوک غائب ہو چکی ہے...... اسے پیاس بھی نہیں لگ رہی تھی، حالانکہ صبح سے بلکہ گزشتہ رات سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا...... اسے کسی قسم کی کمزوری بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی...... یہ ایک عجیب پُراسرار تبدیلی اس کے اندر پیدا ہو چکی تھی...... یہ تبدیلی جمشید کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی...... وہ بغیر کچھ کھائے پیئے واپس اپنے کمرے یا بیٹھک میں آ گیا۔

جب رات ذرا گہری ہوئی تو اس نے وہ ڈبہ اُٹھا لیا جس میں اس نے کالے جادو کے منتروں والے کاغذ پھاڑ کر ان کے پرزے بند کئے ہوئے تھے...... گرم جیکٹ پہنی اور باہر نکل کر دالان میں آیا...... دالان میں ایک جانب بلب جل رہا تھا...... سرد ہوا کا جھونکا اس کے چہرے کو چھو کر گزر گیا...... اس نے نگاہیں اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا...... اسے آسمان پر کوئی ستارہ نظر نہ آیا...... پھر اسے بادلوں کی ہلکی سی گرج سنائی دی...... جمشید وہیں رُکا رہا...... اس کے پاس کالے جادو ٹونے کے شیطانی منتروں کے پھٹے ہوئے پرزوں والا ڈبہ تھا...... وہ اس نے اپنے آبائی آتش پرستوں کے قبرستان میں کسی جگہ دفن کرنا تھا...... اسے آتش پرستوں کے قبرستان میں دفن کرنا ضروری تھا...... اس کو جلانے یا اس کی راکھ کو کسی دوسری جگہ دفن کرنے میں خطرہ تھا کہ وہاں کوئی آتش پرست بدرُوح اپنا بسیرا نہ بنا لے...... یہ آتش پرست بدرُوح انسانوں کے لئے مصیبت کا باعث بن سکتی تھی، چنانچہ جمشید کے لئے لازمی ہو گیا تھا کہ وہ کالے جادو ٹونے کے پھٹے ہوئے پرزوں کو آتش پرستوں کے پرانے قبرستان میں ہی کسی جگہ دفن کرے...... اسے یہ خطرہ بھی تھا کہ اسی پرانے آتش پرستوں کے قبرستان میں چلہ کرتے ہوئے اسے نسطور جادوگر کی بدرُوح نے اپنے قبضے میں کر لیا تھا اور اس کے عذابوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

لیکن اسے یہ بھی گوارا نہیں تھا کہ کسی دوسری جگہ کالے جادو کے پھٹے ہوئے

پرزوں کو دفن کرنے کے بعد کوئی شیطانی بدرُوح بیدار ہو جائے اور بے گناہ معصوم انسانوں کو اپنے آسیب کے ظلم و ستم کا نشانہ بنائے، چنانچہ اس نے مکان کو تالا لگایا اور سرد اندھیری رات میں آتش پرستوں کے قبرستان کی طرف پیدل ہی روانہ ہو گیا...... اس وقت رات کافی گہری ہو چکی تھی...... آسمان کو بادلوں نے ڈھانپ رکھا تھا...... کسی کسی وقت بجلی چمکتی تو دُور بادلوں کی گرج سنائی دے جاتی تھی...... آتش پرستوں کا قبرستان وہاں سے زیادہ دُور نہیں تھا...... اس نے ریلوے لائن کا پھاٹک عبور کیا اور کھیتوں کے درمیان سے گزرنے لگا۔

کچھ دیر چلنے کے بعد اسے دُور سے آتش پرستوں کے قبرستان کے درختوں کا جھنڈ نظر آنے لگا...... وہاں سے وہ بائیں جانب ہو گیا...... وہ قبرستان کی پچھلی جانب سے داخل ہونا چاہتا تھا...... اس طرح وہ نسطور جادوگر کی قبر سے دُور ہو جاتا تھا...... قبرستان کی پچھلی جانب بھی ویران پڑی تھی...... جگہ جگہ جنگلی جھاڑیاں اور گھاس اُگی ہوئیں تھیں...... اندھیرے میں اسے اتنا ضرور دکھائی دے رہا تھا کہ وہ راستہ تلاش کر سکے...... قبرستان کی ٹوٹی پھوٹی دیوار آ گئی...... جمشید وہاں رُک گیا...... اس دیوار کی دوسری جانب آتش پرستوں کے قبرستان کی حدود شروع ہو جاتی تھی اور آتش پرستوں کی قبریں تھیں...... وہ شکستہ کچی دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا...... ایک جگہ دیوار گری ہوئی تھی...... جمشید نے وہاں رُک کر اپنے دائیں بائیں دیکھا...... قبرستان میں سناٹا چھایا ہوا تھا...... آتش پرستوں کی ویران قبروں پر دُھند کی ایک چادر سی پھیلی ہوئی تھی۔

بجلی چمکی...... بادل گرجے تو جمشید کے پیچھے ایک سایہ اندھیرے میں قبرستان کی دیوار کی اوٹ میں سے نکل کر اس کے قریب آ گیا...... جمشید اس سائے کو نہ دیکھ سکا...... یہ عفریتی ڈائن کے آسیب کا سایہ تھا...... کالے جادو کے پرزوں والا ڈبہ اس کے ہاتھ میں تھا...... وہ دیوار کے شگاف میں سے گزر کر قبرستان کی حدود میں داخل

ہو گیا...... آسیبی سایہ چند فٹ کے فاصلے پر اس کا تعاقب کر رہا تھا...... سرد رات کی تاریکی میں جمشید کو پرانی قبریں نظر آ رہی تھیں...... کچھ قبریں ڈھے چکی تھیں...... کچھ قبروں کی ڈھیریاں ہی باقی رہ گئی تھیں...... وہ ایک قبر کی ڈھیری سے کوئی دس فٹ کے فاصلے پر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں سے مٹی ہٹانی شروع کر دی...... سینکڑوں سال کی پرانی مٹی موسم کے گرم سرد تھپیڑے کھانے کے بعد بھر بھری ہو رہی تھی...... بڑی جلدی اس نے ایک چھوٹا سا گڑھا کھود لیا...... اس نے ڈبے کا ڈھکن کھول کر اس میں کالے جادو کے پھٹے ہوئے منتروں کے پرزے ڈالے...... کاغذ کے ایک ٹکڑے کو جیب سے ماچس نکال کر آگ لگائی اور اسے گڑھے کے اندر رکھ دیا۔

دیکھتے دیکھتے کاغذ کے پرزوں نے آگ پکڑ لی...... گڑھے کے اندر کالے جادو کے پرزے شعلوں کی لپیٹ میں آ کر جلنے لگے...... شعلوں کی چمک قریبی قبر کی ڈھیری پر پڑنے لگی...... جمشید اُٹھ کھڑا ہوا اور نفرت انگیز نگاہوں کے ساتھ جلتے ہوئے کاغذوں کے شعلوں کو تکنے لگا...... جب سارے کاغذ جل کر راکھ ہو گئے تو اس نے مٹی ڈال کر گڑھے کو بھر دیا...... اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے کفر اور شرک کی لاش کو زمین کے اندر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا ہو۔

ماچس ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھی...... اس نے ماچس جیب میں رکھی اور واپس پلٹنے ہی لگا تھا کہ اچانک قریب ہی جو قبر کی ڈھیری تھی وہ ایک چیخ کی آواز کے ساتھ پھٹ گئی اور اس کی مٹی اُڑ کر جمشید کے چہرے پر گری...... وہ گھبرا کر بھاگنے لگا مگر اس کے قدموں نے بھاگنے سے انکار کر دیا...... اس کے قدم جیسے زمین نے جکڑ لئے تھے...... پھٹی ہوئی قبر میں سے آگ کا ایک زرد اور سرخ شعلہ ایک دھماکے کے ساتھ بلند ہوا...... جیسے کوئی آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑا ہو...... بادلوں کی قیامت خیز گرج کے ساتھ بجلی کی چمک نے قبرستان کی تاریک فضا کو چکا چوند کر دیا...... اس چمک میں جمشید کو پھٹی ہوئی قبر میں سے ایک سیاہ انسانی ہیولا اُبھرتا ہوا دکھائی دیا...... اس کے فورا

بعد اندھیرا چھا گیا۔

پھٹی ہوئی قبر کے اندر جیسے کسی نے آگ کا بہت بڑا تنور روشن کر دیا تھا..... قبر کے اندر سے آگ کے شعلے باہر کو اُٹھ رہے تھے..... ان شعلوں میں سیاہ انسانی ہیولا گردش کرنے لگا اور اسی طرح گردش کرتا جمشید کی طرف لپکا..... جمشید نے بھاگ جانا چاہا مگر اس کے پاؤں پتھر بن چکے تھے..... وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ ہل سکا اور سیاہ انسانی ہیولے نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اس کے گرد بگولے کی طرح دیوانہ وار گردش کرنے لگا..... بگولے میں سے انسانوں کی چیخ و پکار کی لرزا دینے والی آوازیں بلند ہو رہی تھیں..... جمشید نے گھبرا کر دونوں ہاتھوں سے کان بند کر لئے مگر اس کے باوجود انسانی چیخوں کی آوازیں اس کے کانوں کے پردے پھاڑ رہی تھیں..... پھر ایسا ہوا کہ دہشت زدہ ہو کر جمشید کے حلق سے بھی ایک بھیانک چیخ بلند ہوئی اور زمین نے اس کے پاؤں چھوڑ دیئے اور وہ سیاہ انسانی ہیولے کے ساتھ ہی گردش کرنے لگا۔

اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا..... اس کے کانوں میں انسانی چیخوں کی گونج تھی اور اس کا جسم سیاہ انسانی ہیولے کی لپیٹ میں آ کر خوفناک رفتار کے ساتھ گھوم رہا تھا..... گھومتے گھومتے گردش کرتے کرتے وہ زمین سے بلند ہو گیا اور پھر اسے کوئی ہوش نہ رہا..... صرف اتنا احساس تھا کہ وہ آندھیوں کے طوفان میں گردش کرتا ایک طرف کو تنکے کی طرح اڑتا جا رہا ہے..... اس کے بعد جمشید کا یہ احساس بھی ختم ہو گیا۔

جب اس کے ہوش و حواس واپس آئے تو اس نے آنکھیں کھول دیں..... اس کے سارے بدن میں سوئیاں سی چبھ رہی تھیں..... وہ گھپ اندھیرے میں کسی سخت جگہ پر پڑا تھا..... اس نے بازو کھولے تو اس کی کہنیاں سخت دیوار سے ٹکرائیں..... وہ جلدی سے اٹھا تو اس کا سر چھت سے ٹکرا گیا..... تب اس پر یہ حقیقت کھلی کہ وہ ایک صندوق کے اندر بند ہے، حیران بھی ہوا..... پریشان بھی ہوا کہ اس صندوق میں اسے کس لئے بند کیا گیا ہے..... اس خیال سے وہ گھبرا گیا کہ کہیں ایک بار پھر اسے کسی قبر

میں دفن نہ کر دیا ہو..... صندوق کے کسی سوراخ میں سے تازہ ہوا اندر آ رہی تھی..... اس کا مطلب تھا کہ وہ قبر میں نہیں ہے..... اسے کچھ آوازیں سنائی دیں..... جیسے صندوق کے قریب کچھ لوگ چلتے پھرتے باتیں کر رہے ہوں..... اس نے کان لگا کر سننے کی کوشش کی مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

آہستہ آہستہ آوازیں دُور ہوتے ہوتے غائب ہو گئیں۔

گہرا سناٹا چھا گیا..... اسے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کب تک صندوق میں بند پڑا رہا..... اسے قدموں کی آہٹ سنائی دی..... قدموں کی آہٹ اس کے صندوق کے قریب آ کر رُک گئی..... اس کے بعد اس کے صندوق کو اُٹھا لیا گیا..... وہ لوگ صندوق اُٹھا کر کہیں لے جا رہے تھے..... کبھی صندوق دائیں طرف گھوم جاتا، کبھی بائیں طرف گھوم جاتا، صندوق لے جانے والوں کے قدموں کی آواز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ لوگ پتھریلے فرش پر چل رہے ہیں..... صندوق کو ایک جگہ رکھ دیا گیا..... صندوق اُٹھا کر لانے والوں کے قدموں کی چاپ دُور ہوتے ہوتے غائب ہو گئی..... جمشید نے صندوق کے ڈھکن کے تختے کو اندر سے اُوپر کو دبانے کی کوشش کی مگر تختہ اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا۔

جمشید کی تمام حسیات، تمام احساسات اپنی جگہ پر قائم تھے..... وہ سن بھی سکتا تھا..... بول بھی سکتا تھا، ہاتھ پیر ہلا بھی سکتا تھا..... سوچ بھی سکتا تھا، اس کی یادداشت بھی صحیح حالت میں تھی..... اسے مسجد والے نورانی بزرگ کے الفاظ یاد آ رہے تھے..... انہوں نے کہا تھا کہ تمہیں اپنے گناہوں کی سزا کسی نہ کسی شکل میں ضرور بھگتنا پڑے گی..... تمہاری سزا کی شدت میں کمی ہو سکتی ہے لیکن تم سزا سے بچ نہیں سکتے..... ہاں اگر خدا چاہے تو تمہارے گناہوں کو معاف کر سکتا ہے..... جمشید اب آتش پرست نہیں تھا..... اس نے اسلام قبول کر لیا تھا..... اسلام قبول کرنے کے بعد وہ اپنے اندر ایک نئی طاقت اور نئی ہمت محسوس کر رہا تھا، جس زمانے میں وہ جادوٹونے

کا مشرکانہ کام کیا کرتا تھا اسے اس زمانے میں کئے ہوئے اپنے سارے گناہ یاد آ رہے تھے...... اسے یاد آ رہا تھا کہ ایک بار ایک عورت اس کے پاس آئی تھی جس نے اسے کہا تھا۔

"میرا خاوند بڑا دولت مند آدمی ہے...... اس میں سے میرا ایک بیٹا ہے، لیکن میرے خاوند کی پہلی بیوی میں سے بھی اس کا ایک بیٹا ہے...... میرا خاوند اپنی ساری جائیداد اور دولت پہلی بیوی کے بیٹے کے نام کرنا چاہتا ہے...... میں یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتی...... کوئی ایسا جادو ٹونہ کریں کہ جس کے بعد میرے خاوند کی پہلی بیوی کا بیٹا مر جائے اور ساری جائیداد اور دولت میرے بیٹے کے حصے میں آ جائے...... میں آپ کو ایک لاکھ روپے دوں گی۔"

جمشید نے دولت کے لالچ میں آ کر اس عورت کو ایک تعویذ لکھ دیا تھا جس کو گھول کر پلانے سے اس کا سوتیلا بیٹا پندرہ دنوں کے بعد فوت ہو گیا تھا، اسی طرح جمشید نے اپنے جادو ٹونے سے ایک جاگیردار کے دُشمن کو مار ڈالا تھا...... اسے ایک ایک کر کے زمانہ کفر و شرک کے اپنے سارے گناہ یاد آ رہے تھے اور وہ خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہا تھا، لیکن جو عمل اس سے سرزد ہو چکا تھا اس کا نتیجہ تو ہر حالت میں نکلنا ہی تھا...... اسے ایک بار پھر انسانی قدموں کی چاپ سنائی دی۔

قدموں کی چاپ اس کے صندوق کے پاس آ کر رُک گئی...... اسے ایسے لگا کہ اس کا صندوق کھولا جا رہا ہے...... تھوڑی دیر بعد صندوق کا ڈھکنا الگ کر دیا گیا...... صندوق کے کھلتے ہی جمشید نے دیکھا کہ صندوق کے دائیں بائیں دو آدمی کھڑے تھے...... کہنے کو تو وہ آدمی ہی تھے مگر ان کی شکلیں خوفناک بھوتوں سے بھی زیادہ خوفناک تھیں...... لمبے بال چہروں کے اُوپر گرے ہوئے تھے...... چہرے سیاہ تھے...... آنکھوں میں جیسے انگارے دہک رہے تھے...... جمشید نے پوچھا۔

"تم لوگ کون ہو؟ مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟"

دونوں بھوتوں میں سے کسی نے جواب نہ دیا...... انہوں نے جمشید کو صندوق میں سے باہر نکال کر بازوؤں سے پکڑا اور اسے لے کر چل پڑے...... جمشید نے محسوس کیا کہ ان بھوتوں کے ہاتھ بڑے گرم تھے...... وہ جگہ جہاں اس کا صندوق رکھا ہوا تھا سیاہ دیواروں اور سیاہ جھکی ہوئی چھت والا لمبا سا کمرہ تھا...... دونوں بھوت اسے اپنے ساتھ لیتے ہوئے ایک تنگ راہداری میں سے گزار کر ایک دالان میں لے آئے۔

دالان میں عجیب و غریب منظر تھا۔

دالان کے وسط میں لوہے کا ایک کھمبا گاڑا ہوا تھا جس کے اِردگرد رکھے ہوئے لکڑی کے بڑے بڑے ٹُنڈ جلنے کے بعد انگاروں کی طرح دہک رہے تھے...... اس جہنمی آگ میں لوہے کا کھمبا لال سرخ ہو رہا تھا...... آگ کے الاؤ کے گرد تھوڑے فاصلے پر لمبے بالوں، سیاہ چہروں اور دہکتی ہوئی انگارہ آنکھوں والے پچاس ساٹھ بھوت نما آدمی خاموش بیٹھے آگ میں سرخ ہو چکے لوہے کے کھمبے کو دیکھ رہے تھے اور دھیمی آواز میں منتروں کا جاپ کر رہے تھے...... الاؤ جس ایک فٹ اُونچے چبوترے پر روشن تھا اس کی ایک جانب کچھ فاصلے پر سیاہ پتھر کا ایک تخت بچھا ہوا تھا جس کے چاروں طرف مشعلیں جل رہی تھیں...... جمشید کو تخت کے قریب رکھے چوکور پتھر پر بٹھا دیا گیا۔

جمشید پریشانی کے عالم میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ لوگ اسے وہاں کس لئے لائے ہیں...... اتنے میں دالان کی ایک جانب سے ڈھول تاشوں کی آوازیں بلند ہوئیں...... الاؤ کے گرد بیٹھے ہوئے سارے بھوت اُٹھ کر کھڑے ہو گئے...... وہ کھڑے کھڑے اپنے لمبے لمبے سیاہ بالوں والے سروں کو دائیں بائیں مارتے تیز تیز منتروں کا جاپ کرنے لگے...... جمشید اس طرف دیکھنے لگا، جدھر سے ڈھول تاشوں کی آواز آ رہی تھی...... اتنے میں دالان کے ستونوں کے پیچھے سے چھ سات بھوت نما آدمی نمودار ہوئے...... انہوں نے گلے میں ڈھول اور تاشے لٹکا رکھے تھے اور دیوانہ وار انہیں ہاتھوں سے پیٹ رہے تھے...... لوگ ڈھول تاشے بجاتے

تخت کی ایک طرف آکر کھڑے ہوگئے...... ڈھول تاشوں کی تال پر وہاں پر موجود سارے بھوت جھوم جھوم کر بلند آواز میں منتر گا رہے تھے...... اچانک ڈھول تاشے بجانے والوں نے ڈھول تاشے بجانے بند کر دیئے...... اس کے ساتھ ہی بھوت نما آدمی بھی جھومتے جھومتے بالکل ساکت کھڑے ہوگئے...... وہاں ایک دم سے موت کی خاموشی چھاگئی۔

جمشید حیران نگاہوں سے ان سب کو دیکھ رہا تھا پھر ایک آواز بلند ہوئی......
یہ آواز ایک لمبی مگر دھیمی چیخ کی طرح تھی اور اس طرف سے آئی تھی جس طرف سے ڈھول بجانے والوں کا جلوس نمودار ہوا تھا...... پھر دالان کے ستونوں کے پیچھے سے ایک اور جلوس نمودار ہوا...... چار بھوت نما آدمیوں نے اپنے کندھوں پر ایک پالکی اٹھا رکھی تھی...... پالکی پر ایک لمبی جٹاؤں والا سیاہ فام بھوت نما آدمی سرخ لبادہ اوڑھے کرسی پر بیٹھا تھا...... اس کے ایک ہاتھ میں ترشول تھا اور دوسرے ہاتھ میں جلتی ہوئی مشعل تھی...... پالکی کے پیچھے تین تین کی قطار میں پندرہ بیس بھوت نما آدمی اپنے سروں کو گھماتے، بالوں کو لہراتے منتر گاتے جھومتے ہوئے چلے آرہے تھے...... یہ جلوس تخت کے پاس آکر رُک گیا...... سرخ لبادے والے بھوت نما آدمی کی پالکی تخت کے اُوپر لاکر رکھ دی گئی...... باقی بھوت نما آدمی بڑے ادب سے سر جھکا کر تخت کے دائیں بائیں اور پیچھے کھڑے ہوگئے...... الاؤ کے اِردگرد جو بھوت نما آدمی پہلے سے کھڑے تھے انہوں نے ایک نعرہ لگایا۔

"اگنی دوت کی جے ہو۔"

اس کے بعد خاموشی چھاگئی۔

پالکی پر بیٹھے ہوئے سیاہ فام بھوت نے اپنی دہکتی ہوئی انگارہ آنکھوں سے جمشید کی طرف دیکھا اور چند لمحوں تک اسے دیکھتا رہا...... جمشید کو ایسے لگا جیسے اس بھوت کی آنکھوں سے آگ کی شعاعیں نکل کر اس کے گرد گردش کر رہی ہیں۔

اچانک سیاہ فام بھوت نے ترشول والا ہاتھ اُوپر اٹھایا اور جمشید سے مخاطب ہو کر کھلی آواز میں بولا۔

"تم اگنی دیوتا کی پوجا کرنے والے آتش پرستوں کی زبان بھول چکے ہو، اس لئے میں تمہاری زبان میں تم سے بات کر رہا ہوں...... میں اگنی دیوتا کا دُوت اگنی دُوت ہوں...... تم نے اسلام قبول کر کے اگنی دیوتا کے دھرم کو بھرشٹ کیا ہے...... تم نے مہاپاپ کیا ہے...... اگنی دیوتا نے تمہیں تمہارے مہاپاپ کی سزا دینے کے لئے مجھے بھیجا ہے، لیکن اگنی دیوتا سزا دینے سے پہلے تمہیں ایک موقع دینا چاہتا ہے...... اگر تم اسلام کو چھوڑ کر دوبارہ اگنی کی پوجا کرنے والے آتش پرستوں کے دھرم میں شامل ہوجاؤ تو تمہاری سزا معاف کر دی جائے گی...... بولو...... تم کیا کہتے ہو؟"

جمشید نے پرعزم لہجے میں جواب دیا۔

"میں اسلام قبول کر کے اللہ کے دکھائے ہوئے راستے پر گامزن ہوگیا ہوں جو اللہ تک پہنچنے کا سیدھا اور سچا راستہ ہے...... میں اب کبھی کفر و شرک کی دلدل میں نہیں پھنسوں گا۔"

اگنی دُوت کی انگارہ آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے...... اس نے کہا۔

"یاد رکھو! اگر تم واپس اپنے پرکھوں، اپنے دیوی دیوتاؤں کے دھرم پر نہ آئے تو تمہارا انجام بڑا خوفناک ہوگا۔"

جمشید نے کہا۔

"اگنی دُوت! اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ ان جھوٹے دیوی دیوتاؤں کی راہ پر چل کر تمہارا کتنا خوفناک انجام ہونے والا ہے تو تم بھی فوراً میری طرح اسلام قبول کرلو۔"

اگنی دُوت کے حلق سے ایک بھیانک چیخ بلند ہوئی...... اس نے کہا۔

"اس ناستک کو ابھی جلا کر بھسم کر دو۔"

اگنی دُوت کا حکم ملتے ہی چار بھوت نما آدمی لوہے کی زنجیر لئے آگے بڑھے،

انہوں نے جمشید کے دونوں بازوؤں کو زنجیر میں جکڑا اور اسے کھینچتے ہوئے الاؤ کے وسط
میں گڑھے ہوئے آگ سے تپ کر لال سرخ کھمبے کی طرف لے جانے لگے...... الاؤ
کے قریب آ کر وہ رُک گئے...... اگنی دُوت نے چلا کر کہا۔

"مورکھ! اب بھی وقت ہے، اسلام کے دین کو چھوڑ کر اگنی دیوتا کے شرن
میں آ جاؤ۔"

جمشید نے گردن اُٹھا کر کہا۔

"آتش پرست بن کر زندہ رہنے سے میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جانے کو اپنی
خوش قسمتی سمجھوں گا۔"

اگنی دُوت پالکی سے اتر کر جمشید کے قریب آ گیا...... وہاں پر موجود سب بھوت
نما آدمی دم بخود تھے...... اگنی دُوت نے اپنا ہاتھ ایک طرف پھیلایا...... ایک بھوت نما
آدمی آگے بڑھا...... اس کے ہاتھ میں لوہے کی ڈبیا تھی...... اس نے ڈبیا کھول دی۔
ڈبیا میں سے ایک سیاہ بچھو باہر آ گیا...... اگنی دُوت نے اپنے ترشول کی نوک سے بچھو
اُٹھایا اور اُٹھا کر آگ سے سرخ ہو چکے کھمبے کے ساتھ لگا دیا...... کھمبے کے ساتھ لگتے ہی
بچھو جل کر راکھ ہو گیا۔

اگنی دُوت بولا۔

"مورکھ! تیرا بھی یہی انجام ہونے والا ہے...... میں تمہیں آخری موقع دیتا
ہوں...... آتش پرستوں کے دھرم پر واپس آ جا۔"

جمشید نے کہا۔

"تیرے اگنی دیوتا کی آگ میرے جسم کو جلا سکتی ہے، لیکن میرے ایمان کی غیر
فانی طاقت کو متزلزل نہیں کر سکتی۔"

اگنی دُوت غضبناک ہو کر واپس پالکی پر آ کر بیٹھ گیا اور بیٹھتے ہی اس نے چلا کر کہا۔

"اسے جلا کر راکھ کر دو۔"

دونوں بھوت نما آدمی زنجیر میں بندھے ہوئے جمشید کو لے کر جہنمی آگ میں
سرخ ہو چکے لوہے کے کھمبے کی طرف بڑھے...... زنجیر کا ایک سرا ایک بھوت کے ہاتھ
میں تھا اور دوسرا سرا دوسرے بھوت کے ہاتھ میں تھا اور وہ آگ کے الاؤ سے دُور رہ کر
آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے اور جمشید دہکتے ہوئے کھمبے کے قریب ہوتا جا رہا
تھا...... یہاں تک کہ اسے اپنے چہرے اور سارے جسم پر کھمبے کی تپش محسوس ہونے
لگی...... اس نے دل میں اپنے اللہ کو یاد کیا اور کہا۔

"یا اللہ! تو ساری کائنات، ساری کائناتوں کا قادرِ مطلق ہے...... میں تیری راہ میں
تیرے نام پر اپنی فانی زندگی کو قربان کرتا ہوں۔"

اور اس کے فوراً بعد دونوں بھوت نما آدمیوں نے دوڑ کر زنجیر کے دونوں سروں
کو آگے کی طرف کھینچا اور جمشید کا جسم آگ میں سرخ دہکتے ہوئے لوہے کے کھمبے کے
ساتھ لگ گیا...... جمشید کو اس دہکتے ہوئے لال سرخ کھمبے کے ساتھ لگتے ہی جل کر
راکھ ہو جانا چاہئے تھا، لیکن ایسا نہ ہوا، بلکہ دہکتے ہوئے کھمبے کے ساتھ لگتے ہی کھمبا ایک
دم بجھ کر ٹھنڈا ہو گیا اور جمشید زندہ سلامت اسی طرح کھمبے کے ساتھ لگ کر کھڑا
تھا...... یہ منظر دیکھ کر بھوت نما آدمی ڈر کر ایک ایک قدم پیچھے ہٹ گئے، جن بھوتوں
نے زنجیر تھام رکھی تھی ان پر بھی دہشت سی طاری ہو گئی۔

اس وقت اگنی دُوت نے چیخ کر کہا۔

"یہ کالا جادو ہے...... یہ آتش پرست کالا جادو جانتا ہے...... یہ اپنے کالے جادو کی
وجہ سے جلنے سے بچ گیا ہے...... اسے موت کی سرنگ میں ڈال دو۔"

زنجیر میں بندھے ہوئے جمشید کو بھوت نما آدمی کھینچتے ہوئے وہاں سے لے
گئے...... دالان کی دوسری جانب سیاہ اُونچے ستونوں کے درمیان ایک تنگ راہداری
ایک طرف جاتی تھی...... اس کے آگے دیوار نے راہداری کو بند کر دیا ہوا تھا...... اس
دیوار میں ایک گول سرنگ کا دہانہ تھا جو بہت بڑے پتھر سے بند تھا...... بھوت نما

آدمیوں نے کوئی منتر پڑھ کر دیوار پر پھونکا...... دیوار کے ساتھ لگا ہوا ہزاروں من وزنی پتھر اپنی جگہ سے تھوڑا سا کھسک گیا...... انہوں نے جمشید کے بازو زنجیر سے آزاد کئے اور اسے سرنگ میں دھکا دے دیا۔

جمشید سرنگ کے اندر گرا تو اس کے پیچھے سرنگ کا دہانہ اپنے آپ بند ہو گیا...... جمشید کچھ دیر ویسے ہی سرنگ میں زمین پر آنکھیں بند کئے پڑا رہا اور رقت بھرے دل کے ساتھ اللہ کا شکر ادا کرتا رہا کہ جس نے جہنمی آگ سے اس کو بچا لیا تھا...... پھر اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا...... سرنگ میں تاریکی چھائی ہوئی تھی...... جمشید اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا...... پہلے تو اسے اندھیرے میں کچھ بھی نظر نہ آیا...... پھر اندھیرے میں دُھندلا دُھندلا سا دکھائی دینے لگا...... وہ اُٹھ کر سرنگ میں چلنے لگا...... وہ بڑی احتیاط کے ساتھ ایک ایک قدم اُٹھاتا چل رہا تھا اور ساتھ ہی دیواروں اور چھت کا جائزہ بھی لے رہا تھا...... اگنی دُوت نے اسے موت کی سرنگ کا نام دیا تھا مگر ابھی تک سرنگ میں موت کے کوئی آثار نظر نہیں آئے تھے...... جمشید نے سوچا کہ شاید اگنی دُوت اسے سرنگ میں بند کر کے مار دینا چاہتا ہے...... سرنگ ایک طرف کو مڑ گئی تھی...... ذرا آگے جا کر جمشید نے دیکھا کہ ایک جگہ سرنگ کی دیوار کے ساتھ ایک مشعل جل رہی ہے۔

وہ جلتی ہوئی مشعل کی طرف بڑھا...... جیسے ہی مشعل کی روشنی میں آیا ایک دھماکے کی آواز بلند ہوئی...... اس نے گھبرا کر پیچھے دیکھا...... اس کے پیچھے اُوپر سے چٹانی دیوار نے گر کر سرنگ کو بند کر دیا تھا...... وہ گھبرا کر تیز قدموں سے آگے چلا تو چھ سات قدم چلنے کے بعد معلوم ہوا کہ سرنگ آگے سے بند ہے اور آگے بھی پتھر کی دیوار کھڑی ہے...... وہ سرنگ کی کشادہ قبر میں بند کر دیا گیا تھا...... واپس آ کر جہاں دیوار کے ساتھ مشعل جل رہی تھی اس کی روشنی میں بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ کیا وہاں سے وہ کبھی باہر نکل سکے گا یا نہیں؟ شاید یہی وہ موت کی سرنگ تھی جس میں اگنی دُوت نے اس کو پھینکنے کا حکم دیا تھا۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں اور خدا کو یاد کرنے لگا۔

تھوڑی ہی دیر بعد اسے بھنبھناہٹ کی آوازیں سنائی دیں...... اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا...... اسے کوئی خاص شے نظر نہ آئی...... بھنبھناہٹ کی آوازیں آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھیں...... وہ حیران ہو کر کبھی دیواروں کو دیکھتا، کبھی سرنگ کی چھت کو دیکھتا...... ہر شے اپنی جگہ پر ویسی کی ویسی تھی، مگر بھنبھناہٹ کی گنجار برابر بڑھتی جا رہی تھی...... اچانک اس کی نگاہ سات آٹھ قدموں کے فاصلے پر سرنگ کی دوسری بند دیوار کی طرف اُٹھی تو اسے مشعل کی دُھندلی روشنی میں ایسے لگا جیسے زمین پر سیاہ رنگ کی ایک لمبی لکیر اس کی طرف بڑھتی چلی آ رہی ہے...... وہ جلدی سے اُٹھ کھڑا ہوا اور غور سے اس کالی لکیر کو تکنے لگا...... بھنبھناہٹ کی آواز سے اب سرنگ کی بند فضا گونجنے لگی تھی...... سیاہ لکیر ذرا قریب آئی تو جمشید کے بدن میں خوف کی سرد لہر دوڑ گئی...... یہ کالے رنگ کے سینکڑوں ہزاروں بچھو تھے جو کالے پانی کی سیاہ لہر کی طرح زمین کے ساتھ لگے تیزی سے اس کی طرف آ رہے تھے...... وہاں ان بچھوؤں سے بچنے کی کوئی جگہ نہیں تھی...... وہ خوفزدہ ہو کر دیوار کے ساتھ لگ گیا۔

اس نے دیوار پر چڑھنے کی کوشش کی مگر دیوار چٹان کی ہموار سطح کی طرح تھی...... وہ دائیں طرف کو ہو گیا...... بچھو اس طرف سے بھی آ رہے تھے...... وہ بائیں طرف ہو گیا، مگر بچھو اس طرف سے بھی آگے بڑھتے چلے آ رہے تھے...... ہزاروں بچھوؤں کی وجہ سے سرنگ کی زمین سیاہ ہو گئی تھی...... جمشید نے اُچھل کر دیوار پر لگی ہوئی مشعل کو پکڑنے کی کوشش کی مگر مشعل زمین سے کافی بلندی پر تھی...... وہاں تک اس کا ہاتھ نہ جا سکا...... اس دوران سینکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں بچھو اس کے پاؤں کے نزدیک پہنچ گئے تھے...... کچھ بچھو دیواروں پر چڑھ کر اس کی طرف بڑھ رہے تھے...... جمشید بے اختیار ہو کر بچھوؤں کو پاؤں سے کچلنے کی کوشش کرنے لگا، لیکن جہاں ہزاروں لاکھوں بچھو ہوں وہاں وہ کیا کر سکتا تھا...... بچھو اس کی ٹانگوں پر

چڑھ گئے اور انہوں نے اسے ڈسنا شروع کر دیا...... دو تین بچھوؤں کے ڈسنے سے ہی جمشید کا جسم سن ہو کر درخت کے کٹے ہوئے ٹہن کی طرح گر پڑا......اس کے گرتے ہی بچھو اس کے سارے جسم پر چڑھ گئے۔

بچھوؤں نے جمشید کے جسم کو نوچ نوچ کر کھانا شروع کر دیا...... بچھوؤں کے ڈنک کے زہر سے اس کا جسم مکمل طور پر بے حس ہو گیا تھا...... اس کی آواز بند ہو گئی تھی...... وہ صرف دیکھ اور سن سکتا تھا...... وہ خوفناک سے خوفناک آسیبوں اور خطرناک سے خطرناک ڈائنوں کا شکار ہوا تھا مگر اس نے آج تک ایسی اذیت نہیں دیکھی تھی جس اذیت کو وہ اپنی آنکھوں سے اپنے جسم پر وارد ہوتے دیکھ رہا تھا...... آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس آدمی کا جسم اس کی آنکھوں کے سامنے بچھو کتر کتر کر کھا رہے ہوں اور وہ ہاتھ بھی نہ ہلا سکتا ہو تو اس کی حالت کیا ہو گی۔

جمشید عبرت ناک بے بسی کی حالت میں اپنے جسم کو ریزہ ریزہ ہوتے دیکھ رہا تھا...... اس کے لباس کے چیتھڑے اُڑ گئے تھے...... اس کا سارا جسم عریاں ہو گیا تھا اور اس کے سارے جسم پر سیاہ بچھو چمٹے ہوئے تھے اور اس کو کتر کتر کر کھا رہے تھے...... اس کے حلق سے پہلے المناک چیخیں بلند ہوئیں...... پھر یہ چیخیں کراہوں میں تبدیل ہو گئیں اور آخر میں یہ کراہیں بھی معدوم ہو گئیں...... بچھو اس کے چہرے کا سارا گوشت کھال سمیت کھا گئے تھے...... صرف اس کی آنکھوں کے ڈیلے باقی رہ گئے تھے...... اس کے حلق سے بلبلاہٹ کی لرزہ طاری کر دینے والی آواز نکلی اور بچھو اس کے جسم سے اترنا شروع ہو گئے...... جب سارے کے سارے سیاہ بچھو اس کے جسم سے اتر کر بھنبھناہٹ کی گنجار کے ساتھ جدھر سے آئے تھے، اس طرف کو واپس چلے گئے تو جمشید نے ڈیلے گھما کر اپنے جسم پر نگاہ ڈالی...... وہ خوف کے مارے اپنی آنکھیں بھی بند نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ بچھو اس کی آنکھوں کی پلکیں اور پپوٹے بھی کھا گئے تھے...... مشعل کی روشنی میں اس کو اپنے جسم کی ساری ہڈیاں ہی ہڈیاں نظر آ رہی تھیں...... جسم

کی کسی ہڈی پر گوشت کا ایک ذرہ بھی نہیں بچا تھا...... سینکڑوں ہزاروں بچھوؤں کے زہر سے اس کی ہڈیاں سیاہ ہو گئی تھیں۔

دہشت کے مارے اس پر غشی کی حالت طاری ہو گئی۔

اسے کوئی ہوش نہ رہا...... وہ کب تک اس حالت میں رہا اسے یہ خبر بھی نہیں تھی...... جب اسے ہوش آیا تو اس نے آنکھوں کے ڈیلے گھمائے...... اس پر یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ اس کا جسم اور اس کے جسم کا گوشت پوست واپس آ چکا تھا...... وہ بار بار آنکھوں کی پلکیں جھپکانے لگا...... وہ اپنی اصلی حالت میں تھا...... وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا، وہ اسی سرنگ میں تھا اور دیوار پر مشعل اسی طرح جل رہی تھی...... اس نے کھڑا ہونا چاہا مگر وہ اپنے نچلے دھڑ کو نہ ہلا سکا...... اس کا نچلا دھڑ جیسے زمین کے ساتھ پیوست ہو چکا تھا، مگر اس کی ٹانگیں بے جان نہیں ہوئی تھیں...... اس نے اپنے نچلے دھڑ پر ہاتھ پھیرا تو اس کو اپنے نچلے دھڑ کے زندہ ہونے کا احساس ہوا۔

یہ بڑی خوفناک حالت تھی...... اس نے اپنا اُوپر والا دھڑ دیوار کے ساتھ لگا دیا اور سوچنے لگا کہ اس عذاب سے اسے کیسے چھٹکارا مل سکے گا...... اس کے اختیار میں کچھ نہیں تھا...... وہ جانتا تھا کہ یہ اسے اس کے گناہوں کی سزا مل رہی ہے اور جب تک سزا کا مرحلہ ختم نہیں ہو جاتا اسے سزا کو بھگتنا ہو گا...... وہ راضی بہ رضا تھا اور دل میں خداوند کریم سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہا تھا...... اتنے میں اسے ایک بار پھر وہی بچھوؤں کی بھنبھناہٹ کی لرزا دینے والی آواز سنائی دی...... اس کی نگاہیں سرنگ کی اس دیوار کی طرف اُٹھ گئیں جہاں سے کچھ دیر پہلے بچھوؤں کی فوج نمودار ہوئی تھی...... اس نے دیکھا کہ ہزاروں لاکھوں سیاہ بچھو کالے پانی کی لہر کی طرح سرنگ کی دیوار سے نکل کر اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔

وہ ایک بار پھر اسی المناک اذیت سے گزرنے والا تھا جس میں سے وہ پہلے گزر چکا تھا...... خوف کے مارے اس کے ہونٹ کانپنے لگے...... منہ سے عجیب قسم کی کراہیں

اپنے آپ نکلنے لگیں...... بچھوؤں کی فوج اب اس کے قریب پہنچ گئی تھی...... اس نے اپنے پاؤں اُوپر کھینچنے کی کوشش کی مگر اس کی ٹانگوں نے اپنی جگہ سے بالکل حرکت نہ کی...... اس نے آنکھیں بند کر لیں...... بچھو اس کے جسم پر چڑھنے لگے...... بچھوؤں کی پہلی قطار نے اس کی ٹانگوں کو ڈسنا شروع کر دیا...... جمشید نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں...... بچھو اس کی ٹانگوں کا گوشت کھانے کے بعد اب اس کے پیٹ تک آ گئے تھے...... وہ ہاتھوں سے بچھوؤں کو مارنے اور الگ کرنے کی ناکام کوشش کرنے لگا...... بچھو اس کے ہاتھوں اور پھر بازوؤں سے چمٹ گئے اور انہیں ڈسنے اور ہاتھوں اور بازوؤں کا گوشت کھانے لگے۔

اس کے جسم کو جیسے کوئی کاٹ کاٹ کر قیمہ بنا رہا تھا۔

جمشید یہ اذیت زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکا اور بے ہوش ہو گیا...... اسے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کب تک بے ہوش رہا...... جب اسے ہوش آیا تو اس کی آنکھوں کے حلقوں میں صرف دو ڈیلے ہی باقی رہ گئے تھے، اس کے جسم کا سارا گوشت بچھوؤں نے کھا لیا تھا...... مشعل کی روشنی میں اس نے دیکھا کہ اس کے جسم کی صرف ہڈیاں ہی باقی رہ گئی تھیں...... خوف سے اس کی چیخ نکل گئی اور وہ بے ہوش ہو گیا...... عذاب کا یہ عمل بار بار دہرایا جانے لگا...... سیاہ بچھوؤں کی فوج آ کر اس کے جسم پر چڑھ جاتی اور اس کا گوشت کھا کر اسے ہڈیوں کا پنجر بنا کر واپس چلی جاتی...... جمشید بے ہوش ہو جاتا...... جب ہوش آتا تو اس کا جسم اصلی حالت میں واپس آ چکا ہوتا تھا...... اس کے بعد ایک بار پھر سیاہ زہریلے بچھو موج در موج سرنگ کی دیوار میں سے نمودار ہوتے اور اس کے جسم سے چمٹ کر اسے ڈستے اور اس کے جسم کا سارا گوشت کھانے کے بعد واپس چلے جاتے۔

سرنگ کے اندر نہ کوئی دن تھا، نہ رات تھی، نہ صبح تھی، نہ شام تھی، نہ کوئی ساتھی تھا، نہ کوئی مددگار تھا...... جمشید کی اکیلی جان تھی اور ناقابل برداشت عذاب کا اذیت ناک عمل تھا جسے بار بار دہرایا جا رہا تھا...... جمشید کو جس وقت ہوش آتا تو اپنے

کے سیاہ ہڈیوں کے پنجر کو دیکھ کر وہ خدا سے اپنے گناہوں کی معافیاں مانگنے لگتا۔ گزر رہا تھا مگر جمشید کو وقت کے گزرنے کا بالکل احساس نہیں تھا...... بار بار اس جسم سے بچھو چمٹ کر اس کے گوشت کو کتر کتر کر کھاتے اور پھر کچھ وقت رجانے پر اس کا جسم اصلی حالت میں آتا اور ایک بار پھر بچھوؤں کی فوج نمودار ہوتی اس کے جسم کو ڈسنے اور کھانے لگتی...... اذیت اور ناقابل برداشت کرب کا ایک لسل عمل تھا جس میں سے جمشید گزر رہا تھا۔

دن گزر گئے تھے یا مہینے گزر گئے تھے...... اس کا جمشید کو کچھ احساس نہیں رہا تھا۔ رایک دن ایسا ہوا کہ زہریلے بچھوؤں کی فوج اس کے جسم کو ہڈیوں کا پنجر بنا کر جا چکی ی اور وہ بے ہوش ہو چکا تھا کہ حسب معمول کچھ وقت گزرنے پر اسے ہوش آیا تو ں نے دیکھا کہ وہ گھپ اندھیرے میں ہے، اس نے سوچا شاید سرنگ میں جلتی رہنے الی مشعل بجھ گئی ہے...... پہلے اس کا صرف اُوپر والا دھڑ ہی حرکت کر سکتا تھا...... نچلا ھڑ حرکت نہیں کرتا تھا، مگر اب اسے محسوس ہوا کہ وہ اپنے نچلے دھڑ کو بھی ہلا سکتا ہے، وہ جلدی سے اُٹھ کھڑا ہوا...... جیسے ہی وہ کھڑا ہوا اس کا سر چھت سے ٹکرا گیا...... وہ بڑا حیران ہوا کہ سرنگ کی چھت اپنے آپ اتنی نیچی کیسے آ گئی تھی...... اس نے بازو ٹول کر دیوار کو ٹٹولا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ سرنگ میں ہی ہے مگر سرنگ سکڑ کر پہلے سے زیادہ تنگ و تاریک ہو گئی ہے۔

اس نے اپنے پیچھے ٹٹول کر دیکھا...... اس کے پیچھے سرنگ کی دیوار تھی...... وہ پورا کھڑا نہیں ہو سکتا تھا، اس نے جھک کر سرنگ کی دوسری جانب آہستہ آہستہ چلنا شروع کیا، اندھیرے میں اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا...... وہ سرنگ کی دونوں جانب دیواروں پر ہاتھ رکھ کر چل رہا تھا...... اچانک گرم ہوا کا ایک جھونکا سامنے کی جانب سے آیا اور اس کے جسم کو چھو کر گزر گیا...... جمشید ایک لمحے کے لئے رُک گیا، اسے ایسے لگا جیسے آگے کہیں آگ جل رہی ہے، لیکن آگے چلنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا......

سرنگ میں گرم ہوا اب نہیں تھی...... وہ چل پڑا، سرنگ بالکل سیدھی جا رہی تھی
سرنگ کی بند فضا پر گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی...... خاموشی کے سناٹے میں جمشید کو
سرگوشی سی سنائی دی۔

"کہاں جا رہے ہو؟ میرے پاس آ جاؤ...... میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی
ہوں۔"

یہ کسی عورت کی سرگوشی تھی...... وہ ایک پل کے لئے رُک گیا...... سرگوشی کی
آواز دوسری بار سنائی دی اور پھر گہرا سکوت چھا گیا...... جمشید سمجھ گیا کہ یہ آواز سوائے
کسی بدرُوح کے اور کسی کی نہیں ہو سکتی، وہ چلنے لگا...... جیسے جیسے وہ آگے جا رہا تھا سرنگ
کی فضا گرم ہوتی جا رہی تھی...... اسے خطرہ تھا کہ کہیں وہ اچانک کسی آتش فشاں پہاڑ
کے کھولتے ہوئے لاوے میں نہ گر پڑے...... وہ رُک رُک کر چل رہا تھا...... سرنگ کی
فضا زیادہ گرم ہونے لگی تھی...... وہاں دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا...... وہ رُک بھی نہیں
سکتا تھا...... اسے ہر حالت میں آگے ہی جانا تھا۔

جب سرنگ میں گرمی زیادہ بڑھ گئی تو جمشید دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا اور
سوچنے لگا کہ اسے کیا کرنا چاہئے...... واپس جانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا کیونکہ سرنگ کی
ساری فضا ہی گرم ہو چکی ہو گی...... آگے ضرور یا تو کہیں کھولتا ہوا لاوا بہہ رہا تھا اور یا پھر
آگ ہی آگ لگی ہوئی تھی...... جمشید کا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا...... تپش کی وجہ
سے اسے سانس لینے میں مشکل پیش آ رہی تھی...... وہ واپس مڑ گیا اور سرنگ میں جھک
کر پیچھے کو چلنے لگا، مگر سرنگ کی ساری فضا ہی گرم ہو رہی تھی...... وہ جہاں سے چلا تھا
وہاں آ گیا...... اندھیرے میں اس نے سرنگ کی بند دیوار پر ہاتھ رکھا تو وہ بھی گرم
ہو رہی تھی...... اسے یقین ہونے لگا کہ وہ اسی سرنگ میں جل کر راکھ ہو جائے گا...... وہ
بیٹھ گیا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا۔

اچانک اسے غیبی عورت کی سرگوشی ایک بار پھر سنائی دی۔

"میرے پاس کیوں نہیں آ جاتے؟ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔"

وہ جانتا تھا کہ یہ کسی بدرُوح کی آواز ہے، لیکن اس خیال سے کہ شاید اسی بدرُوح
کے سہارے وہ اس جہنم سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو جائے...... اس نے پوچھا۔

"تم کون ہو؟"

عورت کی سرگوشی سنائی دی۔

"میں تمہاری دوست ہوں۔"

جمشید نے کہا۔

"کیا مجھے یہاں سے باہر نکال سکتی ہو؟"

عورت نے سرگوشی میں جواب دیا۔

"ہاں...... میں تمہیں یہاں سے باہر نکال سکتی ہوں۔

لیکن......؟

پراسرار عورت خاموش ہو گئی۔

جمشید نے پوچھا۔

"لیکن کیا؟ اگر تم مجھے یہاں سے باہر نہیں نکال سکتیں تو مجھے اپنے پاس کس لئے
بلا رہی ہو؟"

پراسرار عورت نے سرگوشی میں کہا۔

"لیکن تمہیں میری ایک شرط پوری کرنی ہو گی۔"

سرنگ میں آگ کی تپش بڑھتی جا رہی تھی...... جمشید نے محسوس کیا کہ اگر وہ کچھ
دیر مزید سرنگ میں بند رہا تو اس کے جسم کو آگ لگ جائے گی...... اس نے بغیر سوچے
سمجھے کہہ دیا۔

"مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے، مگر پہلے مجھے یہاں سے باہر نکالو...... میرا جسم
جل رہا ہے۔"

عورت کی آواز آئی۔

"ایک بار پھر سوچ لو...... اگر تم نے میری شرط پوری نہ کی تو تمہارا جو انجام ہوگا پھر اس سے میں بھی تمہیں نہ بچا سکوں گی۔"

جمشید کی جان پر بنی ہوئی تھی...... وہ ہر قیمت پر اس جہنم سے نکلنا چاہتا تھا، اس نے چیخ کر کہا۔

"مجھے منظور ہے...... خدا کے لئے مجھے یہاں سے نکلنے کا راستہ بتاؤ۔"

پراسرار عورت کی اس کی آواز سے زیادہ پراسرار ہنسی کی آواز سنائی دی اس نے کہا

"میری شرط یہ ہے کہ تمہیں اپنا آپ میرے حوالے کر دینا ہوگا۔"

جمشید نے کہہ دیا۔

"مجھے منظور ہے۔"

قدرت جمشید کا امتحان لے رہی تھی...... قدرت دیکھنا چاہتی تھی کہ جمشید اپنے اعتقاد پر کتنا ثابت قدم ہے...... اگر جمشید ذرا اور صبر کرتا تو قدرت کی طرف سے خود بخود اس کی نجات کا ذریعہ پیدا ہونے والا تھا، مگر جمشید کا اعتقاد ابھی اتنا پختہ نہیں تھا...... اس نے گھبرا کر پراسرار عورت کی شرط تسلیم کر لی...... اس کے ساتھ ہی سرنگ کی دیوار ایک جگہ سے شق ہو گئی اور وہاں ایک راستہ بن گیا...... وہاں سے پراسرار سی روشنی اندر آ رہی تھی...... پراسرار عورت نے سرگوشی میں کہا۔

"اس راستے سے نکل آؤ۔"

جمشید جلدی سے دیوار کے شگاف میں داخل ہو گیا...... وہاں آگ کی تپش کی بجائے بڑی خوشگوار ٹھنڈک سی تھی...... جمشید کے باہر نکلتے ہی دیوار کا شگاف ہلکے سے دھماکے کی آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔

عورت کی سرگوشی سنائی دی۔

"چلتے آؤ۔"

جمشید دُھندلی روشنی میں چلنے لگا...... یہاں بھی اس کی دونوں جانب دیواریں تھیں اور جگہ بھی ایک سرنگ کی مانند تھی، مگر اس کی چھت اونچی تھی اور کہیں کہیں دیواروں میں دھیمی روشنی والے دیئے جل رہے تھے، جن کی مدہم روشنی نے وہاں کی فضا کو زیادہ پراسرار بنا دیا تھا...... جلتی بھنتی سرنگ میں سے نکلنے کے بعد جمشید اس کشادہ سرنگ کی خوشگوار ٹھنڈک میں سکون محسوس کر رہا تھا...... اگر اسے کوئی ڈر تھا تو صرف اس بات کا کہ کہیں کسی طرف سے کالے بچھوؤں کی فوج اچانک نکل کر اس پر حملہ نہ کر دے...... اس عورت کی پراسرار سرگوشی سنائی دی۔

"آگے تمہیں ایک زینہ ملے گا...... زینہ چڑھو گے تو ایک بند دروازہ آئے گا، دروازے کے باہر ایک کالا ناگ پہرہ دے رہا ہوگا...... تمہیں اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ پھنکارے گا، مگر گھبرانا مت کالے ناگ سے کہنا...... شیوانی گرمیا کی جے ہو...... وہ تمہارے راستے سے ہٹ جائے گا، تم دروازہ کھول کر اندر آ جانا۔"

اس وقت جمشید کو پتہ چلا کہ یہ کسی ہندو عورت کی بدرُوح ہے...... اب اسے پچھتاوا لگا کہ اس نے اس کی شرط مان کر بہت بڑی غلطی کی ہے، پھر اس نے سوچا کہ کوئی بات نہیں...... ایک بار وہاں سے نکلنے کے بعد وہ اس عورت سے بھی روپوش ہو جائے گا...... وہ نہیں جانتا تھا کہ اس بدرُوح عورت شیوانی کے چنگل سے نکلنا اس کے لئے ناممکن ہو جائے گا اور اس کی شرط مان کر اس نے اپنے آپ کو ایک ایسے اندھے کنوئیں میں گرا دیا ہے کہ جہاں سے نکلنا اس کے بس کی بات نہیں ہو گی۔

سرنگ میں چند قدم چلنے کے بعد ایک زینہ اُوپر کو جاتا تھا، وہ اس کی سیڑھیاں چڑھنے لگا...... اُوپر بند دروازے کے پاس پہنچا تو اسے سانپ کی پھنکار سنائی دی، اس نے ایک کالا ناگ دیکھا جو پھن کھولے اس کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا...... سانپ نے جمشید پر حملہ کیا تو وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گیا اور اس نے کہا۔

"شیوانی گرمیا کی جے ہو۔"

کالا ناگ پھن سمیٹ کر ایک طرف چلا گیا...... اس کے جاتے ہی دروازہ کھل گیا، جمشید نے جھانک کر دیکھا...... یہ اُونچی چھت والا چھوٹا کمرہ تھا، دیواروں پر آمنے سامنے دو مشعلیں جل رہی تھیں...... درمیان میں قالین بچھا ہوا تھا جس پر ایک لمبے سنہرے بالوں والی گورے رنگ کی جوان عورت سولہ سنگھار کیئے تکیئے کا سہارا لیئے نیم دراز تھی، اس عورت نے جمشید کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میرے پاس آکر بیٹھ جاؤ۔"

جمشید دروازے سے ہٹا تو دروازے کے پٹ اپنے آپ بند ہو گئے...... وہ عورت کے پاس آکر قالین پر بیٹھ گیا، اس جوان عورت کے حسن و جمال سے جمشید بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا...... عورت کی نیلی آنکھیں جمشید کو مسلسل تک رہی تھیں...... جمشید خاموش بیٹھا تھا...... عورت کی آنکھوں میں ایک زبردست طلسمی کشش تھی، اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم نے میری شرط مان کر عقلمندی کا ثبوت دیا ہے، ورنہ اس وقت تم زندہ نہ ہوتے۔"

اس پراسرار عورت کے ماتھے پر ہندو عورتوں کی طرح سرخ تلک لگا ہوا تھا...... جمشید نے پوچھا۔

"تم نے مجھ سے جو شرط منوائی ہے اس کا مطلب میں نہیں سمجھ سکا، تم نے کہا تھا کہ میں اپنا آپ تمہارے حوالے کر دوں...... اس سے تمہاری کیا مراد تھی؟"

اس عورت نے کہا۔

"میرا نام شیوانی ہے...... تم مجھے میرے نام سے بلا سکتے ہو...... تم نے اپنا آپ میرے حوالے کر دیا ہے، تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ اس کا مطلب کیا ہے۔"

جمشید نے ایک نظر سے کمرے کا جائزہ لیا اور شیوانی سے پوچھا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم کون ہو اور یہ جگہ کون سی ہے؟"

شیوانی نے گاؤ تکیئے پر پہلو بدلتے ہوئے محبت بھری نگاہوں سے جمشید کو دیکھا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

"تم سوال بہت کرتے ہو...... کیا تمہارے لئے اتنا کافی نہیں ہے کہ تمہیں ایک جوان اور خوبصورت عورت کا ساتھ مل گیا ہے اور تم موت کے منہ سے زندہ نکل آئے ہو۔"

جمشید نے دل میں سوچا کہ عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ اس عورت سے زیادہ سوال جواب نہ کیئے جائیں اور اس کی رضامندی میں شامل ہو کر اس کا دل جیتا جائے اور پھر یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کی جائے، اتنا وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ کسی گناہ گار بت پرست عورت کی بدرُوح ہے جو خوبصورت عورت کا رُوپ دھار کر اس کے سامنے بیٹھی ہے...... جمشید نے اپنے چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔

"شیوانی جی! میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تمہاری وجہ سے میری جان بچ گئی۔"

شیوانی بدرُوح نے جمشید کے ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ ادا کرنے کی کیا ضرورت ہے...... اگر تم میری شرط نہ مانتے تو میں تمہیں چھوڑ کر جا چکی ہوتی۔"

شیوانی بدرُوح اُٹھ کھڑی ہوئی...... اس نے کہا۔

"میرے ساتھ آؤ۔"

اس نے جمشید کا ہاتھ تھام رکھا تھا...... جمشید چپ چاپ اس کے ساتھ چل پڑا...... سامنے والی دیوار میں ایک تنگ دروازہ تھا جو کھلا تھا...... آگے ایک زینہ نیچے اترتا تھا...... نیچے ایک تہہ خانہ تھا جس کی دیواروں پر مشعلیں جل رہی تھیں...... ان کی روشنی میں جمشید نے دیکھا کہ تہہ خانہ بڑا تھا...... اس کی دیواروں میں طاق تھے جن میں ہندو دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں لگی ہوئی تھیں...... ایک طاق میں کسی دیوی کی بڑی مورتی تھی جس کے پاؤں میں لوبان سلگ رہا تھا...... تہہ خانے کی فضا لوبان کی خوشبو

سے بوجھل ہو رہی تھی...... اس بڑی مورتی کے پاس فرش پر بانس کی دو ارتھیاں ساتھ ساتھ پڑی تھیں...... ارتھی بانس کی وہ سٹریچر ایسی چارپائی ہوتی ہے جس پر ہندو لوگ اپنے مردے کو ڈال کر جلانے کے لئے شمشان بھومی لے جاتے ہیں...... ارتھیوں کے سرہانے دونوں جانب ایک ایک نوجوان لڑکی نیم عریاں لباس میں کھڑی تھی...... دونوں کے بال ان کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے...... دونوں کے ہاتھوں میں دو کٹورے تھے جو خون سے بھرے ہوئے تھے...... معلوم نہیں یہ خون کسی انسان کا تھا یا کسی جانور کا تھا...... دونوں لڑکیاں بت بنی ساکت کھڑی تھیں...... شیوانی بدرُوح جمشید کو لے کر ان ارتھیوں کے پاس آ کر بولی۔

"یہاں سے میری شرط کی پہلی شیرینی (مرحلہ) شروع ہوتی ہے...... تم اپنا آپ میرے حوالے کر چکے ہو...... تم ویسا ہی کرو گے جیسے میں تمہیں کہوں گی...... اگر تم ذرا بھی ہچکچائے یا تم نے میرا حکم ماننے سے انکار کیا تو اسی لمحے تم نرگ کی آگ میں جھلتی ہوئی سرنگ میں پہنچا دیئے جاؤ گے۔"

جمشید کو موت کا خوف بالکل نہیں تھا...... اسلام قبول کرنے کے بعد اس کے دل سے موت کا خوف نکل چکا تھا، لیکن وہ ابھی مرنا نہیں چاہتا تھا...... وہ زندہ رہ کر اس دُنیا میں ہی اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر دینا چاہتا تھا تاکہ مرنے کے بعد اس کی رُوح گناہوں کے بوجھ سے آزاد ہو کر اگلی دُنیا میں جائے، اس نے کہا۔

"میں اپنی شرط کا پابند ہوں، لیکن مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

شیوانی بدرُوح نے جمشید کو متنبہ کرتے ہوئے کہا۔

"تمہیں سوال کرنے کی اجازت نہیں ہے...... تم میرے حکم کے پابند ہو۔"

جمشید خاموش ہو گیا...... شیوانی نے سامنے رکھی ارتھیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ایک ارتھی پر لیٹ جاؤ۔"

جمشید کیسے انکار کرتا...... وہ خاموشی سے آگے بڑھا اور ایک ارتھی پر سیدھا لیٹ گیا...... شیوانی بدرُوح طاق میں رکھی بڑی مورتی کے پاس گئی...... اس کے پاؤں میں سلگتے ہوئے لوبان کی طشتری اُٹھائی اور کچھ منتر منہ میں پڑھتی ہوئی دونوں ارتھیوں کے گرد آہستہ آہستہ چکر لگانے لگی...... ارتھی پر سیدھا لیٹا جمشید شیوانی کو اپنے گرد چکر لگاتے خاموش نگاہوں سے دیکھ رہا تھا...... کچھ چکر لگانے کے بعد شیوانی بدرُوح نے لوبان والی طشتری مورتی کے قدموں میں رکھ دی، پھر دونوں ہتھیلیاں کھول کر لوبان میں سے اُٹھتے ہوئے دھوئیں کو اپنے چہرے پر ملنے لگی...... پھر اس نے پلٹ کر اپنا چہرہ دیوی کی مورتی کی طرف اُٹھایا اور دونوں بازو پھیلا کر بلند آواز میں کہا۔

"ماتا اگنی! ماتا اگنی! مجھے وردھان دے...... جے ہو...... ماتا اگنی کی جے ہو۔"

اس کی آواز میں آواز ملا کر ارتھیوں کے سرہانے کی جانب کھڑی خون کے کٹوروں والی لڑکیوں نے بھی جے ہو ماتا اگنی کا نعرہ بلند کیا...... ارتھی پر لیٹنے سے پہلے جمشید نے دونوں لڑکیوں کے ہاتھوں میں جو کٹورے تھے ان میں خون دیکھ لیا تھا...... وہ پریشان تھا کہ کہیں یہ بدرُوحیں اسے مورتی کے آگے قربان نہ کرنے والی ہوں...... اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر ایسی بات ہوئی تو وہ ان بدرُوحوں کا مقابلہ کرے گا اور وہاں سے بھاگ نکلنے کی کوشش کرے گا۔

شیوانی بدرُوح آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی جمشید کی ساتھ والی خالی ارتھی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی...... پھر وہ جھکی اور ارتھی پر بالکل اسی حالت میں سیدھی ہو کر لیٹ گئی، جس حالت میں جمشید لیٹا ہوا تھا...... اس نے لیٹتے ہی جمشید کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے اپنے دل پر رکھ لیا اور پراسرار آواز میں کسی منتر کا جاپ کرنے لگی...... جمشید کا بایاں ہاتھ شیوانی بدرُوح کے دل پر تھا...... اس کے اُوپر شیوانی بدرُوح نے اپنا ہاتھ رکھا ہوا تھا...... تھوڑی دیر بعد جمشید کو اپنا ہاتھ گرم ہوتا محسوس ہوا...... پھر اس کے

ہاتھ کی گرمی اس کے بدن میں سرایت کرنے لگی...... وہ ضبط کیے ہوئے ارتھی پر سیدھا لیٹا رہا...... یہ گرمی اتنی نہیں تھی کہ جسے وہ برداشت نہ کر سکتا۔

شیوانی بدرُوح منتر پڑھے جا رہی تھی...... اس کی آواز بلند ہونے لگی...... بلند ہوتے ہوتے وہ دوبارہ مدہم ہو گئی...... جمشید کے بدن میں گرم لہریں دوڑنے لگیں، یہ لہر اس کے شیوانی کے دل پر رکھے ہوئے ہاتھ میں سے نکلتیں اور اس کے سارے جسم میں پھیل جاتیں...... اس کے بعد جمشید کے جسم کو ہلکے ہلکے جھٹکے لگنے لگے...... وہ کچھ گھبرا گیا، اس نے کچھ بولنا چاہا، لیکن اس انکشاف سے اس کا دل کانپ اُٹھا کہ اس کی بولنے کی قوت ختم ہو چکی تھی... تھوڑی دیر کے بعد اسے جھٹکے لگنے بند ہو گئے۔ اب اس کا جسم آہستہ آہستہ کانپ رہا تھا...... اس کے کانوں میں عجیب سی آوازیں گونجنے لگی تھیں...... کبھی آوازیں اتنی تیز ہو جاتیں کہ جمشید کو اپنے کان بند ہوتے لگتے...... کبھی ان آوازوں کی گونج دھیمی ہو کر بھنبھناہٹ میں تبدیل ہو جاتی۔

منتروں کا جاپ کرتے کرتے شیوانی بدرُوح نے چیخ ایسی آواز میں جے کارا بلند کیا۔

"جے ہو ماتا اگنی کی!"

اس کے فوراً بعد دونوں لڑکیوں نے بھی یہی جے کارا بلند کیا اور خون سے بھرے ہوئے کٹورے تھامے ارتھیوں کے پاؤں کی طرف آ گئیں...... وہاں آتے ہی دونوں لڑکیوں نے منتر پڑھنے شروع کر دیئے...... جمشید ان لڑکیوں کو دیکھ رہا تھا...... شیوانی بدرُوح خاموش ہو گئی تھی، لڑکیاں منتر پڑھ رہی تھیں...... پھر انہوں نے منتر پڑھتے پڑھتے ہاتھ کٹوروں میں ڈالے اور ارتھیوں پر خون کے چھینٹے مارنے لگیں...... خون کا چھینٹا جمشید کے چہرے پر پڑا تو اس نے آنکھیں بند کر لیں...... دونوں لڑکیاں تھوڑی تھوڑی دیر بعد منتروں کا جاپ کرتے شیوانی بدرُوح اور جمشید پر خون کے چھینٹے پھینک رہی تھیں...... جب ان کے کٹوروں میں بھرا ہوا خون ختم ہو گیا تو وہ منتر پڑھتی ہوئی دس قدم پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئیں...... خون کے قطرے جمشید کے ہونٹوں پر بھی

پڑے تھے...... اسے خون کا ذائقہ محسوس ہو رہا تھا۔

اس نے ہاتھ سے اپنے ہونٹوں پر سے خون پونچھنا چاہا لیکن اسے معلوم ہوا کہ وہ اپنے جسم کو حرکت نہیں دے سکتا...... صرف اپنی آنکھیں ہلا سکتا تھا...... اس کا ہاتھ ابھی تک شیوانی بدرُوح کے دل پر تھا اور اس کے اُوپر شیوانی نے اسی طرح اپنا ہاتھ رکھا ہوا تھا...... اس نے آنکھیں گھما کر ارتھی پر لیٹی شیوانی بدرُوح پر نظر ڈالی، شیوانی آہستہ آہستہ جمشید کی طرف پہلو بدل رہی تھی۔



وہ لیٹی لیٹی ایسے پہلو کی طرف ہو رہی تھی جیسے یہ سب کچھ خواب کی حالت میں ہو رہا ہو...... جمشید اپنی جگہ سے بالکل نہیں ہل سکتا تھا...... شیوانی ایک طرف کو جھکتے جھکتے ایک دم سے جمشید کے اُوپر گر پڑی...... جمشید کو ایسے لگا جیسے اس کے اُوپر کوئی ایسا درندہ گر پڑا ہو جس کے جسم پر ہزاروں لاکھوں لمبے لمبے کانٹے ہوں...... یہ کانٹے اس کے بدن میں چبھ گئے تھے اور اس کے جسم میں درد کی ٹیسیں اُٹھنے لگیں...... جمشید کے منہ سے بے اختیار ایک لمبی چیخ نکل گئی...... اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ پھر اسے ایسے محسوس ہوا جیسے اس کا جسم آہستہ آہستہ اُوپر کو اُٹھ رہا ہے...... خوف اور دہشت کی وجہ سے اس کا حلق خشک ہو گیا تھا...... اس کے حلق سے آواز تک نہیں نکل رہی تھی...... اس کا جسم اُوپر کو اُٹھ رہا تھا اور شیوانی بدرُوح کا سینکڑوں من وزنی کانٹوں سے بھرا ہوا جسم نیچے کی طرف جا رہا تھا۔

پھر ایک دم اس کے کانوں میں عورتوں کے منتر پڑھنے کی بلند اور تیز آوازیں گونجنے لگیں...... اس کی آنکھوں کا اندھیرا غائب ہو گیا اور اس کا جسم بھی ہلکا ہو گیا...... اس نے دیکھا کہ وہ شیوانی بدرُوح کے جسم کے اندر سے گزر کر باہر نکل آیا ہے اور شیوانی اس کی ارتھی پر سیدھی پڑی ہے...... اس کا جسم ارتھی سے دس فٹ بلند ہو کر فضا میں ٹھہر گیا تھا...... لڑکیوں کے تیز تیز منتر پڑھنے کا شور زیادہ بلند ہو گیا تھا...... منتروں کے

شور میں اس کا فضا میں معلق جسم اپنے آپ بائیں طرف ہٹ گیا اور پھر آہستہ آہستہ اس ارتھی پر آ کر لیٹ گیا جس ارتھی پر تھوڑی دیر پہلے شیوانی لیٹی ہوئی تھی۔

اسے ابھی تک اپنے جسم میں چبھے ہوئے کانٹوں کی چبھن محسوس ہو رہی تھی، اس نے آنکھیں موڑ کر دیکھا...... شیوانی بدرُوح اپنی ارتھی سے اُٹھ کر اس کی ارتھی کے پہلو میں آ کر کھڑی ہو گئی تھی اور اس کی طرف گھور کر دیکھ رہی تھی...... لڑکیوں کے منتر پڑھنے کی آوازیں بند ہو گئی تھیں...... جمشید کو اپنا جسم جکڑا ہوا محسوس ہو رہا تھا...... اس کا سانس آہستہ آہستہ چل رہا تھا...... اس کے دل کی دھڑکن مدہم ہو گئی تھی...... اس کی آنکھیں جیسے پتھرا گئی تھیں...... وہ ارتھی پر لیٹے لیٹے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے شیوانی کو دیکھ رہا تھا...... شیوانی بدرُوح کے چہرے اور جسم پر خون کے چھینٹوں کے بے شمار دھبے پڑے ہوئے تھے...... اس کے چہرے پر بھی خون کے چھینٹوں کے سرخ نشان تھے۔

اس کے دیکھتے دیکھتے شیوانی نے اپنا ایک بازو اُوپر کو اٹھایا اور اس کی خوبصورت شکل بدلنا شروع ہو گئی...... اس کا رنگ جو گورا تھا سیاہ ہو گیا...... اس کی نیلی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور آنکھوں کے حلقے گہرے سیاہ گڑھوں کی طرح نظر آنے لگے...... اس کے سنہری بال سیاہ ہو کر اس کے سر پر گچھا سا بن گئے اور ان بالوں میں جمشید نے سانپوں اور بچھوؤں کو رینگتے ہوئے دیکھا...... وہ عورت ایک حسین عورت سے بدرُوح کا رُوپ دھار چکی تھی...... وہ اپنے اصلی رُوپ میں واپس آ چکی تھی...... اس کی انگلیوں کے ناخن نوکیلی چھریاں بن گئے تھے جن میں سے خون ٹپکنے لگا تھا...... شیوانی بدرُوح نے وحشت خیز ڈراؤنی آواز میں جمشید کو گھورتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا کر کہا۔

"میرا ہاتھ تھام کر اپنی ارتھی سے اُٹھو۔"

جمشید کی اپنی قوت ارادی مفلوج ہو چکی تھی...... اس کو کالے جادو نے اپنی گرفت میں لے لیا تھا...... یہ وہ کالا جادو تھا جو کبھی وہ دوسروں پر کیا کرتا تھا...... آج وہ خود اس

کی لپیٹ میں آ گیا تھا...... اس کا بازو اپنے آپ اوپر اٹھا اور اس نے شیوانی کا ہاتھ تھام لیا اور ارتھی پر سے اُٹھ کھڑا ہوا...... شیوانی اسے اپنے ساتھ لے کر اس آسیبی بت خانے کے دروازے سے نکل گئی...... جمشید اس کے ساتھ ایسے چل رہا تھا جیسے کوئی طلسم زدہ انسان خواب کی حالت میں چلتا ہے...... اس کی یادداشت اور اس کے اپنے محسوسات اپنی اصلی حالت میں زندہ سلامت تھے مگر ان پر اس کا اختیار ختم ہو چکا تھا...... وہ اپنے آپ کو شیوانی بدرُوح کا غلام سمجھنے لگا تھا۔

شیوانی بدرُوح اسے ایک نیم تاریک ویران سے کمرے میں لے گئی جہاں دیوار کے ساتھ آٹھ تابوت فرش پر رکھے ہوئے تھے...... ہر ایک تابوت کا ڈھکنا اُٹھا ہوا تھا...... شیوانی بدرُوح جمشید کو پہلے تابوت کے پاس لے آئی اور اسے حکم دیا۔

"اس تابوت کے اندر لیٹ جاؤ۔"

جمشید اس کے حکم کا غلام تھا...... وہ تابوت میں لیٹ گیا...... شیوانی بدرُوح نے کہا۔

"جب تک میں واپس نہیں آتی تم اسی جگہ لیٹے رہو گے۔"

اس کے بعد وہ چلی گئی...... جمشید کی یادداشت اب دُھندلی پڑ گئی تھی، اسے یہ تو یاد تھا کہ وہ کون ہے اور اس آسیب کدے میں کیسے آیا ہے...... مگر یہ سب کچھ اسے ذہن پر بہت زیادہ زور ڈالنے کے بعد یاد آتا تھا...... اس کی سوچنے کی صلاحیت کمزور ہو گئی تھی، اس کے دل و دماغ پر ایک ہی خیال غالب تھا کہ وہ شیوانی بدرُوح کے حکم کا پابند ہے اور اسے وہی کرنا ہے جو شیوانی اسے کہے گی...... وہ تابوت میں ایک زندہ لاش کی طرح بالکل سیدھا لیٹا تھا...... آسیب زدہ بوسیدہ اور نیم تاریک کمرے کی چھت کے ساتھ جالے ہی جالے لٹک رہے تھے...... اس نے ایک لمحے کے لئے اُٹھ کر کمرے کا جائزہ لینا چاہا، مگر وہ تابوت میں سے نہ اُٹھ سکا...... تابوت نے اسے جیسے جکڑ لیا تھا...... وہ اسی طرح لیٹا چھت کے جالوں کو تکتا رہا۔

وقت کا احساس ہی ختم ہو گیا تھا...... وقت جیسے چلتے چلتے ایک جگہ رُک گیا تھا......

ساکت ہو گیا تھا...... جمشید کی وہ حس بھی ساکت ہو گئی تھی جو وقت کے گزرنے کو محسوس کرتی ہے اور انسان کو انتظار کی کوفت ہوتی ہے...... جمشید کو کسی طرح کی کوفت محسوس نہیں ہو رہی تھی...... اسے لگتا تھا کہ وہ قیامت تک اسی طرح تابوت کے اندر لیٹا رہ سکتا ہے...... یہ بات اس کے علم اور اس کے محسوسات سے غائب ہو چکی تھی کہ اس آسیبی عمارت کے باہر رات کا ایک بج چکا ہے اور سرد رات میں لوگ اپنے اپنے مکانوں میں گہری نیند سو رہے ہیں...... شہر کون سا تھا یہ ابھی ہم آپ کو نہیں بتائیں گے۔

صرف اتنا بتائے دیتے ہیں کہ یہ شہر پاکستان کے ایک دور دراز علاقے میں واقع تھا...... چھوٹا سا شہر تھا اور یہاں ہندو برہمنوں کی بھی چھوٹی سی آبادی تھی، اس آبادی میں ہندوؤں کا ایک اپنا چھوٹا سا مندر بھی تھا...... کل صبح اس مندر کے پجاری کی بیٹی کملا کی شادی ہونے والی تھی...... پجاری کے چھوٹے سے گھر میں دُلہن کملا کی ماتا اور دوسری دو چار عورتیں اپنے بھگوان کی مورتی کے آگے بھجن گا رہے تھے...... دُلہن کملا چھوٹے سے کمرے میں پلنگ پر اپنی ہندو سہیلیوں کے ساتھ شرم و حیا سے سر جھکائے بیٹھی تھی...... سہیلیاں اسے چھیڑ رہی تھیں اور وہ شرما بھی رہی تھی اور زیر لب مسکرا بھی رہی تھی۔

ویران آسیب زدہ کھنڈر نما عمارت کے نیم تاریک تہہ خانے میں جمشید ایک سحر زدہ انسان کی طرح تابوت میں سیدھا لیٹا چھت کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا...... اتنے میں اسے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور دوسرے لمحے شیوانی اپنی ڈراؤنی شکل کے ساتھ تابوت کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی...... اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور کہا۔

"تابوت سے نکل آؤ۔"

جمشید شیوانی کا ہاتھ تھام کر تابوت سے باہر آ گیا...... شیوانی اسے اپنے ساتھ لے کر ایک تاریک راہ داری میں سے گزرنے لگی، جہاں راہ داری ختم ہوتی تھی وہاں بند دیوار آ گئی۔

شیوانی نے جمشید کو دیوار کے پاس کھڑا کر دیا اور اپنے ڈراؤنے سیاہ چہرے پر پڑے ہوئے خون کے دھبوں پر ہاتھ پھیر کر اپنا خون آلود ہاتھ جمشید کے چہرے پر پھیر دیا۔ جمشید کو اپنے اندر گرم لہریں دوڑتی محسوس ہونے لگیں...... شیوانی نے جمشید کو اپنے کراہت آمیز جسم کے ساتھ لگا کر زور سے بھینچا تو جمشید کا جسم لرزنے لگا...... اس نے آنکھیں بند کر لیں...... اسے ایسے محسوس ہوا جیسے وہ اپنے پورے جسم کے ساتھ شیوانی بدرُوح کے جسم میں داخل ہو گیا ہے...... اسے اپنے وجود کا احساس تک ختم ہو گیا...... دوسرے لمحے شیوانی نے اسے اپنے سے الگ کر دیا اور بولی۔

"میں نے اپنی آسیبی شکتی (طاقت) تمہارے اندر ڈال دی ہے...... تم مندر کے پجاری کے گھر جاؤ گے...... پجاری کی بیٹی کملا کل دلہن بننے والی ہے...... تم اسے اپنے ساتھ لے کر یہاں آجاؤ گے...... میں تمہارا انتظار کروں گی اسی جگہ۔"

جمشید کے ہونٹوں سے اپنے آپ ایک جملہ نکل گیا...... اسے اپنی آواز بھی نہ پہچانی گئی...... اس کی آواز بدل چکی تھی...... اس نے کہا۔

"میں کون سا رُوپ دھار کر اس کے پاس جاؤں گا؟"

"پجاری کے مکان کے پاس پہنچ کر تم اپنے آپ اس رُوپ میں آجاؤ گے جس رُوپ کی تمہیں اس وقت ضرورت ہو گی...... میں تمہاری نگرانی کروں گی۔"

شیوانی نے دیوار کی جانب اپنے ہاتھ کا اشارہ کیا...... اس کے ہاتھ کے اشارے کے ساتھ ہی دیوار میں ایک طاق نمودار ہو گیا...... شیوانی نے جمشید سے کہا۔

"اس طاق میں سے گزر جاؤ...... آگے تمہیں اپنے آپ پتہ چل جائے گا کہ تمہیں کہاں جانا ہے جاؤ...... اور میرے حکم کی پالنا کرو۔"

جمشید ایک سحر زدہ آدمی کی طرح طاق میں سے باہر نکل گیا۔

باہر آ کر اس نے دیکھا کہ آسمان پر تارے چمک رہے تھے...... چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا...... تاروں کی پھیکی روشنی میں اسے جنگلی جھاڑیوں کے درمیان

پتلا سا راستہ دکھائی دیا...... وہ اس پر چل پڑا...... کہیں کہیں سوکھے درخت عجیب ڈراؤنے انداز میں جھکے ہوئے تھے...... کچھ دُور چلنے کے بعد اسے دُور ایک جگہ روشنی جھلملاتی نظر آئی...... اس کا ذہن ایک کمپیوٹر کی طرح کام کر رہا تھا...... اسے معلوم تھا کہ اسے کس طرف سے ہو کر کہاں جانا ہے...... وہ اپنے آپ جھلملاتی ہوئی روشنی کی طرف چلنے لگا۔

یہ روشنی پجاری کے مکان کی تھی جہاں کملا جس کی دوسرے روز شادی ہونے والی تھی، مائیوں بیٹھی تھی...... اس کی سہیلیاں ہونے والی دلہن سے چہلیں کرتی تھک کر سو گئی تھیں...... دُلہن کملا کے ماتا پتا بھی دوسری کوٹھڑی میں سو رہے تھے...... صرف کملا جاگ رہی تھی...... وہ چارپائی پر لحاف اُوپر کئے لیٹی تھی اور اپنی سہاگ رات کے تصور میں گم تھی...... جیسے وہ ایک سنہری سپنا دیکھ رہی تھی...... یہ سپنا کل سچ ہونے والا تھا...... تنگ سے کمرے کی چھت سے لٹکا ہوا بجلی کا بلب روشن تھا...... پجاری کے مکان کے باہر سرد رات خاموش تھی...... کملا کی شادی جس ہندو لڑکے سے ہونے والی تھی وہ ایک قصبے کے مندر کے پجاری کا بیٹا تھا...... اس کا نام مرلی تھا...... کملا اور مرلی دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے اور ایک دوسرے سے چھپ چھپ کر ملا کرتے تھے...... جمشید کے آسیبی کمپیوٹر میں یہ ساری معلومات ڈال دی گئی تھیں...... وہ پجاری کے مکان کے عقب میں آ کر ایک طرف اندھیرے میں رُک گیا اور غور سے اس کھڑکی کو دیکھنے لگا جو اس کمرے کی کھڑکی تھی جس میں کملا چارپائی پر لیٹی شادی کے حسین خواب دیکھ رہی تھی۔

جمشید کھڑکی کے پاس آ گیا...... کھڑکی کے پاس آتے ہی اس کی شکل بدل گئی اور وہ کملا کے ہونے والے خاوند مرلی کے رُوپ میں ظاہر ہو گیا...... مرلی کا رُوپ دھارنے کے بعد اس نے بند کھڑکی پر انگلی سے آہستہ سے دوبارہ ٹھک ٹھک کی...... چارپائی پر لیٹی کملا نے آنکھیں کھول دیں اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ بند کھڑکی کی

طرف دیکھا...... اس کا پریمی اور ہونے والا شوہر مرلی رات کو جب بھی اس سے ملنے آتا تھا تو اسی طرح بند کھڑکی پر آہستہ آہستہ ٹھک ٹھک کیا کرتا تھا...... کملا حیران ہو رہی تھی کہ اس وقت مرلی وہاں کس لئے آیا ہے۔

تیسری بار کھڑکی پر دستک ہوئی تو کملا آہستہ سے لحاف کے اندر سے نکلی اور دبے پاؤں کھڑکی کے پاس آکر اس نے بند کھڑکی کے پٹ سے منہ لگا کر دھیمی آواز میں پوچھا۔

"کون ہے؟"

اسے دوسری طرف سے اپنے پریمی اور ہونے والے پتی دیو کی آواز آئی۔

"میں ہوں مرلی!"

کملا نے کہا۔

"تم اس وقت کیوں آئے ہو؟"

مرلی کی آواز آئی۔

"کملا! کھڑکی کھولو...... مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

مرلی نے دھڑکتے دل کے ساتھ گردن موڑ کر اپنی سہیلیوں کی طرف دیکھا جو فرش پر بچھی ہوئی دری پر کمبل اور لحاف اوڑھے سو رہی تھیں...... پھر اس نے آہستہ سے کھڑکی کی چٹخنی کھول کر کھڑکی کھول دی...... اس نے دیکھا کہ باہر مرلی کھڑا اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا...... کمرے میں جو بجلی کا بلب جل رہا تھا اس کی روشنی مرلی کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔"

کملا نے گھبرائی ہوئی سرگوشی میں کہا۔

"مرلی! بھگوان کے لئے اس وقت چلے جاؤ...... کل ہمارا بیاہ ہونے والا ہے...... کسی نے دیکھ لیا تو لوگ کیا کہیں گے۔"

مرلی نے کہا۔

"کملا تھوڑی دیر کے لئے میرے پاس آجاؤ مجھے تم سے ایک بڑی ضروری بات

کرنی ہے۔"

اب کملا مجبور ہو گئی...... وہ آہستہ سے کھڑکی پر چڑھ کر دوسری طرف اُتر گئی اور کھڑکی کو جلدی سے بند کر دیا...... اب مرلی اور کملا دونوں اندھیرے میں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے...... تاروں کی پھیکی روشنی میں وہ ایک دوسرے کو دیکھا کرتے تھے...... مرلی نے کملا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا...... جمشید مرلی کی آنکھوں سے کملا کو دیکھ رہا تھا...... اس کے سامنے تاروں کی دُھندلی دُھندلی سی روشنی میں چودہ پندرہ سال کی ایک سانولی سی دُبلی پتلی نازک اندام لڑکی کھڑی تھی جس کے لباس میں سے مائیوں کے اُبٹن اور چندن کی خوشبو آ رہی تھی...... اس لڑکی کو کل دُلہن بننا تھا اور کل رات کو اپنے محبوب دُلہا کے ساتھ اپنی زندگی کی پہلی اور آخری سہاگ رات بسر کرنی تھی، لیکن اسے خبر نہیں تھی کہ اس کی سہاگ رات کا معصوم اور سنہری سپنا ہمیشہ کے لئے چکنا چور ہونے والا ہے اور وہ اس کے ساتھ ایک ایسی جگہ جا رہی ہے جہاں سے شاید وہ کبھی زندہ واپس نہ آسکے...... جمشید اگرچہ کملا کے پریمی مرلی کے رُوپ میں تھا، مگر اس کا دل و دماغ جمشید ہی کا تھا...... مرلی کا نہیں تھا...... اس کے دل میں کہیں بہت نیچے دبا ہوا رحم کا جذبہ ایک پل کے لئے اُبھرا اور اُبھرتے ہی ڈوب گیا...... اس نے مرلی کی آواز میں کہا۔

"کملا! میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی تھی کہ میں تمہیں مائیوں پڑے ہوئے ایک نظر دیکھوں، تم سے ملوں...... جب تمہارے جسم سے اُبٹن اور چندن کی خوشبو آ رہی ہو۔"

کملا نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"نہیں نہیں مرلی! بھگوان کے لئے چلے جاؤ، اب تو ہمیں ہمیشہ ایک ساتھ ہی رہنا ہے۔"

مگر جمشید تو مرلی کے رُوپ میں شیوانی بدرُوح کے حکم سے اسے وہاں سے اغوا کرنے آیا تھا...... وہ کیسے ناکام واپس جا سکتا تھا...... اگر وہ چاہتا بھی تو ایسا نہیں کر سکتا

تھا...... شیوانی بدرُوح نہ صرف یہ کہ جمشید کی نگرانی کررہی تھی بلکہ اسے محسوس ہورہا تھا کہ وہ اس کے اندر بیٹھی حکم چلا رہی تھی اور جمشید اس کے حکم کا پابند تھا...... اس کے حکم کے آگے مجبور تھا...... اس کا اپنا اختیار اپنی قوت ارادی ختم ہو چکی تھی...... اس نے کملا کا ہاتھ کھینچ کر اسے زبردستی اپنے ساتھ لگا لیا...... اس کے ساتھ لگتے ہی کملا بے ہوش ہو گئی...... جمشید نے اسے اُٹھا کر کندھے پر ڈالا اور رات کی تاریکی میں مکان کے پچھواڑے سے ہوتا جس طرف سے آیا تھا اس طرف کو چل پڑا۔

وہاں اسے دیکھنے والا کون ہو سکتا تھا، جس بستی میں کملا کا مکان تھا وہ شہر سے باہر واقع تھی اور رات بھی آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی...... بستی کے دوسرے کنارے سے ایک کتا ضرور بھونکا اور دو چار بار بھونکنے کے بعد خاموش ہو گیا...... جمشید اب مرلی کا رُوپ بدل کر اپنے اصلی یعنی جمشید کے رُوپ میں واپس آ گیا تھا...... یہ تبدیلی اور کایا پلٹ جیسے اپنے آپ ہو گئی تھی...... بستی کے باہر ایک گندا نالہ بہتا تھا...... اس پر ایک چھوٹا سا پل بنا ہوا تھا...... جمشید کملا کو کندھے پر اُٹھائے تیز تیز قدموں سے چلا جا رہا تھا...... وہ نالے کے پل پر آیا تو اندھیرے میں ایک انسانی سایہ ایک طرف سے نکل کر سامنے آ گیا...... یہ بستی کا چوکیدار تھا...... اس کے ایک ہاتھ میں ٹارچ اور دوسرے ہاتھ میں تین فٹ کا بانس تھا...... اس نے پوچھا۔

"کون ہو بھئی؟" "کدھر جا رہے ہو؟"

جمشید بالکل نہ رُکا...... چوکیدار نے ٹارچ کی روشنی جمشید کے چہرے پر ڈالی تو اسے اس کے چہرے پر خون کی سرخ چھینٹیں اور اس کے کندھے پر پڑی ایک بے ہوش لڑکی نظر آئی...... اس نے بانس زمین پر مار کر اُونچی آواز میں کہا۔

"یہیں رُک جاؤ۔"

جمشید چلتے چلتے چوکیدار کے سر پر پہنچ گیا تھا...... چوکیدار نے جمشید پر بانس سے حملہ کر کے اسے گرانا چاہا تو جمشید نے آگے بڑھ کر چوکیدار کا ہاتھ پکڑ لیا...... جمشید کا

ہاتھ لگتے ہی چوکیدار بے ہوش ہو کر گر پڑا...... جمشید پل پر سے گزر گیا...... چوکیدار شیوانی کی اس آسیبی طاقت کی وجہ سے بے ہوش ہوا تھا جو جمشید کے جسم میں سرایت کر چکی تھی...... بستی پیچھے رہ گئی...... جمشید نے کملا کو کندھے پر ڈالا ہوا تھا...... وہ بے ہوش تھی...... اس کے بازو جمشید کی پشت پر لٹک رہے تھے...... جمشید رات کی تاریکی میں چلتا سوکھے درختوں اور جھاڑیوں میں سے گزرتا اس کھنڈر کی دیوار کے پاس پہنچ گیا جس کے طاق میں سے نکل کر وہ کملا کے مکان کی طرف روانہ ہوا تھا...... دیوار کا طاق اسی طرح کھلا تھا، اس کا خیال تھا کہ شیوانی طاق سے باہر نکل کر کھڑی ہو گی، مگر وہ طاق کے اندر اس کا انتظار کر رہی تھی...... وہ طاق سے ہوتا ہوا دیوار کی دوسری جانب آیا تو اس کے سامنے ڈراؤنی شکل لئے شیوانی موجود تھی...... اس کے سیاہ فام چہرے پر خون کے دھبے جمشید کو اندھیرے میں بھی نظر آ رہے تھے...... شیوانی نے دیوار کے طاق کی طرف انگلی کا اشارہ کیا...... طاق غائب ہو گیا اور اس کی جگہ دیوار اپنی اصلی حالت میں آ گئی۔

جمشید نے کملا کو کندھے پر ڈالے ہوئے کہا۔

"میں کملا کو لے آیا ہوں۔"

شیوانی کے پھٹے ہوئے ہونٹ پھیل گئے...... شاید وہ مسکرا رہی تھی...... مسکرانے کی کوشش میں اس کا چہرہ اور زیادہ ڈراؤنا ہو گیا تھا...... اس نے کہا۔

"میرے پیچھے چلے آؤ۔"

شیوانی بدرُوح آگے آگے اور جمشید معصوم بے گناہ لڑکی کملا کو اُٹھائے اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا...... نیم تاریک اور تنگ راہداری میں سے گزر کر وہ دونوں اس نیم تاریک ویران کمرے میں آ گئے جہاں فرش پر دیوار کے ساتھ آٹھ تابوت پڑے تھے...... جمشید کسی آسیب زدہ انسان کی طرح کملا کو کندھے پر اُٹھائے پہلے تابوت کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا...... شیوانی نے دوسرے تابوت کی طرف اشارہ کیا اور ڈراؤنی آواز

میں جمشید کو حکم دیا۔

"لڑکی کو دوسرے تابوت میں لیٹادو۔"

جمشید نے پہلا خالی تابوت چھوڑ کر لڑکی کو دوسرے خالی تابوت میں لیٹادیا...... شیوانی گھور کر لڑکی کو دیکھ رہی تھی......اس نے جمشید کو دوسرا حکم دیا۔

"لڑکی کے دونوں بازو اس کے سینے پر کردو۔"

جمشید نے لڑکی کے دونوں بازو اس کے سینے پر کر دیئے...... لڑکی کملا اسی طرح بے ہوش تھی...... شیوانی نے جمشید سے کہا۔

"تابوت کو بند کردو۔"

جمشید نے تابوت کے اُوپر لکڑی کا بھاری ڈھکن ڈال دیا اور خود بالکل ساکت حالت میں کھڑا ہو گیا...... شیوانی بدرُوح بولی۔

"اب تم بھی اپنے تابوت میں لیٹ جاؤ اور جب تک میں نہ کہوں یہیں آرام کرو۔"

جمشید اسی لمحے مشین سے چلنے والے بت کی طرح کملا کے ساتھ والے تابوت میں لیٹ گیا...... شیوانی نے ڈراؤنا چہرہ جھکا کر اس کو اپنی تیز انگارہ آنکھوں سے گھور کر دیکھا اور جمشید پر ایک غنودگی سی چھاگئی...... اس کے بعد وہ خواب اور بیداری کی درمیانی کیفیت میں چلا گیا...... اس کی یادداشت دُھندلی پڑنے لگی......اب اسے صرف اتنا ہی یاد تھا کہ اس کے ساتھ والے تابوت میں ایک لڑکی بند ہے جس کا نام کملا ہے اور جسے وہ کندھے پر ڈال کر وہاں لایا تھا...... کہاں سے لایا تھا؟ کیوں لایا تھا؟

یہ اسے کچھ یاد نہیں رہا تھا۔

شیوانی ڈراؤنی بدرُوح کی شکل و صورت میں تابوتوں والے نیم تاریک کمرے سے نکل کر اندھیری راہداری میں سے گزرتی ہوئی اس کمرے میں آگئی جہاں دیوار کے طاق میں دیوی کی بڑی مورتی رکھی ہوئی تھی...... مورتی کے قدموں میں لوبان سلگ رہا تھا......وہ مورتی کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئی اور اپنی غیر انسانی ڈراؤنی آواز

میں بولی۔

"ماتا گرمیا کی جے ہو...... ماتا! میں نے تیری سنسکار پوجا کا پہلا چرن پورا کر دیا ہے، مجھے شکتی دے کہ میں تیری سنسکار پوجا کو پورا کر سکوں اور امر ہو کر تیرے چرنوں میں پہنچ جاؤں۔"

شیوانی بدرُوح دونوں بازو پھیلا کر ایک بھیانک چیخ کے ساتھ بولی۔

"جے ہو ماتا کی...... جے ہو ماتا کی۔"

اندھیرے کمرے کی آسیب زدہ تاریکی میں خوفناک کڑک کے ساتھ بجلی چمکی اور دیوی کی مورتی کا چہرہ بگڑ کر عفریتی ڈائن کا چہرہ بن گیا......اس کی زبان باہر کو لٹک رہی تھی اور لمبی گردن میں پھانسی کا پھندا پڑا ہوا تھا...... شیوانی بدرُوح نے ہاتھ باندھ لئے، عفریتی ڈائن کی آواز بلند ہوئی۔

"شیوانی! تو نے میرے دشمن کو اپنے خونی پنجوں میں جکڑ کر میری آتما کو شانت کر دیا ہے......اس کو اس وقت تک نہ چھوڑنا جب تک کہ اس کی جان سسک سسک کر اس کے جسم سے نہ نکل جائے۔"

شیوانی بدرُوح نے جواب میں کہا۔

"ماتا گرمیا! ایسا ہی ہو گا...... تیرا دشمن میری لائی ہوئی موت کے جال میں پھنس چکا ہے...... یہ زندہ نہیں بچے گا، لیکن مرنے سے پہلے اس کو میرے ساتوں کے سات چرن پورے کروانے ہوں گے...... میں نے پہلا چرن پورا کر لیا ہے...... ابھی چھ چرن باقی ہیں......اس کے بعد میں اپنے ہاتھوں سے تمہارے دشمن کا گلا کاٹ کر اس کا خون اور گوشت تیرے چرنوں میں ارپن کروں گی۔"

عفریتی ڈائن کی خوفناک آواز بلند ہوئی۔

"پھر تو امر ہو جائے گی شیوانی! جنم جنم کے لئے امر ہو جائے گی اور میرے پاس آجائے گی، اس کے بعد نہ تجھے موت چھو سکے گی اور نہ تیرا کوئی دوسرا جنم ہو گا۔"

شیوانی بدرُوح نے بازو کھول دیئے اور وحشت ناک انداز میں ایک نعرہ بلند کیا جس سے کمرے کے درودیوار لرز اُٹھے...... عفریتی ڈائن کا چہرہ غائب ہو گیا اور اس کی جگہ مورتی کا چہرہ دوبارہ گرمیادیوی کی شکل اختیار کر گیا۔

شیوانی بدرُوح آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بند دروازے میں سے نکل کر اس پراسرار ویران عمارت کی گرد آلود پتھریلی سیڑھیاں اُترنے لگی...... جیسے جیسے وہ سیڑھیاں اُتر رہی تھی تاریکی اور گہری ہوتی جارہی تھی...... آخری سیڑھی پر پہنچ کر شیوانی بدرُوح غائب ہو گئی...... یہ اندھیری سیڑھیاں شیوانی کے آشرم کو جاتی تھیں جہاں اس کے سوا آج تک کسی کو داخل ہونے کی جرات نہیں ہوئی تھی...... صرف سانپ اور کالے بچھو ہی وہاں جاتے تھے جنہیں کبھی کبھی غصے میں آکر شیوانی بدرُوح کھا جاتی تھی۔

شیوانی ایک سراپ (بددعا) پائی ہوئی بدرُوح تھی جو سینکڑوں برس سے اپنے گھناؤنے گناہوں کی سزا بھگت رہی تھی...... اس کا اگلا جنم ایک بچھو کے رُوپ میں ہونے والا تھا جس سے بچنے کے لئے وہ اس آسیبی عمارت میں ماتا کی مورتی کے چرنوں میں اس سے مدد طلب کرنے آئی تھی...... ماتا مورتی نے شیوانی بدرُوح سے کہا تھا۔

"اگر تو سات ایسی برہمن کنواری لڑکیوں کو جن کی شادی ہونے والی ہو، لاکر میرے چرنوں میں قربان کرے تو میں تجھے تیرے بچھو کے جنم سے بچالوں گی اور پھر تو امر ہو جائے گی اور نہ تجھے دوبارہ موت آئے گی نہ تیرا دوبارہ کوئی جنم ہوگا۔"

شیوانی بدرُوح نے ہاتھ باندھ کر کہا تھا۔

"ماتا! یہ میرے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے...... میں ایسی برہمن کنواری لڑکیاں جن کی شادی ہونے والی ہو ڈھونڈھ کر لے آؤں گی اور باری باری انہیں تیرے چرنوں میں قربان کردوں گی، ماتا مورتی نے اس کے جواب میں کہا تھا۔

"شیوانی! تیرے لئے ایسا کرنا ناممکن ہے...... پاتال کے دیوتاؤں نے تجھے جو سراپ (بددعا) دیا ہے اس کی وجہ سے تو اپنے امر جیون کے مقصد کی خاطر اس چار

دیواری سے باہر نہیں جاسکتی...... اگر تو اس چاردیواری سے باہر انسانوں کی دُنیا میں قدم رکھے گی تو کالا بچھو بن جائے گی اور وہیں سے تیرا بچھو کا کبھی نہ ختم ہونے والا ہزاروں لاکھوں برس کا جنم شروع ہو جائے گا۔"

شیوانی بدرُوح نے پریشان ہو کر پوچھا تھا۔

"ماتا! میں سینکڑوں برس سے تیری سیوا کر رہی ہوں...... میری مدد کر اور مجھے کوئی ایسا گر بتا کہ جس سے میں سات کنواریوں کو انسانوں کی دُنیا سے لاکر تیرے چرنوں میں قربان کر سکوں۔"

ماتا مورتی نے کہا تھا۔

"اس مشکل کا ایک ہی حل ہے۔"

"وہ کیا ماتا مورتی؟"

شیوانی بدرُوح کے اس سوال کے جواب میں ماتا مورتی نے کہا تھا۔

"اس کا حل یہ ہے کہ تو کسی منش (انسان) کے جسم میں داخل ہو جائے اور پھر اس کا رُوپ دھار کر انسانوں کی دُنیا میں جائے اور ایک ایک کر کے سات برہمن کنواریوں کو جن کی شادی ہونے والی ہو یہاں لائے، مگر تو ایسا نہیں کر سکے گی، کیونکہ کسی منش (انسان) کے جسم میں داخل ہونے کے واسطے تجھے یہاں سے باہر انسانوں کی دُنیا میں جانا پڑے گا جو تو نہیں کر سکتی...... ہاں اگر کوئی قسمت کا مارا منش (انسان) یہاں آکر پھنس جائے تو تیری مشکل آسان ہو سکتی ہے۔"

شیوانی بدرُوح نے کہا تھا۔

"عفریتی ڈائن میری سہیلی ہے...... وہ ضرور میری مدد کرے گی۔"

ماتا مورتی نے شیوانی کو خبردار کرتے ہوئے کہا تھا۔

"مگر خیال رکھنا...... یہ نوجوان کالے جادُو کا بڑا زبردست جادُوگر ہے...... اس کو قابو میں لانا اور تمہارا اس کے جسم میں داخل ہو کر یہاں سے باہر جانا تمہارے لئے

خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔"

شیوانی مورتی نے جواب دیا تھا۔

"ماتا! میں اس نوجوان پر اگنی دیوتا کا ساتواں خونی منتر پھونکوں گی...... یہ منتر تینوں آکاش کے بڑے سے بڑے جادوگر کو قبضے میں کر سکتا ہے......اس کا وار کبھی خالی نہیں جاتا۔"

اس کے بعد شیوانی بدرُوح نے آتش پرستوں کے قبرستان کے پاتال میں جا کر عفریتی ڈائن سے ملاقات کی تھی جس نے شیوانی کی مدد کا وعدہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"شیوانی! میں اس نوجوان کو جس کا نام جمشید ہے اور جو آتش پرستوں کا خطرناک جادوگر ہے، تمہارے آسیبی آشرم میں بھیج دوں گی، مگر تمہیں بھی مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا۔"

"تم جو کہو گی میں کروں گی۔" شیوانی نے جواب دیا تھا...... عفریتی ڈائن نے کہا تھا۔

"اپنا مطلب پورا ہو جانے کے بعد تمہیں اس نوجوان کو ہلاک کرنا ہوگا۔"

"فکر نہ کرو۔" شیوانی نے کہا تھا...... جب میرا کام نکل جائے گا تو میں خود اس نوجوان کا گلا کاٹ کر اس کا خون پی جاؤں گی۔"

اس کے بعد شیوانی بدرُوح نے اس آسیبی ویران عمارت میں جمشید جادوگر کا انتظار شروع کر دیا تھا...... عفریتی ڈائن نے اپنے آسیبی سائے کو حکم دے دیا تھا کہ جیسے بھی ہو جادوگر عامل جمشید کو شیوانی بدرُوح کے آسیبی آشرم میں پہنچا دیا جائے جس نے جمشید کو اپنے آسیبی جال میں پھنسانے کے بعد شیوانی بدرُوح کے آسیب زدہ کھنڈر میں پہنچا دیا تھا جہاں شیوانی بدرُوح نے ایک حسین و جمیل لڑکی کا رُوپ دھار کر جمشید سے ملاقات کی تھی اور پھر اسے اپنے قبضے میں کر کے ماتا مورتی کے چرنوں میں لا کر اس پر اگنی دیوتا کا ساتواں خونی منتر پھونک کر اسے اپنے قبضے میں کر لیا تھا اور اس کے جسم میں حلول کر کے آسیبی کھنڈر کی چار دیواری سے باہر نکل کر معصوم برہمن لڑکی کملا کو

اُٹھا کر اپنے آشرم میں لانے میں کامیاب ہو گئی تھی...... یہ اس کا پہلا شکار تھا......ابھی اسے چھ برہمن کنواریوں کو آسیبی آشرم میں لانا تھا اور پھر انہیں ایک ایک کر کے ماتا مورتی کے آگے قربان کر کے ہمیشہ کا جیون حاصل کرنا اور بچھو کے جنم سے چھٹکارا پانا تھا......اب اسے جمشید کو کسی دوسری برہمن کنواری کو اُٹھا کر لانے کے لئے بھیجنا تھا، شیوانی نے اپنے شیطانی علم سے معلوم کر لیا تھا کہ شہر سے دُور ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک مندر ہے جس کے پجاری کی بیٹی کی شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور اس پجاری کی بیٹی کا نام شانتی ہے۔

شیوانی بدرُوح نے اپنے شیطانی علم کی مدد سے یہ تو معلوم کر لیا تھا کہ وہاں سے دور گاؤں کے پجاری کی بیٹی شانتی کے بیاہ کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور اسے ماتا مورتی پر قربان کرنے کے واسطے اُٹھا کر لانا ہے مگر اسے یہ خبر نہیں تھی کہ جس پجاری کی بیٹی کو اُٹھا کر لانے کے لئے جمشید کو اپنی آسیبی طاقتوں کے ساتھ وہاں بھیجنے والی ہے، وہ پجاری اٹھارہ ویدوں اور اکیس شاستروں کا بہت بڑا عالم ہے اور لنکا کے دھشت راجہ راون کے کالے جادو کا زبردست ماہر ہے...... اس پجاری کی بیٹی شانتی کے بیاہ کو تین دن باقی تھے۔

شیوانی بدرُوح بڑی خوش تھی کہ اسے دوسری برہمن کنواری کا اتنی جلدی سراغ مل گیا ہے...... وہ رات کو آٹھ تابوتوں والے تاریک کمرے میں آ گئی...... چھ تابوت خالی تھے...... ساتویں تابوت میں بدقسمت برہمن لڑکی کملا بند تھی...... آٹھویں تابوت میں شیوانی بدرُوح کا غلام جمشید لیٹا ہوا تھا...... جمشید نہ جاگ رہا تھا، نہ سو رہا تھا، وہ نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں تھا...... اس کی آنکھیں بند تھیں اور دونوں ہاتھ سینے پر تھے...... شیوانی بدرُوح نے سب سے پہلے اپنے پہلے شکار کملا کا تابوت کھول کر دیکھا...... کملا اسی طرح بے ہوشی کی حالت میں تابوت کے اندر لیٹی تھی...... شیوانی نے تابوت بند کر دیا...... پھر وہ جمشید کے تابوت کی طرف متوجہ ہوئی، اس نے ایک

منتر پڑھ کر جمشید پر پھونکا۔

جمشید نے آنکھیں کھول دیں...... وہ اپنے تابوت کے پاس کھڑی شیوانی بدرُوح کے ڈراؤنے چہرے کو دیکھنے لگا...... شیوانی نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

"اُٹھو! اور میرے ساتھ آؤ۔"

جمشید نے شیوانی بدرُوح کا ہاتھ پکڑا اور تابوت سے باہر نکل آیا...... شیوانی اسے اپنے ساتھ چلاتی تاریک راہ داری میں سے گزرتی اسی جگہ آ گئی جہاں دیوار بند ہو گئی تھی...... اس نے جمشید کے بازو تھام کر اسے اپنے سامنے کیا اور بولی۔

"میں تمہیں ایک اور لڑکی کو یہاں لانے کے لئے بھیج رہی ہوں...... اس لڑکی کا نام شانتی ہے...... یہاں سے پچھم کی طرف ریتلے ٹیلوں کے پاس ایک گاؤں ہے...... شانتی اس گاؤں کے مندر کے پجاری کی بیٹی ہے...... تین دن بعد اس کا بیاہ ہونے والا ہے...... تم اسے یہاں میرے پاس لے کر آؤ گے۔"

جمشید نے ایک ایسی آواز میں جیسے وہ خود نہیں پہچانتا تھا پوچھا۔

"دیوی! گاؤں کو کون سا راستہ جاتا ہے۔"

شیوانی اپنی انگارہ آنکھوں سے جمشید کو گھورتے ہوئے بولی۔

"یہ سب کچھ تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا۔"

اور اس کے بعد شیوانی بدرُوح نے جمشید کو اپنے کراہت آمیز جسم کے ساتھ لگا کر زور سے بھینچ لیا...... جمشید کو شیوانی کے جسم سے چنگاریاں سی نکل کر اپنے جسم میں داخل ہوتی محسوس ہوئیں...... جمشید کا جسم زور زور سے کانپنے لگا، مگر شیوانی نے اسے الگ نہ کیا...... جب جمشید کی حالت معمول کے مطابق ہو گئی تو اس نے اسے الگ کرتے ہوئے کہا۔

"اب تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ وہ گاؤں جہاں تمہیں جانا ہے کہاں پر ہے اور اس کو کون سا راستہ جاتا ہے...... یاد رکھو، گاؤں میں وہ ایک ہی مندر ہے اور شانتی پجاری کی

لوتی بیٹی ہے...... میں نے اپنی آسیبی طاقت تمہیں دے دی ہے...... تم جو رُوپ چاہو ے بدل سکو گے...... پجاری کی اکلوتی بیٹی شانتی کو پہنچاننے میں تمہیں پریشانی نہیں گی، میں تمہاری نگرانی کر رہی ہوں گی...... جاؤ۔"

شیوانی بدرُوح نے بند دیوار کی جانب ہاتھ کا اشارہ کیا...... دیوار میں پہلے کی طرح یب سے ایک طاق نمودار ہو گیا...... جمشید سحر زدہ انسان کی طرح آہستہ آہستہ قدم ٹھاتا طاق کے پاس گیا اور پھر اس میں سے دوسری طرف نکل گیا...... اس نے دیکھا کہ ندھیری رات ہے...... آسمان پر چھوٹے بڑے ستارے چمک رہے ہیں...... چاروں طرف گہری خاموشی تھی...... شیوانی بدرُوح کے ساتھ لگنے کے بعد جمشید کو اپنے آپ جاری کے گاؤں کا راستہ معلوم ہو گیا تھا...... اس نے ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔

اس کے قدم آہستہ آہستہ اُٹھ رہے تھے مگر اسے محسوس ہو رہا تھا کہ راستہ جلدی جلدی طے ہو رہا ہے...... یہ بات اس کی سمجھ سے باہر تھی کہ ایسا کس طرح ممکن ہے...... اگر وہ چھ قدم اُٹھاتا تھا تو راستہ پچاس قدم کا طے ہو جاتا تھا...... ایک تو جمشید کا دل و دماغ شیوانی بدرُوح کے قبضے میں تھا، دوسرے اس کی سوچنے کی طاقت بہت مدہم پڑ چکی تھی...... وہ کافی دیر تک چلتا رہا اور بہت لمبا فاصلہ اس نے طے کر لیا تھا...... وہ ایک ویرانے میں سے گزر رہا تھا جہاں زمین پر کہیں کہیں خشک جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں اور پتھر بکھرے ہوئے تھے...... اسے دُور رات کے اندھیرے میں ٹیلے سے دکھائی دینے لگے...... شیوانی کی آسیبی طاقت جمشید کو اپنی رہنمائی میں چلا رہی تھی اور وہ بے خودی کے عالم میں چلا جا رہا تھا...... وہ ٹیلوں کے پاس پہنچ گیا۔

ان ٹیلوں کے درمیان اسے اندھیرے میں گاؤں کے مکان نظر آئے...... یہی وہ گاؤں تھا جہاں اسے جانا تھا اور جہاں سے مندر کے پجاری کی اکلوتی بیٹی شانتی کو پہلے کی طرح اسے گھر سے باہر لا کر بے ہوش کر کے شیوانی بدرُوح کے آسیبی کھنڈر میں لے جانا تھا...... اس وقت گاؤں کے مندر میں پجاری کی بیٹی شانتی کی ایک خاص رسم ادا کی

جا رہی تھی جو شادی سے تین دن پہلے آدھی رات کو بھگوان ہنومان کی مورتی کے آگے آگ جلا کر ادا کی جاتی ہے...... یہ اس علاقے کے برہمن پجاریوں کی خاص رسم ہوتی ہے...... گاؤں کا یہ مندر بڑا مختصر سا تھا اور صرف ایک ڈیوڑھی اور ایک کوٹھڑی پر مشتمل تھا...... کوٹھڑی میں دیوار کے ساتھ اونچے استھان پر بھگوان ہنومان کی مورتی رکھی ہوئی تھی، اس کے آگے مٹی کی پرات میں آگ روشن تھی...... لوبان سلگ رہے تھے...... پجاری کی بیٹی شانتی مورتی کے آگے ہاتھ جوڑے سر جھکا کر بیٹھی تھی...... اس کی ماتا اور ایک رشتے دار عورت شانتی کے دائیں بائیں بیٹھی تھیں...... شانتی کا پجاری باپ ہاتھ میں کانسی کی تھالی لئے ہنومان کی مورتی کے پاس کھڑا آرتی اتار رہا تھا...... کانسی کی تھالی میں پھول پڑے تھے اور ایک دیا جل رہا تھا...... آرتی اتارتے ہوئے پجاری ساتھ ساتھ کوئی بھجن بھی گا رہا تھا۔

جمشید شیوانی بدروح کے آسیبی طلسم کے زیر اثر آہستہ آہستہ چلتا مندر کے دروازے کے قریب آ کر رک گیا...... مندر کی کوٹھڑی میں سے بھجن گانے کی آواز آ رہی تھی...... شیوانی بدروح خود جمشید کے ساتھ نہیں تھی مگر اس کی آسیبی طاقت جمشید کے جسم میں موجود تھی...... اس کے خیالات اور سوچنے کی صلاحیت شیوانی کے آسیب کے قبضے میں تھی...... اسے خیال آیا کہ اس کو ایک سادھو کے روپ میں مندر میں داخل ہونا چاہئے اور پھر پجاری سے دوستی کر کے اس کی بیٹی کو اغوا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے...... اس خیال کے ساتھ ہی اپنے آپ جمشید کی شکل بدل گئی...... اس کا لباس بھی بدل گیا...... اب وہ ایک جٹا دھاری سادھو کے روپ میں مندر کے دروازے کے پاس کھڑا تھا...... وہ مندر کی ڈیوڑھی میں آ گیا۔

جب مندر کی کوٹھڑی میں سے بھجن گانے کی آواز بند ہو گئی اور اشلوک پڑھنے کی آواز آنے لگی تو جمشید نے اولکھ نرنجن کا نعرہ لگایا اور بڑے اعتماد کے ساتھ کوٹھڑی میں داخل ہو گیا...... مندر کا پجاری اور شانتی کا باپ اس وقت اپنی بیٹی کو تھالی میں سے ایک

پھول اُٹھا کر اس کی ہتھیلی پر رکھ رہا تھا...... جیسے ہی جمشید سادھو کے رُوپ میں داخل ہوا پجاری نے نگاہ اُٹھا کر اسے دیکھا...... سادھو کو دیکھتے ہی پجاری نے سادھو کے اندر چھپے ہوئے جمشید عامل کو اس کے اصلی رُوپ میں دیکھ لیا...... پجاری کو اسی لمحے یہ بھی پتہ چل گیا کہ یہ شخص جس نے سادھو کا رُوپ دھارا ہوا ہے کالے جادو کا عامل ہے اور اس وقت کسی خطرناک آسیب کے قبضے میں ہے...... پجاری اب یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ سادھو وہاں کس لئے آیا ہے اور وہ کون سا آسیب ہے جس نے اس شخص کو سادھو کے رُوپ میں وہاں بھیجا ہے۔

پجاری نے جمشید سادھو کو پرنام کرتے ہوئے کہا۔

"پدھاریئے مہاراج! آپ بڑی شبھ گھڑی کے موقع پر پدھارے ہیں...... یہ میری بیٹی شانتی ہے...... اس کا تین دن بعد بیاہ ہونے والا ہے...... اسے اپنا آشیرواد دیجئے۔"

جمشید نے سادھو کے رُوپ میں شانتی کو بڑے غور سے دیکھا اور جھک کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا۔

"بیٹی! ہمیں دیوتاؤں نے تمہیں آشیرواد دینے کے لئے ہی یہاں بھیجا ہے...... سدا سہاگن رہو۔"

پھر اس نے پجاری کی طرف دیکھ کر کہا۔

"پجاری جی! ہم علیحدگی میں تم سے ایک خاص بات کرنا چاہتے ہیں۔"

پجاری نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"میرا مکان ساتھ ہی ہے...... میرے ساتھ آ جایئے۔"

پجاری کا چھوٹا سا مکان مندر کے ساتھ ہی تھا...... وہ اسے اپنے مکان میں لے گیا اور خالی کوٹھڑی میں جمشید سادھو کو چارپائی پر بیٹھنے کے لئے کہا، جمشید سادھو چارپائی پر ہری اوم ہری اوم کہتا بیٹھ گیا۔

پجاری خود اس کے سامنے دوسری چارپائی پر بیٹھ گیا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"حکم کریں مہاراج!"

جمشید سادھو کے ذہن میں شیوانی بدرُوح کے آسیب نے جو باتیں ڈالی تھیں اس نے وہی کہنی شروع کر دیں..... اس نے کہا۔

"پجاری جی! تم بڑے بھاگوان ہو کہ دیوتاؤں نے تمہاری بیٹی کو آشیرواد دینے کے لئے مجھے یہاں بھیجا ہے۔"

پجاری بڑی عاجزی سے بولا۔

"مہاراج! یہ میرے لئے بڑے سوبھاگ کی بات ہے..... حکم کریں..... آپ مجھ سے کیا بات کرنا چاہتے ہیں۔"

پجاری یہ معلوم کرنے کو بے تاب تھا کہ اس شخص کو کس گمنام آسیبی طاقت نے اس کے پاس کس غرض کے لئے بھیجا ہے..... اتنا پجاری کو شاستروں اور ویدوں کے علم نے بتا دیا تھا کہ آسیبی طاقتیں ناستک ہوتی ہیں اور ہمیشہ بری نیت سے آتی ہیں اور کبھی انسانوں کا بھلا نہیں چاہتیں..... جمشید سادھو کہنے لگا۔

"پجاری جی! میں اگنی دیوتا کا دُوت (ایلچی) ہوں، اگنی دیوتا نے کہا ہے کہ تمہاری بیٹی سہاگن بننے کے سات دن بعد ودھوا (بیوہ) ہو جائے گی..... پرنتو اگنی دیوتا تمہاری پوجا پاٹھ سے بڑے خوش ہیں اور تمہاری بیٹی کو ودھوا ہونے سے بچانا چاہتے ہیں۔"

پجاری بولا۔

"مہاراج! میری بیٹی کو ودھوا ہونے سے بچا لیجئے..... شانتی میری اکلوتی بیٹی ہے۔"

پجاری نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا..... اگر پجاری شاستروں اور ویدوں کا بہت بڑا ودھوان (عالم) تھا تو ہندو دیومالا کے راکھششوں کے کالے جادو ٹونے کا بھی زبردست ماہر تھا..... وہ سادھو کے منہ سے اگلوانا چاہتا تھا کہ اس کی نیت کیا ہے..... جمشید سادھو نے کہا۔

"پجاری! تمہیں چنتا کرنے کی ضرورت نہیں ہے..... اگنی دیوتا نے خود تمہاری ی کو ودھوا ہونے سے بچانے کا وچن (قول) دیا ہے، لیکن اس کے لئے ایک رسم پوری رنی ضروری ہے۔"

پجاری نے اسی طرح ہاتھ باندھے ہوئے پوچھا۔

"کون سی رسم مہاراج! آپ حکم کریں..... میں ہر رسم پوری کرنے کو تیار ہوں۔"

جمشید سادھو نے کہا۔

"آج رات سورج دیوتا کے طلوع ہونے سے پہلے پہلے تمہاری بیٹی شانتی و میرے ساتھ پہاڑی ٹیلے پر بیٹھ کر اگنی دیوتا کے منتروں کا جاپ کرنا ہوگا، مگر اسے یرے ساتھ اکیلی جانا ہوگا..... صرف اس صورت میں تمہاری بیٹی بیاہ کے بعد بیوہ ہونے سے بچ سکتی ہے..... اگر اس نے ایسا نہ کیا تو شادی کے ایک ہفتے بعد اس کا خاوند ر جائے گا۔"

اب پجاری کی سمجھ میں آ گیا کہ کسی بڑے ہی خطرناک آسیب نے اس آدمی کو سادھو کے رُوپ میں اس کی بیٹی کو اغوا کرنے کے لئے بھیجا ہے..... اسے یاد آ گیا کہ شہر کے ایک مندر سے کچھ روز پہلے اسی طرح ایک پجاری کی بیٹی غائب ہو گئی تھی..... اس ی بھی دوسرے روز شادی ہونے والی تھی اور اس کا آج تک کوئی پتہ نہیں چل سکا..... پجاری اتنا جان چکا تھا کہ جس آسیب نے اپنی زبردست آسیبی طاقت سے ایک آدمی کی کایا پلٹ کر دی ہے اور صرف اس کا بھیس ہی نہیں بدلا بلکہ اس کی شکل ہی بدل ڈالی ہے..... وہ کوئی معمول آسیب نہیں ہے اور اگر اس نے اس آسیب کو ہمیشہ کے لئے ختم نہ کیا تو ہو سکتا ہے وہ کسی اور طریقے سے اس کی بیٹی شانتی کو غائب کر دے۔ پجاری کو سب سے پہلے یہ معلوم کرنا تھا کہ یہ آسیب کس شیطانی طاقت کا ہے..... اس کے بعد ہی وہ اس شیطانی طاقت کو ختم کرنے کا کوئی جتن کر سکتا تھا..... اس آسیب کے طاقتور ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی تھا کہ وہ سادھو کے رُوپ میں پجاری کو بھی نظر نہیں آیا تھا،

جبکہ اپنے طاقتور کالے جادُو کے زور سے وہ زمین کے نیچے چھپے ہوئے بڑے سے بڑے آسیب اور خطرناک سے خطرناک آسیب کو دیکھ لیتا تھا...... پجاری نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے جمشید سادھو سے کہا۔

"مہاراج! میں اگنی دیوتا کے حکم کو کیسے ٹال سکتا ہوں اور پھر یہ میری بیٹی کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔"

جمشید سادھو نے کہا۔

"تو پھر ابھی اپنی بیٹی کو میرے ساتھ روانہ کردو...... یہاں قریب ہی ایک سنسان ٹیلہ ہے میں وہاں لے جاکر اس سے اگنی دیوتا کے منتروں کا جاپ کرواتا ہوں تاکہ تمہاری بیٹی سدا سہاگن رہے۔"

پجاری نے کہا۔

"آپ یہاں بیٹھیں مہاراج! میں شانتی کو لے کر ابھی آتا ہوں۔"

جمشید سادھو نے اولکھ نرنجن کا نعرہ لگا کر کہا۔

"پجاری دیر نہ لگانا...... رات گزرتی جارہی ہے...... اگر سورج نکل آیا تو پھر تمہاری بیٹی کو بیوہ ہونے سے کوئی نہ بچا سکے گا۔"

پجاری بڑے ادب سے بولا۔

"مہاراج! میں ہرگز دیر نہیں لگاؤں گا...... ابھی شانتی کو لے کر آتا ہوں۔"

پجاری چلا گیا...... جمشید سادھو چارپائی پر ساکت ہو کر بیٹھا رہا...... اس کے دل میں نہ کوئی خوشی کا جذبہ تھا نہ افسوس کا جذبہ تھا...... اسے صرف ایک ہی خیال تھا کہ وہ شیوانی بدرُوح کے حکم سے جو مقصد لے کر وہاں آیا ہے وہ مقصد پورا ہورہا ہے...... شیوانی بدرُوح اپنے آسیبی ویران کھنڈر کی دیوار کے طاق کے پاس کھڑی جمشید کی واپسی کا انتظار کررہی تھی...... وہ خود اس ویران کھنڈر کی چاردیواری سے نکل کر جمشید کے ساتھ نہیں جاسکتی تھی...... دیوتاؤں کی بددعا کے اثر سے اس چاردیواری سے باہر

نکلتے ہی وہ بچھو بن جاتی اور بچھو کے جنم میں اس کا لاکھوں سال کا اگنی چکر شروع ہوجاتا...... اس نے احتیاط کے طور پر جمشید کو کہہ دیا تھا کہ میں تمہاری نگرانی کررہی ہوں گی...... البتہ شیوانی بدرُوح نے جمشید کے جسم میں اپنی بے پناہ آسیبی طاقت ضرور داخل کردی تھی جو اس کے خون میں شامل ہو کر اسے اپنے قبضے میں لے کر اس سے اپنی مرضی کے مطابق کام کروارہی تھی۔

پجاری کی بیٹی اس وقت مندر میں اپنی ماتا جی اور دوسری رشتے دار عورت کے ساتھ بیٹھی بھگوان ہنومان کی پوجا کررہی تھی...... پجاری مندر کی طرف جانے کی بجائے اپنے مکان کی پچھلی کوٹھڑی میں آگیا اور اس نے چارپائی کے نیچے سے ٹین کا بکس کھول کر اس میں سے کالے جادُو کی پستک نکالی، پستک پر گرد جمی ہوئی تھی...... پجاری نے سالہا سال سے کبھی اس پستک کو ہاتھ نہیں لگایا تھا...... یہ اگنی کال ورت کے ہزاروں برس قدیم اور خطرناک کالے جادُو کے منتروں کی پستک تھی...... کبھی اسے اس پستک کے منتر زبانی یاد ہوتے تھے، لیکن اپنی سادھ سنگت اور پوجا پاٹھ کی زندگی شروع کرنے کے بعد پجاری نے کالے جادُو کی یہ پستک بکس میں بند کردی تھی۔

پستک کی گرد جھاڑ کر پجاری نے اس کو کھولا اور لالٹین کی دھیمی روشنی میں اس کی ورق گردانی شروع کردی...... وہ جانتا تھا کہ کون سا منتر کہاں لکھا ہوا ہے اور کون سا منتر کس مقصد کے لئے پڑھا جاتا ہے...... بہت جلد اس نے وہ ورق نکال لیا جس پر وہ خاص منتر سنسکرت زبان میں لکھا ہوا تھا جس کی پجاری کو تلاش تھی...... یہ منتر ایسا تھا کہ اس کے ایک سو مرتبہ پڑھنے سے کسی بھی کالے جادُوگر کے اندر چھپے ہوئے آسیب کو ایک ہی نظر میں دیکھ لینے اور اسے اپنے قبضے میں کرنے کی شکتی پیدا ہوجاتی تھی...... اس کے لئے آدمی کے کالے جادُو کے ماہر ہونے کی شرط لازمی تھی اور اس وقت اس سارے علاقے میں شانتی کے باپ یعنی پجاری سے زیادہ کالے جادُو کا ماہر کوئی نہیں تھا۔

پجاری نے اس وقت اپنے دل میں اس شکتی منتر کا جاپ شروع کر دیا...... دل میں شکتی منتر کا جاپ کرتا مندر میں جا کر اس نے اپنی بیوی اور شانتی کی ماں سے کہا۔

"شانتی کو لے کر فوراً اپنی کوٹھڑی میں چلی جاؤ اور جب تک میں نہ آؤں کوٹھڑی کا دروازہ اندر سے بند رکھنا...... کوئی بھی آ جائے، دروازہ ہرگز مت کھولنا۔"

شانتی کی ماں نے کسی قدر گھبرا کر پوچھا۔

"سوامی! بات کیا ہے؟"

پجاری نے کہا۔

"سوال مت کرو...... جیسا میں نے کہا ہے ویسے ہی کرو...... جاؤ۔"

شانتی کی ماں اسی وقت شانتی کو لے کر اپنے مکان پر آئی اور اسے اپنے ساتھ لئے مکان کی ایک کوٹھڑی میں آ کر دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈی لگا لی...... شانتی کا باپ پجاری شکتی منتر کا دل میں جاپ کرتا اس کوٹھڑی کی طرف بڑھا جہاں جمشید سادھو کے رُوپ میں چارپائی پر کسی پتھر کے بت کی طرح بالکل ساکت ہو کر بیٹھا پجاری کے واپس آنے کا انتظار کر رہا تھا...... کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر پجاری اندر داخل ہوا...... اس نے شکتی منتروں کا جاپ پورا کر لیا تھا اور اس کے اندر وہ خفیہ طاقت آ چکی تھی جس کی مدد سے وہ پتھر کی تہوں میں چھپی ہوئی آسیبی شکلوں کو بھی آسانی سے دیکھ سکتا تھا اور انہیں اپنے قبضے میں کر سکتا تھا...... جمشید سادھو نے پجاری کو اپنی بیٹی کے بغیر آتے دیکھا تو بلند آواز میں پوچھا۔

"بیٹی شانتی کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لائے؟"

کوٹھڑی میں لالٹین روشن تھی...... پجاری نے اندر آتے ہی جمشید سادھو پر نگاہ ڈالی تو اسے اس کے اندر آسیبی قوت کے رُوپ میں چھپی ہوئی شیوانی بدرُوح نظر آ گئی...... پجاری کے علم میں تھا کہ اگر اکال ورت کے حساب سے اس منتر کو اُلٹا کر کے سات بار پڑھ کر پھونکا جائے تو آسیبی طاقت قبضے میں آ جاتی ہے...... پجاری ان منتروں

کا ماہر تھا...... وہ یہ کہتا ہوا بڑے آرام سے جمشید سادھو کے سامنے والی چارپائی پر بیٹھ گیا اور بولا۔

"بیٹی شانتی آ رہی ہے مہاراج!"

اس دوران پجاری نے دل ہی دل میں اکال ورت کے حساب سے منتروں کی اُلٹی گنتی پوری کر لی...... جمشید سادھو کو کچھ گھبراہٹ سی محسوس ہوئی...... وہ چارپائی سے اُٹھنے لگا تو پجاری نے اس پر منتر پھونک دیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا۔

"تم جو کوئی بھی ہو اپنی اصلی شکل میں میرے سامنے آ جاؤ۔"

جمشید سادھو کا سارا بدن زور سے کپکپایا اور وہ اپنی اصلی یعنی عامل جمشید کی شکل میں ظاہر ہو گیا...... پجاری نے کہا۔

"تمہیں یہاں کس نے بھیجا ہے؟"

جمشید اپنے اندر بے حد کمزوری محسوس کر رہا تھا...... اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کی ساری طاقت سلب کر لی ہے...... اس کا حلق خشک ہو گیا تھا، پجاری بولا۔

"میں جانتا ہوں تم خود کوئی آسیب نہیں ہو...... تم کسی آسیب کے کاری کرتا (معمول) ہو...... مجھے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ تم جس آسیبی طاقت کے قبضے میں تھے اس نے تمہیں یہاں میری بیٹی شانتی کو اُٹھا لے جانے کے لئے بھیجا تھا...... میں یہ بھی جان گیا ہوں کہ تم کسی زمانے میں کالے جادو کے ماہر تھے اور جادو ٹونا کیا کرتے تھے...... مجھے صرف اس آسیب کے بارے میں بتا دو کہ وہ کون ہے جس نے تمہیں شانتی کو اپنے قبضے میں کر کے اغوا کرنے کے لئے بھیجا تھا۔"

جمشید اب اپنی اصلی انسانی حالت میں واپس آ چکا تھا...... وہ یہ بھی جان گیا تھا کہ یہ پجاری بہت بڑی شکتی کا مالک ہے جس نے شیوانی بدرُوح ایسی بہت بڑی شکتی والی بدرُوح کی طاقت کو اپنے قبضے میں کر لیا ہے...... جمشید خود اس بدرُوح شیوانی سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا...... اس نے پجاری سے کہا۔

"مجھے جس آسیبی طاقت نے میرا رُوپ بدل کر یہاں بھیجا ہے اس کا نام شیوانی بدرُوح ہے۔"

"وہ کہاں رہتی ہے؟" پجاری نے پوچھا۔

جمشید نے کہا۔

"مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ ایک آسیب زدہ کھنڈر ہے جو یہاں سے دُور ایک ویران جنگل میں ہے...... شیوانی بدرُوح اسی جگہ رہتی ہے۔"

پجاری نے پوچھا۔

"وہ خود کیوں نہیں آئی...... اگر یہ بدرُوح تمہارا رُوپ بدل کر تمہیں یہاں بھیج سکتی تھی تو خود بھی آسکتی تھی، اس کے پاس تو بہت بڑی شکتی ہے۔"

جمشید نے کہا۔

"یہ مجھے معلوم نہیں...... اس نے مجھے اپنے قبضے میں کر رکھا تھا...... میں اس کے حکم کا پابند تھا...... وہ جیسے مجھے کہتی تھی میں ویسے ہی کرتا تھا۔"

پجاری بولا۔

"یہ میں جانتا ہوں کہ اس میں تمہارا کوئی قصور، کوئی دوش، کوئی اختیار نہیں تھا، لیکن تم تو خود کالے جادُو کے ماہر ہو تم کیسے اس بدرُوح کے قبضے میں آ گئے؟"

جمشید نے سچ بولتے ہوئے کہا۔

"میں کالے علم کا عامل ضرور تھا، لیکن میں نے آتش پرستوں کا مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا تھا اور اس کے بعد کالے جادُو سے توبہ کر لی تھی اور پھر شیوانی بدرُوح کی بے پناہ آسیبی طاقت کے آگے میرا کوئی بھی جادُو نہیں چل سکتا تھا۔"

پجاری نے جمشید کو گھور کر دیکھا اور کہنے لگا۔

"اچھا تو تم مسلمان ہو۔"

"خدا کا شکر ہے کہ میں مسلمان ہوں۔" جمشید نے جواب دیا۔

"پجاری بولا۔

"لیکن میں نے تو سنا ہے کہ مسلمان پر کسی بدرُوح کے آسیب کا اثر نہیں ہوتا...... پھر تم پر کیسے ہو گیا؟"

جمشید نے کہا۔

"اگر مسلمان بھی کوئی گناہ کرے گا تو اسے اس کی سزا ضرور ملے گی...... مجھے بھی میرے گناہوں کی سزا مل رہی ہے...... اگر میں نیک عمل کروں تو میری سزا کم ہو سکتی ہے، لیکن شیوانی بدرُوح نے مجھے اپنے آسیب میں جکڑ کر میرے اچھے عمل کرنے کے سارے راستے بند کر دیئے تھے، میں نے اس کے کہنے پر شہر کے پجاری کی بیٹی کملا کو اغوا کر کے بہت بڑا گناہ کیا تھا...... خدا کا شکر ہے کہ میں تمہاری بیٹی کو اغوا کرنے کے گناہ سے بچ گیا ہوں۔"

پجاری بولا۔

"مجھے پہلے سے ہی یقین تھا کہ شہر والے مندر کے پجاری کی بیٹی کملا کو بھی اسی بدرُوح نے اُٹھایا ہے...... کیا کملا زندہ ہے یا شیوانی نے اسے کسی دیوی دیوتا پر قربان کر دیا ہے؟"

جمشید بولا۔

"کملا ابھی زندہ ہے اور شیوانی کے آسیبی آشرم میں ایک تابوت کے اندر بے ہوش پڑی ہے۔"

پجاری نے کہا۔

"قدرت نے تمہارے لئے ایک نیک عمل کر کے اپنے گناہوں کی سزا کم کرنے کا موقع پیدا کر دیا ہے...... اگر تم کملا کو شیوانی بدرُوح کے آسیبی آشرم سے نکال کر کسی طرح اس کے باپ کے پاس پہنچا دو تو ہو سکتا ہے بھگوان تمہارے اس نیک عمل کے بدلے میں تمہارے گناہ معاف کر دے۔"

جمشید سوچ میں پڑ گیا...... پھر کہنے لگا۔

"میں اس بے گناہ معصوم لڑکی کو اس کے ماں باپ کے پاس پہنچانا چاہتا ہوں، لیکن شیوانی بدرُوح کے آسیبی آشرم سے کملا کو نکال کر لانا اتنا آسان نہیں ہے، خاص طور پر ایسی حالت میں جبکہ میرے پاس شیوانی کے آسیبی طلسم کو توڑنے کے لئے کوئی جادُو نہیں ہے۔"

پجاری نے جواب دیا۔

"یہ جادُو میں تمہیں دوں گا۔"

جمشید نے کہا۔

"شیوانی بڑی شکتی والی اور خطرناک بدرُوح ہے...... تمہارا جادُو اس پر اثر نہیں کرے گا۔"

پجاری بولا۔

"میں نے تمہارے سامنے اس کے طلسم کو اپنے جادُو سے شکست دی ہے اور اس کی آسیبی طاقت جو تمہارے اندر تھی ختم کر کے تمہیں تمہاری اصلی شکل صورت میں لے آیا ہوں...... اگر میں ایسا کر سکتا ہوں تو شیوانی کے آسیبی طلسم کو بھی توڑ سکتا ہوں۔"

جمشید بولا۔

"اگر یہ بات ہے تو میں بے گناہ معصوم لڑکی کملا کو شیوانی کی قید سے نکال کر لانے کے لئے تیار ہوں۔"

"مجھے تم سے یہی اُمید تھی۔" پجاری نے کہا۔

"تم نے ایک بہادر مسلمان ہونے کا ثبوت دیا ہے۔"

جمشید نے کہا۔

"ایک بات کا خطرہ ہے۔"

"کس بات کا؟" پجاری نے پوچھا۔

جمشید نے کہا۔

"آسیبی آشرم سے نکلتے وقت شیوانی بدرُوح نے مجھے کہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں گی اور تمہاری نگرانی کر رہی ہوں گی...... ہو سکتا ہے اس نے ہماری باتیں سن لی ہوں اور وہ ہوشیار ہو جائے اور کملا کو وہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ چھپا دے۔"

پجاری بولا۔

"مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ شیوانی ایک سراپ (بددعا) پائی ہوئی بدرُوح ہے...... وہ کسی حالت میں بھی اپنے آسیبی آشرم کی چار دیواری سے باہر نہیں جا سکتی، یہ بات اس نے تمہیں ڈرانے کے لئے کہی تھی...... تم اس کی فکر نہ کرو۔"

جمشید کہنے لگا۔

"لیکن پھر بھی مجھے دیر نہیں کرنی چاہئے...... شیوانی میرا انتظار کر رہی ہے، میں نہ گیا تو کملا کی جان خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

پجاری نے کہا۔

"یہ میں بھی جانتا ہوں...... تمہیں دیر کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔"

جمشید بولا۔

"مجھے جلدی سے وہ جادُو بتا دو جس کے پھونکنے سے شیوانی کی آسیبی طاقت کو شکست دی جا سکتی ہے۔"

پجاری نے کہا۔

"میرے ساتھ ساتھ والی کوٹھڑی میں آؤ۔"

جمشید پجاری کے ساتھ مکان کی دوسری کوٹھڑی میں آ گیا...... یہ کوٹھڑی بہت ہی چھوٹی تھی، اس کی دیوار میں ہنومان کی مورتی لگی تھی...... اس کے آگے دیا جل رہا

تھا...... پجاری نے جمشید کو اپنے پاس مورتی کے قریب بٹھالیا اور بولا۔

"جادو بتانے کی بجائے میں تم پر ایک منتر پڑھ کر پھونکوں گا...... یہ اشوانی دیوی کا خاص منتر ہے جو پاتال کی دیوی دیوتاؤں کی مہارانی جادوگرنی ہے...... اس کے اثر سے تم پر شیوانی بدرُوح کے کسی آسیبی منتر کا اثر نہیں ہوگا۔"

جمشید نے خدشے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"اگر شیوانی کو پتہ چل گیا کہ مجھ پر اشوانی دیوی کا منتر پھونکا گیا ہے تو ہو سکتا ہے وہ کملا کو اپنے ساتھ لے کر وہاں سے غائب ہو جائے۔"

پجاری بولا۔

"شیوانی بدرُوح کی اتنی طاقت اتنی شکتی نہیں ہے کہ وہ اشوانی دیوی کے منتر کا سراغ لگا سکے...... تم بے فکر رہو، لیکن اس کے سامنے جا کر تم یہی ظاہر کرو گے کہ جیسے تم ابھی تک شیوانی بدرُوح کے آسیبی اثر میں ہو۔"

جمشید نے پوچھا۔

"لیکن جب وہ شانتی کے بارے میں پوچھے گی کہ میں اسے اٹھا کر کیوں نہیں لایا تو میں کیا جواب دوں گا؟"

پجاری بولا۔

"تم یہی کہہ دینا کہ پجاری کے گھر کے اِرد گرد کسی نے زبردست طلسم کیا ہوا تھا، جس کی وجہ سے میں پجاری کے گھر میں داخل نہیں ہو سکا...... اس کے بعد تم وہاں سے کملا کو نکالنے کی کوشش شروع کر دینا۔"

اس کے بعد پجاری نے جمشید کے ماتھے پر دو انگلیاں رکھیں اور اشوانی دیوی کے منتروں کا جاپ شروع کر دیا...... ہر ایک دو منٹ کے بعد وہ جمشید کے چہرے پر آہستہ سے پھونک مار دیتا...... دس پندرہ منٹ تک وہ یہی کچھ کرتا رہا...... جمشید کا خیال تھا کہ ہو سکتا ہے اشوانی دیوی کے منتروں کے اثر سے اس کے جسم کے اندر

ئی خاص تبدیلی ہو مگر ایسا نہ ہوا...... پجاری نے منتروں کا جاپ ختم کرتے ہوئے شید سے کہا۔

"میں نے اشوانی دیوی کا خاص منتر تمہارے جسم میں داخل کر دیا ہے...... اب ہارے اندر وہ شکتی اور طاقت پیدا ہو گئی ہے کہ اس کا مقابلہ بڑے سے بڑے اُدوگر کا منتر بھی نہیں کر سکتا...... تم ایک نیک مقصد لے کر اس مہم پر جا رہے و...... اشوانی دیوی خود تمہاری مدد کرے گی...... اب تم جاؤ اور کملا کو لے کر میرے کان پر ہی آنا اور کہیں مت جانا...... میں اس معصوم بچی کو خود اس کے باپ کے پاس ہنچا دوں گا۔"

جمشید پجاری سے اجازت لے کر واپس چل پڑا۔

رات کا پچھلا پہر شروع ہو چکا تھا...... آسمان پر ستاروں کی چمک ماند پڑنے لگی ھی...... جمشید کو صاف محسوس ہو رہا تھا کہ اس پر بدرُوح شیوانی کے آسیبی طلسم کا اثر اقی نہیں رہا...... وہ پوری صحت مندی کے ساتھ اپنے ہوش و حواس میں تھا...... اشوانی یوی کے منتروں کی وجہ سے وہ اپنے اندر ایک طاقت سی محسوس کر رہا تھا...... وہ جلدی سے جلدی شیوانی بدرُوح کے آشرم میں پہنچنا چاہتا تھا، اسے معلوم تھا کہ وہ اس کا شدت سے انتظار کر رہی ہو گی...... جمشید نے دوڑنا شروع کر دیا...... راستہ اسے معلوم تھا، اس نے محسوس کیا کہ ایک تو اس کی رفتار تیز ہو گئی ہے دوسرے اس کو دوڑنے سے نہ تو تھکاوٹ ہو رہی ہے اور نہ ہی اس کا سانس پھول رہا تھا...... یہ اشوانی دیوی کے منتروں کا اثر ہی ہو سکتا تھا۔

وہ بہت جلد رات کے اندھیرے اندھیرے میں ہی شیوانی بدرُوح کے آسیبی ٹھکانے پر پہنچ گیا...... رات کی تاریکی میں اسے دُور سے آسیبی کھنڈر کی دیوار نظر آ گئی، جب وہ دیوار کے پاس آیا تو دیوار کی دوسری جانب کھڑی شیوانی بدرُوح کو فوراً اس کی آمد کا علم ہو گیا...... اس نے دیوار کی طرف اپنی انگلیوں کا اشارہ کیا...... دیوار ایک جگہ

سے شق ہو گئی اور وہاں طاق نمودار ہو گیا...... جمشید طاق میں سے اندر آ گیا...... وہ اس طرح ظاہر کر رہا تھا جیسے شیوانی بدرُوح کی آسیبی طاقت کے اثر میں ہو، وہ بالکل سیدھا کھڑا ہو گیا۔

شیوانی بدرُوح نے جب اسے خالی ہاتھ آتے دیکھا تو غضبناک ہو کر بولی۔

"تم پجاری کی بیٹی کو ساتھ کیوں نہیں لائے؟"

جمشید نے پہلے ایسی آواز نکال کر کہا۔

"پجاری کے مکان کے چاروں طرف کسی نے زبردست طلسمی دائرہ کھینچ رکھا ہے...... میں نے بار بار اس دائرے میں سے گزرنے کی کوشش کی مگر ہر بار مجھے زبردست جھٹکا لگا اور میں پیچھے کو گر پڑا۔"

شیوانی بدرُوح کے چوڑے مکروہ نتھنوں سے پھنکاروں کی آوازیں نکلنے لگیں...... اس نے چیخ کر کہا۔

"اس پجاری کی یہ ہمت کہ میرے منتروں کا مقابلہ کرے؟ تم اپنے تابوت میں جا کر لیٹ جاؤ...... کل آدھی رات کو میں تمہیں ایک خاص منتر بتا کر بھیجوں گی...... اس کے اثر سے تم پجاری کے طلسمی دائرے میں سے گزر سکو گے، جاؤ۔"

یہ حکم پا کر جمشید ایک زندہ مجسمے کی طرح راہداری میں چل پڑا...... وہاں سے وہ تابوتوں والے کمرے میں آ گیا اور اپنے خالی تابوت میں چپ چاپ لیٹ گیا...... اس کا تابوت اُوپر سے کھلا تھا...... کملا کا تابوت بند تھا...... سامنے کچھ فاصلے پر دیوار میں ایک مشعل جل رہی تھی...... وہ سوچنے لگا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہیے...... وہ کملا کے تابوت کو کھولتے ہوئے ڈر رہا تھا...... تابوت کو کھول کر ہی وہ اس بے گناہ معصوم برہمن لڑکی کو وہاں سے نکال کر لے جا سکتا تھا...... اسے خدشہ تھا کہ جیسے ہی اس نے کملا کو تابوت میں سے نکالنے کی کوشش کی شیوانی بدرُوح کو فوراً پتہ چل جائے گا اور وہ اسی وقت وہاں ظاہر ہو کر کملا کے ساتھ جمشید کو بھی ہلاک کر ڈالیگی...... وہ اسی

ہن میں تابوت کے اندر سیدھا پڑا تھا کہ اس کے کان میں ایسی آوازیں سنائی دیں یے تیز آندھی چلنے لگی ہو...... وہ ڈر گیا کہ شیوانی بدرُوح کو اس کے منصوبے کا علم گیا ہے اور اب وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گی...... وہ خوفزدہ حالت میں اسی طرح بوت میں لیٹا رہا...... تیز آندھی کا شور ایک دم سے غائب ہو گیا...... اب اس کے وں میں سنسناہٹ کی آوازیں اُبھرنے لگیں...... پھر اسے ایک عورت کی دھیمی سی واز سنائی دی۔

"اُٹھو اور ہمارے پجاری کی بیٹی کملا کا تابوت کھولو۔"



جمشید آواز سنتے ہی خوف سے کانپ گیا۔

وہ سمجھ گیا کہ یہ شیوانی بدرُوح کی آواز ہے اور اسے سب کچھ معلوم ہو گیا ہے، اس نے سہم کر کہا۔

"شیوانی! میرا کوئی قصور نہیں...... پجاری نے مجھے ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے۔"

عورت کی دھیمی آواز پھر اس کے کانوں میں آئی۔

"ڈرو نہیں...... میں شیوانی بدرُوح نہیں ہوں...... میں اشوانی دیوی ہوں جس کے طلسمی منتر کی شکتی سے تم معصوم کملا کو یہاں سے نکالنے آئے ہو۔"

یہ سن کر جمشید کی جان میں جان آگئی...... اس نے آہستہ سے کہا۔

"شیوانی بدرُوح کو پتہ چل گیا تو وہ کملا کے ساتھ مجھے بھی زندہ نہیں چھوڑے گی۔"

اشوانی دیوی کی آواز آئی۔

"تم کیوں گھبرا رہے ہو، جو میں کہتی ہوں وہ کرو...... شیوانی بدرُوح تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی...... اُٹھو اور کملا کو تابوت سے نکال کر اس دیوار کے پاس آؤ جہاں سے تم اندر آئے تھے۔"

جمشید کو اشوانی دیوی کے دلاسے سے حوصلہ بھی ہوا تھا اور وہ ڈر بھی رہا تھا کہ کہیں کملا کو بچاتے بچاتے وہ خود موت کے منہ میں نہ چلا جائے، لیکن ساتھ ہی ساتھ

ے اپنے خدا پر بھروسہ بھی تھا...... وہ اس معصوم لڑکی کو بچانا بھی چاہتا تھا۔

وہ آہستہ سے اُٹھ کر تابوت سے باہر نکل آیا۔

تابوتوں والا آسیبی کمرہ ایسے خاموش تھا جیسے وہاں موت کے سائے منڈلا رہے وں، اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی...... کملا جس تابوت میں بند تھی وہ اس کے ہلو میں ہی تھا اور بند تھا...... اس نے جھک کر آہستہ سے تابوت کا ڈھکنا ایک طرف ٹا دیا...... دیوار پر جلتی مشعل کی روشنی میں اس نے دیکھا کہ پجاری کی معصوم لڑکی کملا ی طرح تابوت میں بے ہوش پڑی تھی...... اس کے لباس میں سے ابھی تک اُبٹن اور ندن کی خوشبو آرہی تھی...... اسے اشوانی دیوی کی مدھم آواز سنائی دی۔

"کملا کا نام لے کر اسے اُٹھنے کے لئے کہو۔"

جمشید نے جھک کر بے ہوش کملا کے قریب منہ لے جا کر کہا۔

"کملا اُٹھو!" اس کی آواز سنتے ہی لڑکی نے آنکھیں کھول دیں اور اُٹھ کر بیٹھ گئی، وہ یران ہو کر ادگرد دیکھنے لگی اور بولی۔

"میں کہاں ہوں؟"

جمشید نے اپنے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر کہا۔

"شی! خاموش رہو...... کچھ مت بولو...... میرے ساتھ آؤ۔"

کملا تابوت میں سے نکل کر جمشید کے ساتھ چل پڑی...... جمشید کو ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ اپنی موت کو ساتھ لے کر چل رہا ہے، مگر وہ موت کے منہ میں اُتر چکا تھا...... ب اسے اپنے ساتھ اس بے گناہ لڑکی کو بھی لے کر موت کے منہ سے باہر نکلنا تھا، جس راستے سے شیوانی بدرُوح اسے گزار کر لے گئی تھی وہ اسی راستے پر کملا کو لے کر جارہا تھا...... جب وہ اندھیری راہ داری میں داخل ہوا تو اسے چیخ و پکار کی ایسی ڈراؤنی آوازیں سنائی دیں جیسے بہت سی چڑیلیں ایک ساتھ مل کر رو رہی ہوں...... کملا ڈر کر اس کے ساتھ لگ گئی...... جمشید بھی ڈر گیا تھا اور وہیں رُک گیا تھا...... اس کے کان

میں اشوانی دیوی کی آواز آئی۔

"ڈرو نہیں...... آگے بڑھو...... میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

جمشید نے ڈرتے ڈرتے قدم آگے بڑھایا...... تھوڑی ہی دیر بعد ڈراؤنی چیخوں کی آوازیں بند ہو گئیں...... تاریک راہ داری کی دیوار اب چند قدموں کے فاصلے پر تھی، جمشید نے کملا کو حوصلہ دیا اور اس کا ہاتھ تھام کر دیوار کی طرف چلا...... دو قدم چلا ہو گا کہ اندھیری راہ داری کی فضا سانپوں اور اژدھوں کی دل ہلا دینے والی پھنکاروں سے گونج اُٹھی...... کملا کی چیخ نکل گئی اور وہ جمشید کے ساتھ چمٹ گئی...... اس کا جسم کانپ رہا تھا...... جمشید پر بھی دہشت طاری ہو گئی تھی...... اشوانی دیوی نے پر سکون دھیمی آواز میں کہا۔

"ڈرو نہیں......ڈرو نہیں......دیوار کے پاس آجاؤ۔"

جمشید نے کملا کا بازو تھام کر دیوار کی طرف قدم بڑھایا...... دیوار اندھیرے میں نظر آرہی تھی......اچانک ایک فلک شگاف چیخ کی آواز بلند ہوئی اور شیوانی بدرُوح اپنی بھیانک شکل کے ساتھ سامنے آکر کھڑی ہو گئی...... اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے......اس کے حلق سے غضبناک ڈراؤنی آوازیں نکل رہی تھیں...... اس نے اپنا ترشول والا ہاتھ اُٹھا کر اژدھا ایسی پھنکار کے ساتھ ترشول جمشید کی طرف پھینکا...... ترشول میں سے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں...... جمشید ڈر کر نیچے ہونے ہی لگا تھا کہ شعلہ نما ترشول جمشید کے قریب آکر غائب ہو گیا...... لڑکی کملا جمشید کے ساتھ چمٹی خوف سے لرز رہی تھی...... شیوانی بدرُوح تڑپ کر زمین سے دس فٹ بلند ہو گئی اور اپنی آنکھوں سے شعلے برساتی جمشید کی طرف لپکی...... اس کا سیاہ فام منہ ایک غار کی طرح کھل گیا تھا جس میں سے آگ نکل رہی تھی...... دہشت کے مارے جمشید اور کملا دونوں کی چیخیں نکل گئیں...... پھر ایسا ہوا کہ شیوانی بدرُوح اس سے پہلے کہ جمشید اور کملا دونوں کو اپنے منہ سے نکلتی آگ کی لپیٹ میں لیتی اس کا جسم شعلہ بن کر بھڑک اُٹھا

اور وہ آگ کے گولے کی طرح راہ داری کی چھت سے ٹکرائی اور پھر نیچے گر پڑی اور خوفناک چیخوں کی آوازوں میں دیکھتے دیکھتے جل کر بھسم ہو گئی۔

کملا جمشید کے ساتھ چمٹی دہشت کے مارے کانپ رہی تھی...... جمشید پر بھی دہشت طاری تھی، مگر وہ سمجھ گیا تھا کہ اشوانی دیوی کے طلسم نے شیوانی بدرُوح کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جلا کر راکھ کر دیا ہے......اس کے ساتھ ہی دیوار شق ہوئی اور اس میں طاق نمودار ہو گیا......اشوانی دیوی کی آواز آئی۔

"لڑکی کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔"

جمشید جلدی سے دیوار کی طرف گیا اور کملا کو بازو سے پکڑ کر دیوار کے طاق میں سے باہر نکل گیا...... ڈھلتی رات کی تازہ فضا میں آتے ہی اسے محسوس ہوا کہ اسے نئی زندگی ملی ہے اور وہ شیوانی بدرُوح کے چنگل سے خود بھی آزاد ہو گیا ہے اور پجاری کی بے گناہ بیٹی کو بھی بچا کر لے آیا ہے...... کملا پر ابھی تک ہیبت طاری تھی...... خوف سے اس کا جسم ٹھنڈا پڑ گیا تھا...... جمشید نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

"گھبراؤ نہیں کملا......اب ہمیں کچھ نہیں ہو گا، جس ڈائن نے تمہیں قید کر رکھا تھا وہ جل کر راکھ ہو چکی ہے۔"

کملا نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟"

جمشید نے کہا۔

"تمہارے گھر اور کہاں؟ جلدی یہاں سے نکل چلو۔"

کملا کو ساتھ لے کر وہ جتنی تیزی سے چل سکتا تھا اور جتنی تیزی سے کملا چل سکتی تھی، اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

ابھی صبح کی سفیدی آسمان پر پھیلنا شروع ہوئی ہی تھی کہ وہ کملا کو لے کر شانتی کے گھر پہنچ گیا...... کملا نے اس مکان کو دیکھا تو بولی۔

"یہ میرا گھر نہیں ہے۔"

جمشید بولا۔

"یہاں بڑے پجاری جی رہتے ہیں...... وہ تمہیں تمہارے گھر پہنچادیں گے۔"

شانتی کا باپ پجاری جمشید کا انتظار کر رہا تھا...... کوٹھڑی کی کھڑکی میں سے اس نے جمشید کو ایک لڑکی کے ساتھ آتا دیکھا تو جلدی سے باہر آگیا...... جمشید نے کملا کو اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"پجاری جی! یہ کملا ہے...... یہ آپ کی امانت ہے...... اسے اس کے گھر پہنچادیجئے، میں جارہا ہوں۔"

پجاری نے کہا۔

"بیٹا! تم کہاں جارہے ہو؟ ذرا ٹھہرو...... مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

جمشید کہنے لگا۔

"میں اس علاقے سے دُور نکل جانا چاہتا ہوں جو کچھ کہنا ہے یہیں کہہ لیجئے۔"

اتنے میں پجاری کی بیوی اور اس کی بیٹی شانتی بھی باہر آگئے...... پجاری نے کملا کو ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"کملا بیٹی کو اندر لے جاکر ناشتہ وغیرہ کراؤ...... میں بھی ابھی آتا ہوں۔"

پجاری کی بیوی اور شانتی کملا کو لے کر مکان کے اندر چلی گئیں، پجاری نے جمشید کا بازو تھام کر کہا۔

"بیٹا! تم اس وقت اشوانی دیوی کے منتروں کے طلسم میں ہو...... اس حالت میں جاؤ گے تو اشوانی دیوی کے دشمن دیوتا تمہیں اُٹھا کر پاتال کے راکششوں کے حوالے کردیں گے اور پھر وہاں سے تمہیں اشوانی دیوی بھی نہ بچاسکے گی۔"

جمشید سوچ میں پڑ گیا...... پجاری بولا۔

"میرے ساتھ اندر چل کر آرام کرو...... میں اشوانی دیوی کا ایک عمل کر کے تمہارے جسم سے اس کے منتروں کا طلسم دُور کردوں گا...... اس کے بعد تم بے شک چلے جانا۔"

اب جمشید پجاری کے پاس رُکنے کے لئے مجبور ہوگیا...... اس نے کہا۔

"مگر میں زیادہ دیر نہیں رکوں گا...... مجھے اس سارے علاقے سے خوف آنے لگا ہے۔"

پجاری نے جمشید کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور بولا۔

"بیٹے اب تمہیں کسی قسم کی چنتا کرنے کی ضرورت نہیں، شیوانی بدرُوح جل کر بھسم ہوچکی ہے...... وہ اب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاسکتی، لیکن اشوانی دیوی کے دشمن دیوتا تمہیں شیوانی بدرُوح سے بھی زیادہ نقصان پہنچاسکتے ہیں۔" تم ایک بار ان کے قبضے میں آگئے تو پھر تمہاری مرتیو (موت) یقینی ہے۔"

جمشید پجاری کے ساتھ اس کی کوٹھڑی میں آگیا...... اس نے جمشید کو چارپائی پر بٹھادیا اور بولا۔

"تم نے بڑا نیک کام کیا ہے...... میں کملا بیٹی کو آج ہی اس کے ماتا پتا کے گھر پہنچادوں گا۔"

جمشید بے چین ہورہا تھا، کہنے لگا۔

"پجاری جی! جلدی سے اشوانی دیوی کا عمل کر کے اس کے منتروں کا اثر میرے جسم سے نکال دو، بس...... مجھے اور کچھ نہیں چاہئے۔"

پجاری بولا۔

"بیٹا! یہ عمل سورج دیوتا کے ڈوب جانے کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے...... تمہیں شام تک انتظار کرنا ہوگا، گھبراؤ نہیں...... یہاں تمہیں کسی بدرُوح، کسی دشمن دیوتا سے کوئی خطرہ نہیں ہے...... تم اس وقت میرے اور اشوانی دیوی کے طلسمی منتروں کی

حفاظت میں ہو۔"

جمشید شام تک پجاری کے مکان میں رہنے پر مجبور ہو گیا...... شیوانی بدرُوح سے نجات حاصل کرنے کے بعد جمشید اپنی اصلی انسانی حالت میں واپس آ گیا تھا اور اب اسے بھوک پیاس لگنے لگی تھی...... اس نے پجاری سے پینے کے لئے پانی مانگا تو پجاری نے بڑی محبت سے کہا۔

"بیٹا! تم یہیں بیٹھو...... میں تمہارے لئے ناشتہ لے کر آتا ہوں۔"

پجاری چلا گیا...... جمشید کوٹھڑی میں بیٹھا سوچنے لگا کہ یہاں سے نکل کر وہ سیدھا اپنے گھر جائے گا اور اپنی باقی زندگی لوگوں کی خدمت اور یادِ الٰہی میں بسر کر دے گا...... پجاری اس کے لئے دودھ اور کچھ مٹھائی لے کر آ گیا، کہنے لگا۔

"بیٹا! اس وقت گھر میں یہی کچھ ہے...... اسے سوئیکار کرو۔"

جمشید کو بڑی بھوک لگ رہی تھی۔

وہ ناشتہ کرنے لگا...... پجاری اس کے پاس سامنے والی چارپائی پر بیٹھا اس سے باتیں کرتا اور اس کی بہادری اور نیکی کی تعریفیں کرتا رہا۔

جمشید ناشتہ کر چکا تو پجاری بولا۔

"اب تم آرام کرو...... یہاں تمہیں کوئی پریشان نہیں کرے گا، بالکل فکر نہ کرنا۔"

یہ کہہ کر پجاری چلا گیا۔

چارپائی پر بستر بچھا ہوا تھا...... جمشید لیٹ گیا، خدا جانے وہ کب سے جاگ رہا تھا...... لیٹتے ہی اس کی آنکھ لگ گئی۔

دن نکلتے ہی پجاری نے پہلا کام یہ کیا کہ ایک بزرگ آدمی کے ساتھ کملا کو دو گھوڑیوں پر بٹھا کر اس کے ماتا پتا کے گھر کی طرف روانہ کر دیا اور خود مندر میں پوجا پاٹھ کرانے چل دیا...... مندر میں اس کی بیوی پہلے سے دیوتا کی مورتی کی آرتی اتارتے ہوئے بھجن گا رہی تھی اور کچھ عورتیں اور مرد وہاں بیٹھے اس کے ساتھ بھجن گا رہے

تھے...... پجاری بھی پوجا میں شامل ہو گیا...... پوجا ختم ہونے کے بعد جب شردھالو مرد اور عورتیں پرشاد لے کر چلی گئیں تو پجاری کی بیوی نے کہا۔

"پجاری کی بیٹی کملا اپنے ماتا پتا کے پاس چلی گئی ہے...... اب اس مسلمان کو تم نے گھر میں کیوں بٹھا رکھا ہے۔"

پجاری نے اپنی بیوی کی طرف پراسرار انداز میں مسکراتے ہوئے دیکھا اور بولا۔

"شانتی کی ماتا! لکشمی دیوی ہم پر مہربان ہو گئی ہے اور بہت جلد ہم سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کے خزانوں کے مالک بن جائیں گے۔"

پجاری کی پتنی نے حیران ہو کر پوچھا۔

"تم نے گانجا تو نہیں پیا؟ کیسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہو۔"

پجاری نے ہنس کر کہا۔

"نارائنی! میں بالکل ہوش میں ہوں اور تمہیں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کا ایک ایک لفظ سچ ہے...... وہ دن دُور نہیں جب میں بھارت کے سب سے بڑے سومنات جی کے مندر کا بڑا پجاری ہوں گا اور تم اس مندر کی سب سے بڑی پجارن ہو گی اور مندر کی ساری دولت ہمارے قبضے میں ہو گی اور ہم باقی زندگی عیش و آرام سے بسر کریں گے...... بھگوان نے میری سن لی ہے نارائنی! میں شاستروں اور ویدوں کا اتنا بڑا ودوان ہوں اور یہاں پاکستان کے ایک گاؤں میں چھوٹے سے مندر کا پجاری بن کر بیٹھا ہوں...... یہاں میری وِدیا کو جاننے والا کون ہے۔"

پجاری کی پتنی اور زیادہ حیران ہو کر بولی۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ یہ سب کچھ کیسے ہو گا؟ کیسے ہو سکتا ہے...... تم نے ضرور نشہ کر رکھا ہے۔"

پجاری کا مکان مندر کی دیوار کی دوسری طرف ہی تھا...... وہ اپنی بیوی کو لے کر مکان کی کوٹھڑی میں آ گیا...... نارائنی کو اپنے پاس بٹھایا اور دروازہ بند کر دیا...... پھر خود

بھی اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

"نارائینی! تم خود ایک پجارن ہو...... تمہیں معلوم ہی ہو گا کہ نرک (دوزخ) لوک کے دیوی دیوتاؤں میں سے ایک دیوی کا نام دھشٹ دیوی ہے۔"

"ہاں" پجارن نے کہا...... "مجھے معلوم ہے۔"

پجاری بولا۔

"اور تمہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ میرا چین کال (قدیم زمانے میں) مہادیو تا سومنات جی کی مورتی کے گلے میں سونے کا ایک انمول ہار ہوا کرتا تھا جسے آکاش کے دیوتاؤں نے خود سومنات کی مورتی کے گلے میں پہنایا تھا۔"

"ہاں...... مجھے یہ بھی معلوم ہے۔" پجاری کی بیوی نے کہا۔ "مگر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

پجاری بولا۔

"اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ دھشٹ دیوی سومنات جی کی پتنی بن کر ان کے گلے سے دیوتاؤں کا ارپن کیا ہوا یہ پوتر آکاش ہار چرا کر لے گئی تھی، جس کی وجہ سے سومنات جی کی مورتی کے چرنوں میں اگنی استھان میں جلنے والی آگ بجھ گئی تھی اور آج تک وہاں ہزار کوشش کے باوجود کوئی شخص آگ روشن نہیں کر سکا۔"

پجاری کی بیوی نے کہا۔

"پہلیاں نہ بجھاؤ...... یہ بتاؤ تم کیا کیا چاہتے ہو؟"

پجاری نے اپنی بیوی کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"نارائینی! صبر سے کام لو...... میں تمہیں ابھی سب کچھ بتائے دیتا ہوں...... سومنات جی کے آکاش ہار کے چوری ہو جانے کا سوگ سینکڑوں برس سے ہندو لوگ منا رہے ہیں...... آکاش کے بڑے بڑے دیوتا بھی دھشٹ دیوی سے سومنات جی کا آکاش ہار واپس لانے میں کامیاب نہیں ہو سکے، کیونکہ دھشٹ دیوی کی شکتی کا مقابلہ کوئی

دیوتا نہیں کر سکتا...... ذرا سوچو اگر میں یہ آکاش ہار دھشٹ دیوی سے چھین کر سومنات جی کی مورتی کے گلے میں ڈالنے میں کامیاب ہو جاؤں تو سومنات کے مندر کا بڑا پجاری بننے کے علاوہ کیا ہندو لوگ مجھے دیوتا سمجھ کر میری پوجا نہیں کرنے لگیں گے؟"

پجاری کی پتنی نے کہا۔

"جس آکاش ہار کو آکاش کے دیوتا نہیں لا سکے اسے تم کیسے لے آؤ گے؟"

پجاری بولا۔

"یہی تو تجھے معلوم نہیں ہے...... آکاش ہار میں نہیں لاؤں گا...... کوئی دوسرا شخص لا کر مجھے دے گا۔"

"یہ دوسرا شخص کون ہے؟" بیوی نے پوچھا۔

پجاری بولا۔

"وہ میری کوٹھڑی میں سو رہا ہے۔"

پجاری کی پتنی نے تعجب سے کہا۔

"وہ مسلمان آدمی جو کملا کو نکال کر لایا ہے؟"

"ہاں وہی" پجاری نے کہا...... اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

پتنی بولی۔

"عجیب باتیں کر رہے ہو، جس آکاش کو ہمارے بڑے بڑے دیوتا اور دیوتاؤں کے اوتار دھشٹ دیوی سے چھین کر نہیں لا سکے، اس کو ایک مسلمان کیسے لا سکتا ہے؟"

پجاری بولا۔

"یقین کرو نارائنی اس ہار کو ایک مسلمان ہی دھشٹ دیوی کے گلے سے اتار کر لا سکتا ہے۔"

اس کے بعد پجاری نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے نارائنی کو بتایا کہ شاستروں میں لکھا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ سومنات کی مورتی کا آکاش ہار نرک

لوک کی دھشٹنی دھشٹ دیوی چرا کر لے جائے گی اور مندر کی آگ بجھ جائے گی اور جب تک آکاش ہار واپس نہیں آئے گا، مورتی کے استھان کی آگ روشن نہ ہو سکے گی اور شاستروں میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس ہار کو دیوتا او تار بھی واپس نہ لا سکیں گے، لیکن ہمارے کالے جادو کی خفیہ کتاب میں لکھا ہے کہ اس ہار کو کوئی عام مسلمان نہیں لا سکے گا...... صرف وہی مسلمان لا سکے گا جس پر پہلے سے کسی آسیب کا سایہ رہ چکا ہو۔"

پجاری بولا۔

"میں یہاں بیٹھا صرف کسی ایسے ہی مسلمان کا انتظار کر رہا تھا جس پر کسی بدروح کے آسیب کا سایہ رہ چکا ہو اور وہ آسیب کسی ہندو عورت کی بدروح کا آسیب ہو...... آخر لکشمی دیوی ہم پر مہربان ہوئی اور اس نے جمشید کی شکل میں ایک ایسا مسلمان میرے پاس بھیج دیا جس پر ایک مدت تک بڑی خطرناک ہندو عورت کی بدروح کے آسیب کا سایہ رہ چکا ہے۔"

پجاری کی بیوی نے کہا۔

"یہ آدمی ایک پکا مسلمان ہے...... وہ تمہارے کہنے پر یہ کام کبھی نہیں کرے گا...... مسلمان اپنے دھرم کے بڑے پکے ہوتے ہیں...... وہ اس قسم کی باتوں کو کفر کہتے ہیں۔"

پجاری بولا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو...... جمشید میرے کہنے پر یہ کام کرنے کو ہرگز تیار نہ ہوگا، کیونکہ وہ خود بہت زبردست جادوگر رہ چکا ہے، مگر وہ میری طاقت سے واقف نہیں ہے۔"

"تم کیا کرو گے؟" پجاری کی بیوی نے پوچھا۔

پجاری نے کہا۔

"شاید تمہیں معلوم نہیں...... ہندوؤں میں بھوت بھی ہوتے ہیں...... بدروحیں بھی ہوتی ہیں...... آسیب بھی ہوتے ہیں اور مسان بھی ہوتے ہیں، مسان ان میں سب سے زیادہ خطرناک اور ڈراؤنے ہوتے ہیں، وہ جس انسان کو چمٹ جاتے

ہیں پھر یا تو اس کا سارا خون پی کر اس کے جسم کا گوشت اور ہڈیاں تک کھا جاتے ہیں اور یا پھر اس کی روح کو قابو کر کے اس سے اپنی مرضی کے مطابق کام لیتے ہیں...... میرے قبضے میں ایک مسان ہے...... میں یہ مسان اس آدمی جمشید کے اندر داخل کر دوں گا اور وہ میرے حکم کے مطابق دھشٹ دیوی کے خفیہ مندر میں جا کر مجھے آکاش ہار لا کر دے دے گا...... یہ کام اکیلا مسان نہیں کر سکتا...... وہ صرف کسی آسیب زدہ مسلمان کے جسم میں داخل ہو کر ہی آکاش ہار لا سکتا ہے۔"

پجاری کی بیوی نے پوچھا۔

"دھشٹ دیوی کا خفیہ مندر کہاں ہے؟ کیا وہ بھارت کے کسی شہر میں ہے؟"

"نہیں۔" پجاری بولا۔

"یہ خفیہ مندر ہزاروں برس پرانا ہے اور پاکستان میں موہنجوداڑو کے کھنڈروں میں ایک جگہ زمین کے نیچے ایک تہہ خانے میں ہے جس کا سوائے میرے کسی کو علم نہیں ہے...... میرا مسان میرے حکم سے جمشید کے جسم میں داخل ہو کر مسلمان بن کر وہاں جائے گا، کیونکہ ایک مسلمان کی طاقت کے آگے ہی دھشٹ دیوی کی جادوئی طاقت بے اثر ہو سکتی ہے...... آج رات یہ کام ہو جائے گا...... تم اس کا کسی سے ذکر مت کرنا...... شانتی کو بھی نہ بتانا۔"

دوسری کوٹھڑی میں جمشید شام تک سویا رہا...... شام کے وقت وہ بیدار ہوا تو پجاری کھانا لے کر آ گیا...... جمشید نے کہا۔

"پجاری جی! میں بہت جلد اپنے گھر واپس جانا چاہتا ہوں...... جتنی جلدی ہو سکے میرے اوپر کیے ہوئے اشوانی دیوی کے منتروں کا اثر اتار دیں۔"

پجاری بولا۔

"سورج چھپ گیا ہے...... تم کھانا کھا لو...... اس کے بعد میں تمہیں اپنے ساتھ اشوانی دیوی کے استھان میں لے چلوں گا اور اپنا عمل کر کے تم پر کیے گئے اشوانی دیوی

کے منتروں کے اثر کو ختم کر دوں گا...... پھر تم بے فکر ہو کر اپنے گھر چلے جانا۔"
کھانا کھانے کے بعد جمشید پجاری کے ساتھ اس کے مکان سے نکل کر ایک طرف چل پڑا...... پجاری نے اسے بتایا تھا کہ اشوانی دیوی کا خفیہ استھان وہاں سے دُور ایک صحرائی ٹیلے کے پاس ہے...... وہ دونوں گھوڑوں پر سوار تھے...... گھوڑے رات کے اندھیرے میں ویران میدان میں چلے جا رہے تھے...... ایک گھنٹے کا سفر طے کرنے کے بعد چھوٹے بڑے بنجر ٹیلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا...... سارا علاقہ اندھیری رات میں خاموش اور ویران تھا...... ایک ٹیلے کے پاس آکر پجاری بولا۔
"اشوانی دیوی کا خفیہ استھان اس ٹیلے کے غار میں ہے۔"
یہ کہہ کر پجاری گھوڑے سے اتر گیا...... جمشید بھی گھوڑے سے اتر آیا...... انہوں نے اپنے گھوڑے وہیں چھوڑے اور ٹیلے کی ڈھلان کی طرف بڑھے...... ٹیلے کی ڈھلان میں ایک جگہ قدرتی غار کا چھوٹا سا دہانہ بنا ہوا تھا جس کو جنگلی جھاڑیوں نے ڈھانپ رکھا تھا...... پجاری نے کہا۔
"گھبرانا بالکل مت...... میں تمہارے ساتھ ہوں۔"
جمشید خاموش رہا...... وہ اس مصیبت سے جلدی نجات حاصل کرنا چاہتا تھا تاکہ اپنے شہر میں جا کر نئی اور نیک زندگی کا آغاز کرے...... پجاری اور جمشید غار میں داخل ہو گئے...... پجاری نے موم بتی روشن کر کے ہاتھ میں تھام رکھی تھی...... اس کی روشنی میں وہ آگے بڑھ رہے تھے...... پجاری نے ایک بڑے خطرناک مسان کو اپنے جادو کے ذریعے قابو کر کے ایک کالی ہانڈی میں بند کر کے اس غار میں ایک جگہ دفن کیا ہوا تھا...... یہ مسان سے بھی دس قدم آگے اپنے ہی مسان کی خطرناک بدروح تھا اور اس کا نام یکش بھوت تھا...... یکش بھوت پوری طرح سے پجاری کے طلسم کے قبضے میں تھا۔
غار میں ایک ایسی جگہ آگئی جہاں گرد آلود سیڑھیاں نیچے اترتی تھیں...... پجاری

وہاں رُک گیا...... اس نے جمشید سے کہا۔
"تم یہاں ٹھہرو...... اشوانی دیوی کی مورتی نیچے تہہ خانے میں ہے...... میں وہ مورتی لے کر آتا ہوں...... اس مورتی کو سامنے رکھ کر میں ایک خاص منتر پڑھ کر پھونکوں گا...... اس کے ساتھ ہی تمہارے اُوپر کیئے گئے منتروں کا اثر ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔"
جمشید بولا۔
"دیر نہ لگانا۔"
پجاری نے کہا۔
"فکر نہ کرو...... میں جلدی مورتی لے کر آجاؤں گا۔"
پجاری نے موم بتی ایک جگہ پتھر پر لگا دی اور خود پتھر کی پرانی گرد آلود سیڑھیاں اتر کر نیچے چلا گیا...... نیچے ایک چھوٹا سا تہہ خانہ تھا...... یہاں ایک کونے میں مٹی کی چھوٹی سی ڈھیری بنی ہوئی تھی...... پجاری نے جلدی جلدی مٹی ہٹائی...... نیچے سے ایک ہانڈی نکل آئی...... ہانڈی کا منہ بند تھا...... پجاری نے ہانڈی سامنے رکھ لی اور ایک منتر پڑھ کر اس پر پھونکا...... ہانڈی کا ڈھکنا اپنے آپ اُوپر اُٹھ کر نیچے گر پڑا اور اس کے اندر سے سیاہ دھوئیں کا ایک گولہ نکل کر ہانڈی کے اُوپر گردش کرنے لگا...... دھوئیں کے گولے میں سے خرخراہٹ کی ایسی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے کوئی آدمی انتہائی تکلیف کی حالت میں زندگی کے آخری سانس لے رہا ہو۔
پجاری نے کہا۔
"یکش بھوت! میرے حکم سے ظاہر ہو جا۔"
پجاری کا حکم سن کر سیاہ دھوئیں کا گولہ ایک لہر کی شکل اختیار کر گیا...... پھر اس لہر نے ایک مسان کی شکل بدل لی...... یہ اپنے مسان کی بدروح یکش بھوت تھا...... اس کی شکل اتنی ڈراؤنی تھی کہ ایک بار تو پجاری کے بدن میں بھی خوف کی لہر دوڑ گئی......

یکش بھوت کا سیاہ فام جسم ایک بڑی چھپکلی جیسا تھا...... نوکیلے پنجوں والے ہاتھ چھوٹے بازوؤں کے ساتھ لگے ہوئے تھے اور پنجوں پر سے خون ٹپک رہا تھا...... گٹھی ہوئی گردن پر بڑی چھپکلی ایسا سر لگا تھا...... آنکھوں کے سرخ ڈیلے اپنے حلقوں سے باہر نکلے ہوئے تھے...... ہونٹ غائب تھے...... ان کی جگہ اُوپر نیچے نوکیلے دانت ہی دانت تھے جو خون سے سرخ ہو رہے تھے...... سر کے اُوپر کالے بال کانٹوں کی طرح کھڑے تھے...... دانتوں کے درمیان سے دھوئیں کی ہلکی ہلکی لہریں باہر نکل رہی تھیں جیسے اس کے اندر آگ بھڑک رہی ہو...... یہ مسان یکش بھوت تھا۔

یکش بھوت نے نوکیلے خون اور دانتوں کے ہونٹ اُوپر نیچے اُٹھاتے ہوئے خرخری آواز میں کہا۔

"مجھے کس لئے باہر نکالا ہے؟"

پجاری نے کہا۔

"جس مقصد کے لئے میں نے تمہیں اپنے قبضے میں کر رکھا ہے، آج تم میرا وہ مقصد پورا کرو گے۔" "تم یہاں سے موہنجوداڑو کے کھنڈر کے نیچے دہشت دیوی کے خفیہ مندر میں جاؤ گے اور اس کے گلے میں پڑا ہوا وہ آکاش ہار لا کر مجھے دو گے جو وہ سومنات کے مندر سے چرا کر لے آئی تھی۔"

یکش بھوت کے منہ سے دھوئیں کا غبار نکلا...... اس نے خرخراہٹ والی آواز میں کہا۔

"میں نے آکاش ہار کو ہاتھ لگایا تو دہشت دیوی کی شکتی مجھے جلا کر راکھ کر ڈالے گی۔"

پجاری نے کہا۔

"لیکن اگر تم ایک مسلمان آدمی کے اندر داخل ہو کر جاؤ گے تو دہشت دیوی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی...... میں ایک آدمی کو اپنے ساتھ لایا ہوں جو مسلمان

ہے...... تم اس کو چمٹ کر اس کے اندر داخل ہو جاؤ گے اور پھر ایک مسلمان کے رُوپ میں دہشت دیوی کے خفیہ مندر میں جاؤ گے اور آکاش ہار لے کر سیدھے میرے پاس واپس آ جاؤ گے، میں غار کے باہر تمہارا انتظار کروں گا۔"

یکش بھوت نے خرخراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"میں تمہارا حکم نہیں ٹال سکتا...... میں تیار ہوں۔"

پجاری نے اپنی مٹھی کھول کر اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا اور کہا۔

"میری مٹھی میں آ جاؤ۔"

یکش بھوت ایک بار پھر دھوئیں کا گولہ بن گیا...... یہ گولہ گردش کرتے ہوئے پجاری کی کھلی ہتھیلی پر آ کر غائب ہو گیا...... پجاری نے اپنی ہتھیلی کو دیکھا...... وہاں چٹکی بھر راکھ پڑی ہوئی تھی...... پجاری نے مٹھی بند کر لی اور دوسرے ہاتھ سے اپنے لمبے کرتے کی جیب سے ایک چھوٹی سی مورتی نکالی اور سیڑھیاں چڑھ کر جمشید کے پاس آ گیا...... جمشید اسی طرح غار میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا...... ایک طرف پتھر پر لگی موم بتی جل رہی تھی...... پجاری نے مورتی والا ہاتھ اُوپر اُٹھاتے ہوئے جمشید سے کہا۔

"میں اشوانی دیوی کی مورتی لے آیا ہوں...... میرے سامنے سیدھے ہو کر بیٹھ جاؤ، تاکہ میں منتر پھونک کر تمہارے جسم سے اشوانی دیوی کے منتروں کا اثر زائل کر دوں۔"

جمشید سیدھا ہو کر بیٹھ گیا...... پجاری کے ایک ہاتھ میں مورتی تھی...... یکش بھوت کی راکھ والی مٹھی اس نے بند کر رکھی تھی، اس نے ایک خاص منتر کا جاپ شروع کر دیا...... جب ایک خاص گنتی پوری ہو گئی تو مٹھی کھول کر یکش بھوت کی راکھ جمشید کے چہرے پر پھینک دی...... یک بخت جمشید کو ایسے لگا جیسے اس کے جسم کے اندر آگ بھڑک اُٹھی ہو...... وہ اُچھل کر کھڑا ہو گیا...... پجاری بھی اُٹھ کھڑا ہوا...... دوسرے لمحے جمشید اپنا آپ مکمل طور پر فراموش کر چکا تھا...... خطرناک مسان یعنی یکش بھوت

جمشید کے جسم میں داخل ہو کر اس کی رُوح، اس کے دل و دماغ پر قبضہ کر چکا تھا۔۔۔۔۔ اب وہ جمشید نہیں تھا۔۔۔۔۔ یکش بھوت تھا۔۔۔۔۔ جمشید نے یکش بھوت کی خرخراہٹ نما آواز میں کہا۔

"میں آکاش ہار لینے جاتا ہوں۔"

"جاؤ۔"

پجاری نے حکم دینے کے لہجے میں کہا اور جمشید غائب ہو گیا۔۔۔۔۔ پجاری نے موم بتی اُٹھا کر ہاتھ میں پکڑی اور واپس چل پڑا۔۔۔۔۔ غار کے باہر رات کی تاریکی میں دونوں گھوڑے ایک طرف کھڑے تھے۔۔۔۔۔ اس نے ایک گھوڑے کا رُخ اپنے مکان کی طرف کر کے اس کی پیٹھ پر ہاتھ مارا اور گھوڑا اچل پڑا۔۔۔۔۔ اب اسے جمشید والے گھوڑے کی ضرورت نہیں رہی تھی اور اسے معلوم تھا کہ گھوڑا سیدھا اس کے مکان پر ہی جائے گا۔۔۔۔۔ پجاری وہیں اپنے گھوڑے کے پاس ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا اور یکش بھوت کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

جمشید یکش بھوت کے رُوپ میں غار کے اندر سے غائب ہو کر وہاں سے سینکڑوں میل دُور موہنجو داڑو کے پرانے تاریخی کھنڈروں کے ایک زمین دوز تہہ خانے میں نمودار ہو گیا۔۔۔۔۔ اس تہہ خانے کی تیسری کوٹھڑی کے اندر قدیم زمانے سے دھشٹ دیوی کی ایک مورتی رکھی ہوئی تھی۔۔۔۔۔ اس مورتی کے گلے میں ہیرے اور جواہرات کا آکاش ہار پڑا تھا۔۔۔۔۔ جمشید مورتی کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔۔۔۔۔ وہ اس وقت جمشید نہیں تھا بلکہ یکش بھوت تھا۔۔۔۔۔ اس نے تیز نظروں سے گھور کر مورتی کو دیکھا۔۔۔۔۔ مورتی کی گردن میں پڑے ہوئے ہار کے ہیرے جواہرات اندھیرے میں ستاروں کی طرح چمک رہے تھے۔۔۔۔۔ جمشید نے اپنا ہاتھ مورتی کی طرف بڑھایا۔۔۔۔۔ مورتی اپنی جگہ پر کانپنے لگی، مگر جمشید نے اپنا ہاتھ پیچھے نہ کیا۔۔۔۔۔ اس کے اندر کے یکش بھوت کو یقین تھا کہ یہ ایک مسلمان کا ہاتھ ہے اور دھشٹ دیوی اسے نہیں روک سکے

گی۔۔۔۔۔ جمشید نے آکاش ہار کو اپنی گرفت میں لے لیا۔۔۔۔۔ دھشٹ مورتی ایک بار زور سے لرز کر ساکت ہو گئی۔۔۔۔۔ جمشید نے آکاش ہار اس گلے سے اتار لیا اور اس کے ساتھ ہی غائب ہو گیا۔

پجاری غار کے باہر جمشید یعنی یکش بھوت کا انتظار کر رہا تھا۔۔۔۔۔ جیسے ہی جمشید غیب سے ظاہر ہوا پجاری اُٹھ کر اس کی طرف بڑھا۔

"کیا آکاش ہار لے آئے ہو؟"

جمشید نے ہار نکال کر پجاری کے سامنے کر دیا۔۔۔۔۔ ہار کو دیکھتے ہی پجاری کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔۔۔۔۔ اس نے ہار جمشید کے ہاتھ سے لے لیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔۔۔۔۔ جمشید اس کے سامنے خاموش کھڑا تھا۔۔۔۔۔ اس نے یکش بھوت کی آواز میں پوچھا۔

"کیا میں اپنے غار میں چلا جاؤں؟"

پجاری نے پہلے سے سوچ رکھا تھا کہ جمشید کے ساتھ اس نے کیا سلوک کرنا ہے، وہ جمشید کو اس کی اصلی حالت میں بھی نہیں چھوڑ سکتا تھا اور یکش بھوت کو بھی اس کے اندر زیادہ دیر تک نہیں رکھنا چاہتا تھا، کیونکہ ایسی صورت میں یکش بھوت ایک خاص وقت گزر جانے کے بعد طلسمی عمل کے مطابق پجاری کا دُشمن بن کر اسے اور اس کی بیوی بچوں کو ہلاک کر سکتا تھا۔۔۔۔۔ اگر وہ یکش بھوت کو جمشید کے جسم میں سے نکال کر جمشید کو اس کی اصلی حالت میں واپس لے آتا ہے تو جمشید کے اندر سرایت کیا ہوا اشوانی کا منتر پجاری کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا، کیونکہ دھشٹ دیوی کا ہار چرا کر لے جانا اشوانی دیوی اور دوسرے پاتال کے دیوتاؤں کے لئے ایک ایسا جرم تھا جس کو معاف نہیں کیا جا سکتا تھا۔

چنانچہ پجاری نے جمشید کو خونی آسیب کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔۔۔۔۔ پجاری نے اپنے اس منصوبے پر عمل کرتے ہوئے جمشید کے اندر چھپے ہوئے یکش

بھوت سے کہا۔

"غائب ہو کر میرے ساتھ چلو۔"

جمشید اسی وقت غائب ہو گیا۔

پجاری گھوڑے پر سوار ہو گیا...... آکاش ہار اس نے اپنے لمبے کرتے کے اندر والی جیب میں چھپا لیا تھا...... پجاری اپنے گاؤں کی طرف چل پڑا...... یکش بھوت جمشید کے رُوپ میں غائب ہو کر پجاری کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا...... وہ پجاری کو دکھائی نہیں دے رہا تھا، پجاری کو یکش بھوت کی بو برابر آ رہی تھی...... پجاری کے گاؤں کے باہر ایک پرانا قبرستان تھا...... وہاں آ کر پجاری نے گھوڑے کو روک لیا اور بولا۔

"یکش! تم یہاں میرا انتظار کرو...... جب تک میں نہ آؤں یہاں سے مت ہلنا۔"

یکش بھوت نے کہا۔

"میں قبرستان میں ہی رہوں گا۔"

پجاری سیدھا اپنے گھر آ گیا...... صبح ہو رہی تھی...... اس کی بیوی پوجا پاٹھ کی تیاری میں لگی تھی...... پجاری نے جاتے ہی اپنی بیوی سے کہا۔

"میرے ساتھ آؤ۔"

وہ اسے مکان کی پچھلی کوٹھڑی میں لے گیا اور قمیض کے اندر سے آکاش ہار نکال کر اسے دکھایا اور بولا۔

"یہ دھشٹ دیوی کا ہار ہے...... لکشمی دیوی نے ہمیں مالا مال کر دیا ہے...... بوریا بستر باندھو...... ہم کل سویرے بھارت کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔"

پجاری نے آکاش ہار کو کوٹھڑی کے کونے میں زمین کھود کر دبا دیا اور خود گھوڑے پر بیٹھ کر گاؤں کے باہر والے پرانے قبرستان کی طرف چل پڑا...... یکش بھوت جمشید کی شکل میں قبرستان میں پجاری کا انتظار کر رہا تھا...... پجاری یکش بھوت کی بو سونگھتا ہوا بارہ دری والی قبر کے پاس آ کر بولا۔

"یکش! کیا تم موجود ہو؟"

جمشید نے یکش بھوت کی آواز میں جواب دیا۔

"ہاں...... میں یہاں ہوں۔"

پجاری نے کہا۔

"اب تم میرے پیچھے چلو گے۔"

پجاری یکش بھوت کو ساتھ لے کر گاؤں سے تین کوس کے فاصلے پر درختوں کے ایک ویران جھنڈ میں لے آیا جہاں ہندوؤں کا مرگھٹ تھا...... یہاں ہندو اپنے مردے جلاتے تھے...... مرگھٹ میں اس وقت کوئی انسان دکھائی نہیں دیتا تھا...... ہر طرف خاموشی اور ویرانی برس رہی تھی...... ایک جگہ زمین سے تین فٹ اُونچا چبوترہ تھا جس پر مردوں کی راکھ بکھری ہوئی تھی...... پجاری گھوڑے سے اُتر کر چبوترے کے پاس آیا اور بولا۔

"یکش بھوت! مردوں کی راکھ کے اُوپر سیدھے لیٹ جاؤ اور ظاہر ہو جاؤ۔"

جمشید یکش بھوت کے رُوپ میں چبوترے کے اُوپر مردوں کی بکھری ہوئی راکھ پر سیدھا لیٹ گیا اور ظاہر ہو گیا...... اب وہ پجاری کو جمشید کی شکل میں صاف نظر آ رہا تھا...... پجاری جمشید کے پہلو میں کھڑا ہو گیا اور اس نے تیرہ مرتبہ طلسمی منتر کا جاپ کرنے کے بعد مردوں کی چٹکی بھر راکھ اُٹھائی اور جمشید کے اُوپر پھینکتے ہوئے کہا۔

"یکش بھوت! جمشید کے بدن سے نکل کر اپنے غار میں جا کر بند ہو جاؤ۔"

پجاری کی زبان سے ان الفاظ کے نکلتے ہی جمشید کا جسم ایک لمحے کے لئے کانپا، پھر اسے ایک جھٹکا لگا اور یکش بھوت کی آواز آئی۔

"گورو دیو! میں نے تمہارے حکم کے مطابق اس منش کے جسم کو چھوڑ دیا ہے اور اپنے غار میں جا رہا ہوں۔"

ایک پل کے لئے تیز آندھی چلنے کی آواز گونجی اور پھر خاموشی چھا گئی...... یکش

بھوت جمشید کے جسم کو چھوڑ کر جا چکا تھا...... مرگھٹ کے چبوترے پر جمشید بے ہوشی کی حالت میں پڑا تھا...... پجاری نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر خونی آسیب کا خونی منتر پڑھنا شروع کر دیا...... یہ خونی منتر ایسا تھا جس کو پڑھتے ہوئے پجاری اپنے سر کو دائیں بائیں ہلاتا جا رہا تھا...... منتر پڑھتے ہوئے پجاری کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی...... پھر اس کی آواز آہستہ آہستہ نیچے ہوتے ہوتے مدہم ہو گئی، اس دوران جمشید کا بے ہوش اور بے حس و حرکت جسم تین بار اپنی جگہ سے اُوپر کو اُچھلا اور اپنی اصلی حالت میں آ گیا۔

جب چوتھی بار جمشید کا جسم چبوترے سے اُوپر اُچھل کر اپنی اصلی حالت میں واپس آیا تو جمشید نے آنکھیں کھول دیں...... اس کی آنکھیں خون کے رنگ ایسی سرخ ہو رہی تھیں...... خونی آسیب جمشید کے جسم اور اس کے دل و دماغ کو اپنے قبضے میں کر چکا تھا...... اب جمشید جمشید نہیں تھا خونی آسیب تھا...... خونی آسیب کے رُوپ میں ابھی تک اس نے صرف اپنی آنکھیں ہی کھولی تھیں اور وہ اُوپر درختوں کے جھنڈ کو مسلسل تک رہا تھا۔

پجاری نے منتر پڑھنے بند کر دیئے تھے...... اس نے مردوں کی راکھ اُٹھائی اور جمشید کے جسم پر پھینک کر پوچھا۔

”تم کون ہو؟“

جمشید نے ڈراؤنی آواز میں جواب دیا۔

”میں خونی آسیب ہوں...... مجھے کیوں بلایا گیا ہے؟“

پجاری نے کہا۔

”میں نے تمہیں اس آدمی کا جسم دے دیا ہے...... تم اس آدمی کے جسم سے کبھی باہر نہیں نکلو گے۔“

جمشید نے ڈراؤنی آواز میں کہا۔

”پجاری! تم میری خوفناک شکتی کو نہیں جانتے ہو...... میں اس آدمی کا پیٹ

چاک کر کے باہر نکل جاؤں گا...... تمہارے طلسمی منتر مجھے اس منش کے جسم میں قید نہیں کر سکتے۔“

پجاری نے راکھ کی چٹکی بھری اور منتر پڑھ کر جمشید پر ڈالی اور کہا۔

”میں نے تم پر یکش دیوتا کا منتر پھونک دیا ہے، جاؤ...... میں تمہیں یکش دیوتا کے نام پر حکم دیتا ہوں۔

جاؤ اور بدرُوحوں کے مرگھٹ میں اپنا ٹھکانہ بناؤ۔“

جمشید نے ڈراؤنی آواز میں جواب دیا۔

”تم مجھے نہیں جانتے...... میں خونی آسیب ہوں جو میرے سامنے آئے گا میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا...... تم نے میری خونی بھوک کو بیدار کر دیا ہے۔“

پجاری بولا۔

”تم اس ملک میں رہنے والے چاہے سارے لوگوں کا خون پی جاؤ، مگر اس عامل جمشید کے جسم سے کبھی باہر مت نکلنا۔“

خونی آسیب جمشید کی شکل میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا...... کھڑے ہوتے ہی خونی آسیب کی سرخ آنکھوں سے خون کے قطرے ٹپکنے لگے...... اس نے ڈراؤنی آواز میں کہا۔

”خونی آسیب جس کو چمٹ جاتا ہے، پھر مر کر بھی اسے نہیں چھوڑتا۔“

اس کے ساتھ ہی خونی آسیب دھوئیں کی لکیر بن کر سانپ کی طرح پیچ و تاب کھاتا غائب ہو گیا...... پجاری فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے گاؤں والے مکان میں واپس آ گیا...... اسی دن وہ اپنی پتنی اپنی بیٹی شانتی اور اپنے ہونے والے داماد کو ساتھ لے کر بھارت کو روانہ ہو گیا...... آکاش ہار اس نے اپنے لباس کے اندر اچھی طرح سے چھپا لیا تھا...... خونی آسیب جمشید کے رُوپ میں غائب ہونے کے بعد اس اُجاڑ ویران علاقے میں آ گیا جہاں بدرُوحوں کا مرگھٹ تھا...... یہ جگہ سنگلاخ اور بھورے رنگ کے

خشک بنجر ٹیلوں کے درمیان ایک ٹوٹے پھوٹے شکستہ کھنڈر کی صورت میں تھی جو نہ جانے کب سے ویران پڑا تھا...... اس طرف سے کوئی نہیں گزرتا تھا...... لوگوں میں مشہور تھا کہ یہاں رات کو مرچکے ہندوؤں کی بدرُوحیں آتی ہیں اور وہاں سے گزرنے والے اِکادُکا مسافر کو کھا جاتی ہیں...... لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ اس کھنڈر سے آدھی رات کے بعد عورتوں کے رونے کی آوازیں آتی ہیں۔

یہ ویران شکستہ کھنڈر بدرُوحوں کے مرگھٹ کے نام سے مشہور تھا...... جمشید خونی آسیب کے رُوپ میں ان بدرُوحوں کے مرگھٹ میں آکر ظاہر ہوگیا...... دیکھنے میں وہ جمشید یعنی ایک انسان کی شکل میں تھا...... صرف اس کی سرخ آنکھوں سے خون کے چند ایک قطرے ٹپک ٹپک کر بہہ رہے تھے...... جمشید اب جمشید نہیں تھا...... وہ سر سے پاؤں تک اور جسم کے اندر تک خونی آسیب کے قبضے میں تھا اور خونی آسیب ہی بن چکا تھا...... خونی آسیب جب تک زمین کے اندر اس کی سب سے نچلی تہہ میں سو رہا تھا، اس کی خونی بھوک بھی اس کے ساتھ ہی سو رہی تھی، لیکن پجاری نے اپنے زبردست طلسمی منتروں سے اسے بیدار کر دیا تھا اور اسے زندہ حالت میں لے آیا تھا اور اسے عامل جمشید کا جسم دے دیا تھا، چنانچہ اس کی پرانی خونی بھوک بھی اس کے ساتھ ہی بیدار ہوگئی تھی۔

خونی آسیب کو ہر روز ایک انسان کی ضرورت تھی جس کی کھوپڑی توڑ کر وہ اس کے دماغ کو کھا کر اپنی بھوک مٹاتا تھا...... بدرُوحوں کے مرگھٹ میں یہ اس کی زندہ ہونے کے بعد پہلی رات تھی اور اسے انسانی دماغ کی بھوک بے چین کر رہی تھی...... خونی آسیب میں اتنی شکتی تھی کہ وہ جو شکل چاہے اختیار کر لیتا تھا...... مرگھٹ کے کھنڈر کی ایک کوٹھڑی میں آکر وہ زمین پر لیٹ گیا...... اس کوٹھڑی میں ایک کالا ناگ بھی رہتا تھا...... کالے ناگ کو خونی آسیب کی بو آئی تو وہ کوٹھڑی چھوڑ کر ویران ٹیلوں کی طرف بھاگ گیا...... خونی آسیب سرخ آنکھیں پوری کھولے اندھیری کوٹھڑی میں

زمین پر سیدھا بے حس و حرکت لیٹا تھا...... وہ ایسے ہی لگ رہا تھا جیسے جمشید لیٹا ہو، لیکن وہ جمشید کے رُوپ میں خونی آسیب تھا...... وہ جمشید کے جسم کو اپنی مرضی کے مطابق چلا رہا تھا...... جب رات کا اندھیرا ویران ٹیلوں اور مرگھٹ کے کھنڈر پر چھا گیا تو خونی آسیب جمشید کی شکل میں اُٹھا۔

اس نے اپنی خون ایسی سرخ آنکھوں سے اندھیری کوٹھڑی کی بوسیدہ دیواروں اور مکڑی کے جالوں سے بھری ہوئی چھت کو دیکھا...... وہ اندھیرے میں بھی دیکھ سکتا تھا...... انسان کے دماغ کی بھوک نے اسے بے چین کر دیا تھا...... وہ مرگھٹ کے کھنڈر سے نکلا اور انسانوں کی بستی کی جانب رات کے اندھیرے میں چل پڑا...... وہ چل نہیں رہا تھا بلکہ زمین سے دو فٹ بلند ہو کر فضا میں تیرتا ہوا جا رہا تھا...... وہ ایک بنجر میدان میں سے گزر گیا...... اسے دُور روشنی دکھائی دی...... یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جہاں اقلیتی فرقے کے غیر مسلم لوگوں کے دو چار مکان تھے...... خونی آسیب ایک مکان کے سامنے آکر رُک گیا...... مکان کے باہر دھیمی روشنی والی ایک لالٹین جل رہی تھی...... مکان کا لکڑی کا دروازہ بند تھا...... خونی آسیب کو اندر سے انسان کے جسم کی بو آ رہی تھی۔

انسانی بو پا کر خونی آسیب کی بھوک بھڑک اُٹھی...... اس نے آگے بڑھ کر مکان کے بند دروازے پر ہاتھ پھیرا اور اس کا کنڈا کھٹکھٹایا...... اندر سے کوئی آواز نہ آئی...... جمشید یعنی خونی آسیب نے دوسری بار کنڈا کھٹکھٹایا تو اندر سے کسی مرد کی آواز آئی۔

"آتا ہوں بھیا۔"

خونی آسیب خاموش رہا...... یہ گاؤں کے ایک ہندو پنساری کا مکان تھا جو اس وقت اپنی کوٹھڑی میں کھانا کھا کر چارپائی پر ابھی ابھی لیٹا تھا...... ہندو پنساری نے بند دروازے کے پاس آکر پوچھا۔

"کون ہے بھیا؟"

خونی آسیب نے کوئی جواب نہ دیا اور بت کی طرح دروازے کے آگے کھڑا رہا...... ہندو پنساری نے دروازہ کھول دیا اور باہر جلتی لالٹین کی مدہم روشنی میں اپنے سامنے ایک آدمی کو کھڑے دیکھا تو پوچھا۔

"کیا بات ہے بھیاجی! آپ کون ہیں؟"

یہ اس بدقسمت ہندو پنساری کی زندگی کی آخری آواز تھی...... خونی آسیب نے ایک قدم آگے بڑھ کر اس آدمی کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا...... ہاتھ رکھتے ہی ہندو پنساری کا جسم برف کی طرح سرد ہو گیا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا...... خونی آسیب نے جھک کر اسے اُٹھایا اور اس کے سر پر ہاتھ مار کر اس کی کھوپڑی کو توڑ دیا...... خونی آسیب کے ہاتھ میں کسی آہنی ہتھوڑے جتنی طاقت تھی...... بدقسمت انسان کی کھوپڑی اس کی ایک ہی ضرب سے آدھی اُڑ گئی اور اس کا خون آلود مغز نظر آنے لگا۔

خونی آسیب نے اپنا منہ کھول کر اس کے مغز کے اُوپر رکھا اور زور سے سانس اندر کو کھینچا...... بدنصیب انسان کا سارا مغز خونی آسیب کے پیٹ میں چلا گیا اور کھوپڑی خالی پیالے کی طرح نظر آنے لگی...... خونی آسیب نے اسے چھوڑ دیا اور وہ بے جان لاش کی طرح زمین پر گر پڑا...... خونی آسیب کے ہونٹ خون آلود ہو گئے تھے...... وہ اپنی لمبی زبان سے ہونٹوں کا خون چاٹتا ہوا فضا میں تیرتا ہوا اپنے سر کو دائیں بائیں ہلاتا بدرُوحوں کے مرگھٹ کی طرف چل دیا۔

چھوٹا سا گاؤں تھا...... سب لوگ رات کو جلدی سو جاتے تھے...... کسی کو پتہ نہ چلا کہ گاؤں کے پنساری بھگت رام کے ساتھ کیا قیامت گزر چکی ہے...... دن نکلا تو بھگت رام کی لاش اس حالت میں اس کے گھر کے باہر پڑی ملی کہ اس کی کھوپڑی کھلی ہوئی تھی اور دماغ کا مغز غائب تھا...... گاؤں میں شور مچ گیا...... بڑے قصبے سے پولیس کے دو سپاہی آ گئے، انہوں نے لاش کو دیکھ کر گاؤں کے لوگوں سے پوچھ گچھ شروع کر دی...... سب نے یہی کہا کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں بھگت رام کا کس نے خون کیا

ہے...... ہم سب اپنے اپنے گھروں میں سو رہے تھے...... تھانیدار صاحب بھی آ گئے...... وہ بھی حیران ہوئے کہ یہ کس قسم کا خونی ہے کہ جو بھگت رام کو مارنے کے بعد اس کی کھوپڑی توڑ کر مغز غائب کر گیا ہے۔

سارا دن خونی آسیب مرگھٹ کے کھنڈر کی کوٹھڑی میں زمین پر آنکھیں کھولے بے حس و حرکت لیٹا رہا...... رات ہوئی تو انسانی دماغ کی بھوک نے اسے بے چین کر دیا...... وہ اُٹھا اور مرگھٹ کے کھنڈر سے نکل کر رات کی تاریکی میں گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا...... بھگت رام کی موت سے گاؤں کے لوگوں پر خوف ساطاری ہو گیا تھا اور لوگ شام ہوتے ہی اپنے گھروں میں گھس گئے تھے اور انہوں نے اپنے گھروں کے دروازے اندر سے بند کر لئے تھے۔

خونی آسیب جمشید کی انسانی شکل میں گاؤں میں داخل ہوا تو وہاں ہو کا عالم تھا...... بند مکانوں پر تاریکی چھائی ہوئی تھی...... خونی آسیب نے گاؤں کے گرد فضا میں تیرتے ہوئے ایک چکر لگایا...... کسی مکان کا دروازہ کھلا ہوا نہیں تھا...... خونی آسیب نے ایک مکان کے بند دروازے کی کنڈی کھٹکھٹائی...... اندر سے کسی نے جواب نہ دیا...... خونی آسیب نے دوسری تیسری بار کنڈی کھٹکھٹائی مگر اندر سے کسی نے آواز دے کر نہ پوچھا کہ کون ہے...... گھر کے لوگ جاگ رہے تھے مگر سب کے سب سہمے ہوئے تھے اور ڈر کے مارے آواز نہیں نکال رہے تھے۔

خونی آسیب نے دوسرے مکان کے بند دروازے پر دستک دی...... اس مکان کے لوگ بھی ڈر کے مارے اندر دُبکے رہے اور کسی نے دروازہ نہ کھولا...... خونی آسیب نے اپنا رُوپ بدل لیا اور دھوئیں کی ایک پتلی لکیر کی شکل میں ظاہر ہو گیا...... دھوئیں کی پتلی لکیر سانپ کی طرح بل کھاتی مکانوں کے گرد چکر لگانے لگی...... ایک مکان کے روشن دان میں سے لالٹین کی مدہم روشنی باہر آ رہی تھی...... خونی آسیب دھوئیں کی لہر کی شکل میں روشن دان میں سے اندر داخل ہو گیا...... یہ ایک چھوٹی سی

کوٹھڑی تھی جہاں ایک چارپائی پر گاؤں کا ساہوکار رام دھن لالٹین کی روشنی میں بیٹھا
بہی کھاتہ کھولے گاؤں کے لوگوں کو سود پر دی ہوئی رقم کا حساب کتاب کر رہا تھا۔

اسے اپنے کان میں ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی مکھی اس کے کان کے پاس آ کر
بھنبھنا رہی ہو...... اس نے ایک ہاتھ سے کان کو جھاڑ دیا، مگر بھنبھناہٹ پھر بھی آتی
رہی...... اس نے نگاہیں اُٹھا کر دائیں بائیں دیکھا...... وہاں کوئی مکھی نہیں تھی......
اچانک اس کی نظر سامنے والی دیوار پر پڑ گئی...... کیا دیکھتا ہے کہ روشن دان میں سے
دھوئیں کی ایک لہر سانپ کی طرح بل کھاتی دیوار پر رینگتی ہوئی نیچے آ رہی ہے...... وہ
حیران ہو کر اسے تکنے لگا...... پہلے تو وہ سمجھا کہ یہ کوئی سانپ ہے، لیکن دوسرے لمحے
دھوئیں کی لہر دیوار سے ہٹ کر اس کی طرف لہراتی ہوئی بڑھنے لگی...... رام دھن
ساہوکار گھبرا کر چارپائی سے نیچے اتر گیا۔

ابھی وہ سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ دھوئیں کی لہر اس کی گردن سے لپٹ گئی اور اس
کا دم گھٹنے لگا...... اس سے پہلے کہ رام دھن کے حلق سے کوئی آواز نکلتی دھوئیں کی لہر
نے پھانسی کے پھندے کی طرح زور سے اس کی گردن کو ایک جھٹکا دیا اور بے چارے
ساہوکار کی آنکھیں باہر کو اُبل پڑیں اور وہ وہیں چارپائی کے پاس ڈھیر ہو گیا......
دھوئیں کی لہر نے اس کی گردن کو چھوڑ دیا...... اب جمشید اپنی لہو رنگ آنکھوں کے
ساتھ خونی آسیب کی شکل میں اس کے سر پر کھڑا تھا...... اس نے بے ہوش رام دھن
کو فرش پر سے اُٹھا کر چارپائی پہ ڈالا اور ایک ہاتھ کی ہتھوڑے ایسی ضرب سے اس کی
کھوپڑی کا اُوپر والا حصہ اُڑا دیا...... کھوپڑی ایک پیالہ بن گئی جو اس بدقسمت ساہوکار کے
خون آلود مغز سے لبالب بھرا ہوا تھا...... خونی آسیب نے اپنا پورا منہ کھول کر باقی کی
آدھی کھوپڑی کے پیالے کے اُوپر لگایا اور ایک ہی سانس اندر کی طرف کھینچ کر اس کا
سارا مغز ہڑپ کر لیا ..... ساہوکار رام دھن کی کھوپڑی کا پیالہ ایسے صاف ہو گیا، جیسے
وہاں کبھی کوئی دماغ نہیں تھا۔

خونی آسیب اپنی لمبی نوکیلی زبان سے اپنے ہونٹوں پر لگا ہوا خون آلود مغز چاٹتا
پیچھے ہٹا اور ایک بار پھر دھوئیں کی لہر کی شکل اختیار کر کے سانپ کی طرح بل کھاتا
روشن دان میں سے کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔

ساہوکار رام دھن کے گھر والوں کو اس کے دہشت ناک قتل کی کانوں کان خبر نہ
ہوئی...... دوسرے دن جب اس کی ٹوٹی ہوئی خالی کھوپڑی والی لاش دیکھی تو وہاں کہرام
مچ گیا...... اسی وقت ساتھ والے قصبے کی پولیس پہنچ گئی، تھانیدار بھی ساتھ تھا......
لاش اسی حالت میں پائی گئی تھی جیسے پچھلی رات والی لاش پائی گئی تھی کہ اس کی کھوپڑی
آدھی اُوپر سے اُڑی ہوئی تھی اور مغز غائب تھا...... اسے دیکھ کر اب سپاہی بھی اندر
سے خوفزدہ ہو گئے تھے...... تھانیدار نے موقع واردات کا معائنہ کیا...... وہاں قاتل کا
کوئی نشان تک نہیں تھا......ایک سب انسپکٹر نے کہا۔

"سر! یہ کسی چڑیل وغیرہ کی کارروائی لگتی ہے جو انسانوں کا دماغ نکال کر لے
جاتی ہے۔"

تھانیدار نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"فضول باتیں نہ کرو...... اپنی ڈیوٹی کی طرف دھیان دو۔"

قتل کی رپورٹ درج کر کے لاش اُٹھوا کر پوسٹ مارٹم کے لئے شہر بھجوا دی
گئی...... دو راتوں میں خوفناک قتل کی دو وارداتیں ہو گئی تھیں...... گاؤں کے لوگوں
میں خوف و ہراس پھیل گیا، مگر وہ لوگ کہاں جاتے...... انہوں نے ایک مصلی کو جو
پہلوان ٹائپ کا تھا روپوں کا لالچ دے کر رات کو چوکیدار مقرر کر دیا...... تیسری رات
خیریت سے گزر گئی...... اس رات خونی آسیب نہ آیا...... مصلی پہلوان لوگوں سے کہتا
پھرتا تھا کہ خونی میرے ڈر سے گاؤں چھوڑ کر بھاگ گیا ہے، لیکن اسے یہ معلوم نہیں
تھا کہ خونی آسیب کو ابھی بھوک نے بے چین نہیں کیا تھا۔

چوتھی رات کو خونی آسیب ایک بار پھر بدروحوں کے مرگھٹ سے نکل کر گاؤں

کی طرف آنے لگا...... اس وقت رات آدھی گزر چکی تھی...... گاؤں میں سناٹا چھایا ہوا تھا...... صرف کسی کسی وقت مصلی چوکیدار کی آواز سنائی دے جاتی تھی...... وہ زمین پر زور سے لٹھ مار کر جاگتے رہو کی آواز لگا دیتا تھا...... خونی آسیب پہلے کی طرح جمشید کے انسانی رُوپ میں آ رہا تھا، اس گاؤں میں اسے بڑی آسانی سے ایک آدمی کا شکار مل جاتا تھا...... اس رات وہ گاؤں کے دوسرے کنارے کی جانب سے آیا...... مکانوں کے دروازے اندر سے بند تھے...... کوئی سو رہا تھا، کوئی ڈر کے مارے جاگ رہا تھا...... کسی کسی مکان کے باہر لالٹین جل رہی تھی۔

خونی آسیب انسانی دماغ کی بھوک سے بے تاب ہو کر گاؤں کے ایک مکان کی طرف جیسے ہی بڑھا اسے زمین پر لٹھ مارنے کی دھمک کے ساتھ کسی انسان کے جاگتے رہو کی بلند آواز سنائی دی...... خونی آسیب ٹھٹھک کر وہیں رُک گیا...... اس نے اس جانب دیکھا جس طرف سے آواز آتی تھی...... اچانک گاؤں کی گلی میں سے پہلوان چوکیدار نکل کر اس کے سامنے آ گیا...... خونی آسیب اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے اسے خونی آنکھوں سے تکنے لگا...... مصلی چوکیدار نے ایک اجنبی آدمی کو دیکھا تو کڑک کر پوچھا۔

"کون ہو تم؟ یہاں کیا کر رہے ہو؟"

خونی آسیب کے حلق سے غراہٹ کی دھیمی آواز نکلی...... چوکیدار نے لٹھ اُوپر اُٹھا لیا اور بولا۔

"کون ہو تم؟ جواب دو نہیں تو ابھی لٹھ مار کر لہو لہان کر دوں گا۔"

خونی آسیب کو اس موٹے تازے چوکیدار کی کھوپڑی کے اندر کا مغز صاف نظر آ رہا تھا...... اس کی بھوک اور زیادہ چمک اُٹھی...... وہ دونوں ہاتھ اس کی طرف بڑھا کر آگے بڑھا...... مصلی چوکیدار جلدی سے ایک قدم پیچھے ہٹا اور اس نے لٹھ گھما کر خونی آسیب کی ٹانگوں پر دے مارا...... خونی آسیب کی ٹانگوں سے ٹکراتے ہی بانس کا مضبوط

لٹھ ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا...... چوکیدار کو ایسی آواز آئی جیسے لٹھ کسی پتھر کی سخت چٹان سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا ہو...... اس کے ہاتھ میں بانس کا آدھا ٹکڑا رہ گیا تھا...... اس نے اس سے خونی آسیب پر حملہ کر دیا...... اس دفعہ اس نے ٹوٹا ہوا لٹھ خونی آسیب کے سر پر مارا...... لٹھ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا اور خونی آسیب اپنی جگہ پر اسی طرح کھڑا رہا۔

اب مصلی چوکیدار گھبرا گیا...... بھاگنے ہی والا تھا کہ خونی آسیب نے اُچھل کر اس کی گردن پکڑ لی...... جیسے ہی خونی آسیب کے برف سے زیادہ ٹھنڈے ہاتھ چوکیدار کی گردن سے لگے چوکیدار کا سارا جسم برف کی طرح سرد ہو کر بے حس ہو گیا اور اس کے حلق میں سے نکلنے والی چیخ بھی اندر ہی جم گئی...... خونی آسیب نے زور سے چوکیدار کی کھوپڑی پر ہاتھ مارا...... اس کی کھوپڑی آدھی اُڑ کر دُور جا گری اور دماغ نظر آنے لگا...... خونی آسیب نے خون آلود دماغ کے ساتھ منہ لگا دیا اور زور سے سانس اندر کی طرف کھینچ کر دماغ کھا گیا...... مصلی چوکیدار بے چارے کی کھوپڑی خالی رہ گئی...... خونی آسیب نے دونوں ہاتھوں سے ابھی تک اس کی گردن پکڑ رکھی تھی...... اس نے گردن چھوڑ دی۔

چوکیدار کی لاش زمین پر گر کر اوندھی ہو گئی۔

خونی آسیب کسی آسیبی بھوت کی طرح آہستہ آہستہ ہوا میں تیرتا ہوا اپنے بدرُوحوں کے مرگھٹ والے ٹھکانے پر واپس آ گیا...... یہ اقلیتی فرقے کے لوگوں کا گاؤں تھا...... تیس بتیس مکان تھے...... صرف دو تین مکان مسلمانوں کے تھے...... تینوں وارداتوں میں اقلیتی فرقے کے لوگ ہی بہیمانہ طریقے سے قتل ہوئے تھے، چنانچہ گاؤں کے سارے غیر مسلم لوگ جان کے خوف سے گاؤں چھوڑ کر بھاگ گئے...... صرف دو تین مسلمانوں کے گھرانے ہی وہاں پر ٹھہرے رہے...... انہوں نے بھی اپنے بال بچے دوسرے گاؤں میں بھیج دیئے۔

پہلوان چوکیدار کا صحت مند اور کافی بڑا دماغ ہڑپ کرنے کے بعد خونی آسیب دو
دن تک بدرُوحوں کے مرگھٹ میں پڑا رہا...... تیسرے دن رات کو اسے بھوک لگی تو وہ
مرگھٹ کے کھنڈر سے نکل کر گاؤں کی طرف چل پڑا......اس وقت رات کا پچھلا پہر
ہو چکا تھا...... گاؤں سنسان پڑا تھا...... کہیں کوئی دیا بتی روشن نہیں تھی...... ہر طرف
تاریکی تھی...... خونی آسیب ویران گاؤں کی اندھیری سنسان گلیوں میں پھرنے لگا......
اسے کسی مکان کے اندر سے انسان کی بو نہیں آرہی تھی...... وہ گلی سے نکل کر باہر آ گیا
اور باہر باہر سے گاؤں کے کچے مکانوں کے ساتھ ساتھ چلنے لگا......اسے ایک مکان کی
طرف سے انسان کی بو آتی محسوس ہوئی...... خونی آسیب کی خونیں آنکھیں چمکنے
لگیں......اسے اپنا شکار مل گیا تھا۔

یہ مکان ایک عبادت گزار غریب کسان کا تھا جو رات کے پچھلے پہر اُٹھ کر وضو
کرنے کے بعد قرآن پاک کھول کر تلاوت کرنے بیٹھا ہی تھا...... خونی آسیب بھوک
سے دیوانہ ہو کر جیسے ہی مکان کی طرف بڑھا مکان کے اندر سے قرآن پاک کی تلاوت
کی آواز آنے لگی......اس آواز کو سنتے ہی خونی آسیب کو ایک زبردست دھچکا لگا اور وہ
اُلٹ کر پیچھے کو گرا اور زمین پر لڑھکتا ہوا دُور تک چلا گیا......اس کے جسم پر لرزہ طاری
ہو گیا تھا...... وہ کانپ رہا تھا...... لرز رہا تھا اور وہاں سے دوڑنے کی کوشش کر رہا تھا......
اس نے غائب ہونے کی کوشش کی مگر اس کی غائب ہونے کی شکتی جواب دے چکی
تھی...... وہ اسی طرح لرزتا کانپتا اپنے آپ کو گھسیٹتا ہوا چلا جا رہا تھا...... گاؤں کی حدود
سے نکلنے کے بعد وہ اپنی اصلی حالت میں آ گیا......اس کی شکتی بھی واپس آ گئی......اسی
لمحے وہ غائب ہو کر اپنے مرگھٹ والے کھنڈر کی طرف بھاگ اُٹھا...... وہ دھوئیں کے
چھوٹے سے گولے کی شکل میں گردش کرتا دیوانہ وار اُڑتا چلا جا رہا تھا، مگر یہ دھوئیں کا
گولہ کسی کو نظر نہیں آسکتا تھا۔

بدرُوحوں کے مرگھٹ والے کھنڈر میں آکر وہ ویران آسیبی کوٹھڑی میں گھس کر

بے دم ہو کر زمین پر لیٹ گیا...... زمین پر لیٹتے ہی وہ جمشید کے جسم میں واپس آ گیا۔اس
کا جسم ابھی تک آہستہ آہستہ کانپ رہا تھا...... تب اسے معلوم ہوا کہ وہ جس مکان کی
طرف بڑھا تھا وہ ایک مسلمان کا مکان تھا اور اسی لمحے اسے یہ بھی علم ہو گیا کہ اب تک
اس نے جن آدمیوں کی کھوپڑیاں اُڑا کر ان کے مغز ہڑپ کئے تھے وہ مسلمان نہیں
تھے...... خونی آسیب اب خود بھی خوفزدہ ہو گیا تھا...... وہ اب اس گاؤں کے آس پاس
بھی نہیں ٹھہر سکتا تھا...... دن نکلنے سے پہلے پہلے وہ مرگھٹ کے کھنڈر سے نظر نہ آنے
والے دھوئیں کے مرغولے کی شکل میں نکل کر مشرق کی طرف چل دیا۔

جمشید کی شکل اختیار کرنے کے بعد خونی آسیب زیادہ دیر تک اپنی بھوک کو
برداشت نہیں کر سکتا تھا...... وہ دن کے وقت ویران جگہوں پر چھپا رہتا اور رات کے
وقت اپنے شکار کی تلاش میں نکلتا، مگر وہ سارا علاقہ کلمہ گو مسلمانوں کی آبادی کا تھا، وہ
جس مسلمان کو غیر مسلم سمجھ کر اس کی طرف بڑھتا اسے زبردست دھچکا لگتا اور اس کا
جسم لڑھکیا کھاتا سینکڑوں فٹ دُور جا پڑتا...... بھوک کی حالت میں خونی آسیب نے
جانوروں کو کھانا شروع کر دیا...... بڑے سے بڑے جانور گائے بھینس کے مغز کو ہڑپ
کرنے کے بعد بھی اس کی بھوک آدھی باقی رہ جاتی تھی......ایک رات وہ شہر سے باہر
کی ایک ایسی کالونی میں داخل ہو گیا جہاں عیسائی مذہب کے ماننے والوں کے بہت سے
گھر تھے۔

انسانوں کی بو اسے بے تاب کئے دیتی تھی......اس وقت رات کے گیارہ سوا گیارہ
بجے کا وقت تھا...... سردی کی وجہ سے کالونی کے بازار اور گلیاں تقریباً سنسان ہو رہی
تھیں...... وہ دھوئیں کی ایک لہر کی شکل میں تھا...... اس وقت گرجا میں سے ایک
عورت کوئی خصوصی عبادت کرنے کے بعد باہر نکل کر اپنے مکان کی طرف جا رہی
تھی...... خونی آسیب اس کا پیچھا کرنے لگا...... عیسائی عورت جب اپنی گلی میں داخل
ہونے لگی تو خونی آسیب نے دھوئیں کی لہر سے انسانی یعنی جمشید کی شکل اختیار کی اور

ایک دم عورت کے پیچھے ظاہر ہو کر اس کی گردن پر ہاتھ رکھ دیا تا کہ وہ اس کے ہاتھ کے لمس سے یخ بستہ ہو کر بے ہوش ہو کر گر پڑے اور وہ اس کی کھوپڑی توڑ کر اس کا مغز کھا جائے۔

لیکن عورت پر کوئی اثر نہ ہوا، بلکہ عورت نے چونک کر پیچھے دیکھا...... اپنے سامنے ایک سرخ آنکھوں والے ڈراؤنے انسان کو دیکھ کر اس کے حلق سے بے اختیار چیخ نکل گئی...... عورت خونی آسیب کے سامنے ہوئی تو اس کے گلے میں جو صلیب پڑی ہوئی تھی اس میں سے تیز روشنی کی شعاع نکل کر خونی آسیب پر پڑی اور وہ زمین سے دس فٹ اُوپر کو اُچھل کر دُور جا پڑا اور اس کا جسم لرزنے اور کانپنے لگا...... خونی آسیب اسی لمحے غائب ہو گیا...... جب وہ بدرُوحوں کے مرگھٹ والے اپنے ٹھکانے پر آیا تو اس کا جسم ابھی تک کانپ رہا تھا...... وہ اس عورت کو بھی مسلمان سمجھا جس پر اس نے حملہ کیا تھا...... وہ رات گزر گئی...... دوسرا دن اور دوسری رات بھی گزر گئی...... تیسری رات کو جب بھوک خونی آسیب سے برداشت نہ ہو سکی تو وہ وحشی بھوکے درندے کی طرح مرگھٹ میں سے نکلا اور دھوئیں کی لہر کی شکل میں انسانی آبادیوں کی طرف چل پڑا۔

رات کا ایک بج رہا تھا...... یہ شہر کے مضافات کی آبادی تھی...... وہاں اسے کھانے کو کوئی گائے بھینس بھی نہ ملی تو خونی آسیب کو انسانی مغز کی بھوک نے نیم دیوانہ بنا دیا...... اچانک اس کے آسیبی دماغ میں ایک ترکیب آ گئی...... اس نے سوچا کیوں نہ میں اس انسان کی کھوپڑی توڑ کر اس کے مغز سے اپنی بھوک مٹاؤں جس کو میں نے اپنے قبضے میں کر رکھا ہے...... یہ انسان جمشید تھا، مگر جمشید کو اپنی درندگی کا نشانہ بنانے کے لئے خونی آسیب کے لئے کسی دوسرے انسان کی شکل اختیار کرنا ضروری تھا، مگر وہاں اسے کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا جس کے جسم میں داخل ہو کر وہ جمشید کی کھوپڑی توڑ کر اس کا دماغ چٹ کر سکے...... رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی...... لوگ اپنے اپنے گھروں میں سو رہے تھے...... ویسے بھی خونی آسیب پر یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی

کہ یہاں سارے لوگ مسلمان ہیں اور وہ کسی مسلمان کے قریب جاتے ہوئے بھی ڈرتا تھا...... اچانک اسے دُور سے ایک کتے کے بھونکنے کی آواز آئی۔

خونی آسیب کا غیر انسانی دماغ تیزی سے سوچ رہا تھا...... اس نے اسی لمحے سوچ لیا کہ وہ کتے کی شکل اختیار کر کے جمشید کی کھوپڑی توڑ کر اس کے دماغ سے اپنی بھوک مٹا سکتا ہے...... خونی آسیب اسی وقت دھوئیں کی شکل میں جمشید کے جسم سے باہر آ گیا...... وہ جانتا تھا کہ جمشید کے جسم سے نکل جانے کے بعد بھی اس پر اس کے آسیب کا زبردست اثر باقی رہے گا اور وہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا...... خونی آسیب جیسے ہی جمشید کے جسم سے الگ ہوا جمشید وہیں بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا...... خونی آسیب اس طرف تیزی سے چلنے لگا جس طرف اسے کتے کے بھونکنے کی مسلسل آواز آ رہی تھی۔

اب ایسا اتفاق ہوا کہ جہاں جمشید بے ہوش ہو کر گرا تھا وہاں سے تھوڑے فاصلے پر درختوں کے درمیان ایک کوٹھڑی تھی جہاں اس وقت ایک بزرگ تہجد پڑھنے کے بعد یادِالٰہی میں مصروف تھے...... یہ وہی بزرگ تھے جو جمشید کو شہر لاہور کی ایک بستی کی مسجد میں ملے تھے اور جنہوں نے جمشید کو تلقین کی تھی کہ اگر وہ نیک عمل کرتا رہا تو اس کے گناہوں کی سزا کم ہوتی جائے گی اور جن کے ہاتھ پر جمشید نے اسلام قبول کیا تھا، بزرگ یادِالٰہی میں محو تھے کہ اچانک انہیں محسوس ہوا کہ جس آتش پرست نوجوان کو انہوں نے حلقہ بگوش اسلام کیا تھا وہ اس وقت سخت مشکل میں ہے اور ان کی کوٹھڑی کے قریب ہی کہیں بے ہوش پڑا ہے...... بزرگ نے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اُٹھائے...... پھر دونوں ہاتھ اپنی نورانی سفید داڑھی پر پھیرے اور اُٹھ کر کوٹھڑی سے باہر نکل آئے۔

بزرگ روشن ضمیر تھے...... وہ اسی طرف جا رہے تھے جس طرف جمشید خونی آسیب سے الگ ہو جانے کے بعد بے ہوش پڑا تھا...... کچھ دُور چلنے کے بعد بزرگ نے

جمشید کو دیکھ لیا کہ وہ زمین پر بے ہوش پڑا ہے...... انہوں نے کچھ پڑھ کر جمشید کے چہرے پر پھونکا تو جمشید کو ہوش آ گیا...... ستاروں کی پھیکی روشنی میں اسے بزرگ کی نورانی صورت نظر آئی تو اس نے انہیں فوراً پہچان لیا...... اس وقت جمشید پر سے خونی آسیب کا اثر ختم ہو چکا تھا اور وہ اپنی اصلی انسانی شکل و صورت میں اور اپنے مکمل احساسات کے ساتھ تھا، وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا...... بزرگ نے جمشید کا ہاتھ پکڑ کر اسے اُٹھایا اور کہا۔

"تمہارے گناہوں کی سزا کا ایک کٹھن مرحلہ طے ہو گیا ہے...... میرے ساتھ آؤ۔"

جمشید اس وقت اپنی صحیح ذہنی حالت میں تھا اور حیرت کی بات ہے کہ اسے یہ بھی پوری طرح سے یاد رہا تھا کہ وہ کسی خونی آسیب کے قبضے میں تھا جو اس کو اپنے حکم پر چلاتے ہوئے بے گناہ انسانوں کی کھوپڑیاں توڑ کر ان کے مغز ہڑپ کیا کرتا تھا...... جمشید کے جسم کے اندر رہ کر خونی آسیب نے جمشید کے ذہن کی مدد سے جو یہ سوچا تھا کہ وہ کتے کی شکل بدل کر جمشید پر حملہ کر کے اس کی کھوپڑی توڑ کر اس کے مغز سے اپنی درندہ صفت بھوک مٹائے گا، جمشید کو یہ بھی یاد رہ گیا تھا...... اس نے بزرگ سے کہا۔

"خونی آسیب مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا...... وہ کتے کا روپ بدل کر مجھ پر ضرور حملہ کرے گا۔"

بزرگ نے کہا۔

"بیٹا! جب تک تم میرے پاس ہو خونی آسیب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"

بزرگ جمشید کو اپنی کوٹھڑی میں لے آئے۔

انہوں نے جمشید کو اپنے سامنے بٹھا لیا اور بولے۔

"تمہارے گناہوں کی آدھی سزا قدرت الٰہی نے معاف کر دی ہے...... تمہارا یہاں تک آنا اس بات کا ثبوت ہے، لیکن اپنے کالے جادو کے پیشے کے زمانے میں تم نے اپنے جادو ٹونے سے جن معصوم انسانوں کو ہلاک کیا ہے اس کی سزا ابھی باقی ہے۔ اس سزا کی آگ میں جلنے کے بعد ہی تم کندن بن کر نکلو گے اور تمہارا ضمیر گناہوں کے بوجھ سے آزاد ہو جائے گا۔"

جمشید نے کہا۔

"اگر قدرت خداوندی کی یہی رضا ہے تو میں اللہ کی رضا کے آگے اپنا سر تسلیم خم کرتا ہوں...... آپ روشن ضمیر بزرگ ہیں کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ میرے گناہوں کی سزا کا یہ دوسرا مرحلہ کتنا طویل ہو گا؟"

بزرگ نے فرمایا۔

"اس بارے میں مجھے کچھ بتانے کی اجازت نہیں ہے...... یہ تمہارا اور تمہارے خدا کا معاملہ ہے...... وہ اگر چاہے تو تمہارے گناہوں کی ابھی بخشش ہو سکتی ہے، لیکن یاد رکھو خدا کے معاملات میں کسی کو دخل دینے کی مجال نہیں ہے...... بڑے بڑے عبادت

گزار انسانوں کو بھی اپنی غلطیوں کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔"

اتنی دیر میں خونی آسیب کتے کی شکل اختیار کر کے اس جگہ واپس آ گیا جہاں وہ جمشید کو بے ہوشی کی حالت میں چھوڑ کر گیا تھا...... یہ دیکھ کر خونی آسیب کتے کی شکل میں بے چین ہو کر بھونکتے ہوئے اِدھر اُدھر دوڑا کہ اپنے شکار کو تلاش کرے کہ وہ کہاں چلا گیا ہے...... خونی آسیب اگرچہ کتے کی شکل میں تھا، لیکن اس کا دماغ خونی آسیب ہی کا تھا...... وہ ایک جگہ رُک کر اپنی گردن دائیں بائیں گھما کر اپنے مفرور شکار جمشید کی بو لینے کی کوشش کرنے لگا...... اسے دُور درختوں کی جانب سے جمشید کی بو آتی محسوس ہوئی...... وہ اس طرف دیوانہ وار دوڑ پڑا، درختوں کے درمیان بزرگ کی کوٹھڑی تھی جہاں جمشید بزرگ کے سامنے ادب سے بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا۔

خونی آسیب کوٹھڑی کے قریب پہنچا ہی تھا کہ کسی غیبی طاقت نے اسے اُٹھا کر پیچھے پھینک دیا، مگر انسانی دماغ کی شدید بھوک نے خونی آسیب کو وہاں سے جانے نہ دیا...... وہ محفوظ فاصلے پر کھڑے ہو کر زور زور سے بھونکنے لگا۔

اس کی آواز سن کر جمشید نے بزرگ سے کہا۔

"خونی آسیب کتے کی شکل میں یہاں آن پہنچا ہے۔"

بزرگ نے فرمایا۔

"میں جانتا ہوں، مگر تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں...... جب تک تم میرے پاس ہو خونی آسیب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔"

جمشید نے فکر مند ہو کر کہا۔

"لیکن مجھے یہاں سے باہر نکل کر اپنے گھر بھی جانا ہے...... تب کیا ہو گا...... میں اس خونی آسیب سے کیسے اپنے آپ کو بچاؤں گا؟"

بزرگ نے کہا۔

"یاد رکھو اگر مسلمان ایک بھی گناہ کرے گا تو اسے اس گناہ کی سزا بھگتنی

ہو گی...... تم اپنی سزا کے آخری مرحلے میں سے گزر رہے ہو...... تم پر ایک مصیبت آنے والی ہے...... اگر تم اسلام کے راستے پر ثابت قدم رہے تو تم اس مرحلے سے بھی گزر جاؤ گے۔"

جمشید پریشان ہو گیا...... اس نے پوچھا۔

"یہ مصیبت کس قسم کی ہو گی؟ کس شکل میں آئے گی؟"

بزرگ نے کہا۔

"یہ مجھے بھی معلوم نہیں ہے، لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اس مصیبت میں ہر قدم پر تمہاری جان کو خطرہ ہو گا۔"

جمشید بولا۔

"محترم بزرگ! مگر میں تو پوری طرح سے صحت یاب ہو چکا ہوں...... مجھ پر کسی آسیب، کسی بدرُوح کا سایہ نہیں رہا۔"

بزرگ نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

"ایسے لگتا ہے کہ یہاں سے جانے کے بعد وہ مصیبت شروع ہو جائے گی جو میری کوٹھڑی کے باہر تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

جمشید نے کہا۔

"لیکن باہر سے اب خونی آسیب کے بھونکنے کی آواز نہیں آ رہی...... وہ تو شاید جا چکا ہے اور ویسے بھی اب وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا کیونکہ میں ایک کلمہ گو مسلمان ہوں۔"

بزرگ نے فرمایا۔

"لیکن تم سے بعض بڑے گھناؤنے گناہ ہوئے ہیں...... وہ گناہ مصیبتوں اور آفتوں اور بدرُوحوں کو موقع دیتے ہیں کہ وہ تم پر حملہ آور ہو سکیں۔"

جمشید بولا۔

"تو کیا میں یہاں سے باہر نکلتے ہی ایک بار پھر خونی آسیب کے عذاب میں پھنس

جاؤں گا؟"

بزرگ نے کہا۔

"میں نے تم پر جو دعا پڑھ کر پھونکی تھی اس کی وجہ سے خونی آسیب تمہارے قریب نہیں آسکے گا، لیکن وہ کسی دوسری شکل میں تم پر حملہ کر سکتا ہے...... یہ خونی آسیب بڑی خوفناک شیطانی طاقتیں رکھتا ہے...... بس تمہیں اپنی نیت کو نیک رکھتے ہوئے اس سے ہوشیار رہنا ہوگا۔"

جمشید اندر سے پریشان ہو گیا تھا...... اسے اپنے وہ سارے گناہ یاد آرہے تھے جو اس نے اپنے کالے جادو ٹونے کے زمانے میں کیئے تھے، وہ اپنے ان گناہوں پر سخت شرمندہ تھا...... نادم تھا اور پچھتا رہا تھا...... باہر سے خونی آسیب کے کتا بن کر بھونکنے کی آواز بالکل بند ہو چکی تھی، لیکن جمشید کو خبردار کر دیا گیا تھا کہ وہ کسی نہ کسی شکل میں کسی نہ کسی جگہ گھات لگا کر اس کے انتظار میں ضرور بیٹھا ہوا ہوگا...... یہی وجہ تھی کہ جمشید باہر نکلنے سے گھبرا رہا تھا، لیکن اسے آخر کار باہر نکلنا ہی تھا...... باہر رات ڈھلنا شروع ہو گئی تھی اور آسمان پر صبح کی ہلکی ہلکی نیلی روشنی نمودار ہونے لگی تھی۔

بزرگ نے جمشید سے کہا۔

"اللہ پر بھروسہ رکھو...... اپنے دل کو مضبوط کرو اور اپنے گھر جاؤ...... خدا تمہاری حفاظت کرے۔"

جمشید خونی آسیب کے جس عذاب میں سے گزر چکا تھا اس نے اس کی رُوح تک کو ہلاک رکھ دیا تھا...... وہ اس عذاب میں دوبارہ مبتلا نہیں ہونا چاہتا تھا، لیکن آخر وہ بزرگ کے پاس کب تک بیٹھا رہ سکتا تھا...... اس نے بزرگ سے مصافحہ کرتے ہوئے خدا حافظ کیا اور کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔

باہر ابھی رات کا اندھیرا پوری طرح سے دُور نہیں ہوا تھا، لیکن مشرقی اُفق پر جو صبح کی پہلی نیلی روشنی اُبھرنا شروع ہو گئی تھی اس کی وجہ سے درختوں اور مکانوں کے

نا کے دُھندلے دُھندلے نظر آنے لگے تھے...... جمشید نے ڈرتے ڈرتے کوٹھڑی سے باہر قدم رکھا اور وہیں رُک گیا اور چاروں طرف غور سے دیکھنے لگا...... اس کو یہ خیال بڑا حوصلہ دے رہا تھا کہ اس پر بزرگ کی دعا کا اثر ہے، جس کی وجہ سے خونی آسیب براہ راست اس پر حملہ نہیں کر سکے گا...... بس اسے صرف ہر طرف سے خبردار اور چوکس رہنے کی ضرورت ہے...... جمشید پھر سے اپنی اصلی جسمانی حالت میں واپس آچکا تھا...... اگر اسے کوئی اندیشہ تھا تو صرف اس بات کا تھا کہ بزرگ کے کہنے کے مطابق وہ ایک بار پھر کسی مصیبت میں گرفتار ہونے والا تھا، جو اس کے بعض گھناؤنے گناہوں کی سزا کی آخری مصیبت ہوگی۔

رات کا اندھیرا ابھی پوری طرح سے دُور نہیں ہوا تھا۔

وہ ایک غیر آباد علاقے میں تھا...... اسے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ آگے کون سا قصبہ یا کون سا شہر ہے...... وہ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ لیتا کہ کہیں خونی آسیب کتے کی شکل میں اس کا تعاقب تو نہیں کر رہا...... ابھی تک اسے نہ تو کہیں کوئی کتا دکھائی دیا تھا، نہ کسی کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دی تھی...... ڈھلتی رات کے اندھیرے میں وہ درختوں کے ایک ذخیرے میں سے گزرنے لگا...... یک لخت اسے ایک بلند چیخ کی آواز سنائی دی...... جمشید کا دل دہل گیا...... وہ وہیں رُک گیا اور خوفزدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا...... اچانک غراہٹ کی خوفناک آواز کے ساتھ ایک بہت بڑا سیاہ کتا درخت کے پیچھے سے نکل کر اس کے سامنے آگیا اور اپنے لمبے نوکیلے دانت نکال کر غرانے لگا...... اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں...... جمشید فوراً سمجھ گیا کہ یہ خونی آسیب ہے...... خونی آسیب کے خیال سے اس کا جسم دہشت کے مارے سرد ہو گیا۔

اس میں بھاگنے کی بھی سکت نہیں رہی تھی، مگر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور ایک قدم پیچھے ہٹا کہ اُلٹے پاؤں بھاگ جائے...... اتنے میں کالے کتے نے وحشیانہ غراہٹ کے ساتھ جمشید کے اُوپر چھلانگ لگا دی، لیکن اس کے جسم سے ٹکراتے ہی

کتے کی چیخ نکل گئی اور وہ اس طرح اُچھل کر نیچے گرا جیسے کسی نے اسے پکڑ کر دُور پھینک دیا ہو...... زمین پر گرتے ہی کالا کتا غائب ہو گیا اور اس کی جگہ دھوئیں کا ایک گولہ نمودار ہو گیا جو تھوڑی دیر فضا میں گونجدار آواز میں گردش کے بعد غائب ہو گیا۔

جمشید نے خدا کا شکر ادا کیا اور درختوں کی دوسری جانب ہو گیا اور تیز تیز قدموں سے چلنے لگا...... وہ اینٹوں کے ایک بھٹے کے قریب سے گزرا تو اسے ایسے لگا جیسے ایک انسانی سایہ اینٹوں کے بھٹے کے اندر سے نکل کر ایک طرف غائب ہو گیا ہو...... جمشید کو آسیبی سائے کا خیال آ گیا...... یہ بلا ابھی تک اس کے پیچھے لگی تھی...... اس خیال سے وہ کسی حد تک مطمئن بھی تھا کہ بزرگ کی دعا کے اثر سے اس پر آسیبی سائے کے جادُو کا اثر نہیں ہو گا، لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ عفریتی ڈائن کا آسیبی سایہ کسی دوسرے رُوپ میں بھی اسے اپنے طلسم میں قید کر سکتا ہے۔

پھر بھی وہ ہوشیار ہو گیا تھا...... اس نے راستہ بدل لیا اور سیدھا جانے کی بجائے اینٹوں کے بھٹے کو اپنی بائیں جانب چھوڑ کر ریلوے لائن کی طرف چلنے لگا جہاں ریلوے سگنل کی سرخ بتی ڈھلتی سرد رات کی دُھند میں جھلملاتی دکھائی دے رہی تھی...... وہ ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کسی سٹیشن تک پہنچنا چاہتا تھا، تاکہ اسے یہ معلوم ہو سکے کہ وہ پاکستان کے کس علاقے میں ہے...... صبح کا اُجالا پھیل رہا تھا...... ریلوے لائن کے اِردگرد درختوں کے خاکے اُبھرنے لگے تھے...... ٹھنڈ بہت پڑ رہی تھی، دُھند کی وجہ سے سردی اور زیادہ ہو گئی تھی...... جمشید کے دونوں ہاتھ اپنی چمڑے کی جیکٹ میں تھے...... کسی وقت اسے لگتا جیسے آسیبی سایہ اس کے قریب سے ہو کر آگے نکل گیا ہے، مگر وہ ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چلتا گیا۔

دُھند کے غبار میں اسے کچھ فاصلے پر ریلوے سٹیشن کی دو تین روشنیاں نظر آئیں...... اس نے اپنی رفتار تیز کر دی...... وہ سٹیشن پر پہنچ گیا...... یہاں آ کر اسے معلوم ہوا کہ وہ لاہور کے ایک مضافاتی ریلوے سٹیشن پر ہے، اسے بڑی خوشی ہوئی کہ

وہ اپنے شہر میں آ گیا ہے...... سٹیشن کا پلیٹ فارم سخت سردی کی وجہ سے خالی خالی تھا...... وہ ایک بنچ کی طرف بڑھا کہ وہاں بیٹھ کر لاہور کی طرف جانے والی کسی گاڑی کا انتظار کرے...... دُھند میں دُور سے اسے بنچ خالی نظر آیا تھا، لیکن جب وہ ذرا قریب گیا تو دیکھا کہ بنچ پر کوئی بیٹھا ہوا تھا...... جمشید کو دیکھ کر وہ انسان اُٹھ کھڑا ہوا...... جمشید قریب آ گیا تھا...... اس نے اس انسان کو پہچان لیا...... وہ اس کی دوست اور ہمدرد آرتی تھی...... آرتی جمشید کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔

"مجھے یقین تھا کہ تم اسی جگہ پر آؤ گے۔"

جمشید نے آرتی سے کہا۔

"آرتی! تم انسانوں کی دُنیا میں کیسے آ گئیں؟ مجھے تو تمہاری بالکل اُمید نہیں تھی۔"

آرتی نے ساڑھی پہن رکھی تھی...... اس کے بال کھلے تھے اور ان میں گیندے کا سنہری پھول سجا ہوا تھا...... دونوں بنچ پر بیٹھ گئے...... آرتی کہنے لگی۔

"میں نے تمہیں بتایا تھا کہ جب میرے جنم کا چکر پورا ہو جائے گا اور دوسرا جنم شروع ہونے والا ہو گا تو میں انسانوں کی دُنیا میں آ سکوں گی اور پھر تمہیں ضرور ملوں گی...... دیکھ لو...... میں تمہیں ملنے آ گئی ہوں۔"

جمشید بولا۔

"آرتی! میں تمہیں کیسے بیان کروں کہ تم سے جدا ہونے اور انسانوں کی دُنیا میں آنے کے بعد مجھ پر کیسی کیسی مصیبتیں گزری ہیں۔"

آرتی بولی۔

"تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے...... مجھے سب معلوم ہے، لیکن تمہیں اب فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے...... عفریتی ڈائن نے تمہارے پیچھے جو خونی آسیب لگا دیا تھا اور جس کی وجہ سے تم نے اذیب ناک وقت گزارا ہے، اب وہ خونی آسیب تمہارے روشن ضمیر بزرگ کی دعا سے جل کر راکھ ہو چکا ہے۔"

جمشید نے کہا۔

"لیکن آرتی مجھے لگتا ہے کہ عفریتی ڈائن کا آسیبی سایہ ابھی تک میرا پیچھا کر رہا ہے...... میں نے تھوڑی دیر پہلے اسے اینٹوں کے ایک ویران بھٹے میں سے نکل کر ایک طرف غائب ہوتے دیکھا ہے۔"

آرتی نے کہا۔

"بزرگ کی دعا کی وجہ سے آسیبی سایہ بھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"

جمشید بولا۔

"آرتی! اب میں اپنے گھر جا کر بالکل نئی اور نیک زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔"

آرتی کہنے لگی۔

"یہ بڑی اچھی بات ہے لیکن اس کے باوجود تمہیں آسیبی سائے سے خبردار رہنا ہوگا...... وہ کسی بھی وقت تمہیں کمزور پا کر تم پر حملہ کر سکتا ہے، کیونکہ عفریتی ڈائن تمہاری جان کی دُشمن ہے اور آسیبی سایہ اس کے حکم پر کام کر رہا ہے۔"

جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔

"بزرگ نے بھی مجھے یہی کہا تھا کہ مجھ پر ایک مصیبت آنے والی ہے، لیکن یہ میری زندگی کی آخری بڑی مصیبت ہوگی۔"

آرتی بولی۔

"اسی لئے میں تمہارے پاس آئی ہوں کہ تمہیں آنے والی مصیبت سے بچانے کی کوشش کروں۔"

جمشید سر جھکا کر خاموش ہو گیا...... اس دوران میں آسمان پر بادل چھانا شروع ہو گئے تھے اور صبح کی مدہم روشنی اور زیادہ کم ہو گئی تھی...... جمشید نے آرتی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"آرتی! تم نے صرف ساڑھی پہن رکھی ہے...... تمہیں ٹھنڈ لگ رہی ہوگی......

میری جیکٹ پہن لو۔"

آرتی نے مسکرا کر کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں...... تم بھول گئے ہو کہ میں ایک آتما ہوں...... ایک رُوح ہوں اور رُوح کو سردی نہیں لگتی۔"

جمشید نے سرد آہ بھر کر کہا۔

"آرتی! یہ مجھے میرے گناہوں کی سزا مل رہی ہے...... اپنے جادو ٹونے کے زمانے میں مجھ سے کئی بے گناہوں کا خون ہوا ہے...... خدا جانے میرے گناہوں کی سزا کب ختم ہوگی اور کب مجھے ان بد رُوحوں اور آسیبوں سے نجات ملے گی۔"

آرتی نے کہا۔

"تمہاری سزا کے دن تھوڑے رہ گئے ہیں اور پھر تم کیوں فکر کرتے ہو...... میں کس لئے آئی ہوں...... میں عفریتی ڈائن کے آسیبی سائے سے تمہاری حفاظت کروں گی...... تمہیں صرف میرے کہنے پر چلنا ہوگا۔"

جمشید بولا۔

"تم جو کہو گی میں وہی کروں گا۔"

اتنے میں لاہور کی طرف جانے والی ٹرین آ گئی...... وہ ٹرین میں سوار ہو گئے...... ڈبے میں دو تین مسافر ہی تھے...... کسی نے جمشید اور آرتی کی طرف دھیان نہ دیا...... جمشید نے آرتی سے کہا۔

"یہ لوگ تمہیں ساڑھی میں دیکھ کر تھوڑے حیران ضرور ہوئے ہوں گے، کیونکہ پاکستان میں عورتیں یہ لباس نہیں پہنتیں۔"

آرتی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"فکر نہ کرو...... یہ مجھے نہیں دیکھ سکتے...... میں ان کی نظروں سے غائب ہوں...... مجھے صرف تم ہی دیکھ سکتے ہو۔"

ٹرین لاہور پہنچ گئی...... جمشید کہنے لگا۔

"ہم کسی دوسرے راستے سے سٹیشن سے باہر نکلیں گے، میرے پاس ٹکٹ نہیں ہے۔"

آرتی نے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں...... میں تمہارے ساتھ ہوں...... ہم گیٹ میں سے دوسرے مسافروں کے ساتھ ہی گزریں گے۔"

جمشید بولا۔

"مگر میں تمہاری طرح غائب نہیں ہوں...... ٹکٹ چیکر مجھ سے ضرور ٹکٹ مانگے گا۔"

آرتی نے کہا۔

"تم میری طرح غائب نہیں ہو، لیکن گھبراؤ نہیں...... ٹکٹ چیکر تمہیں دیکھے گا ضرور مگر تم سے ٹکٹ نہیں مانگے گا۔"

اور ایسا ہی ہوا۔

"جب جمشید اور آرتی پلیٹ فارم کے گیٹ میں سے دوسرے مسافروں کے ساتھ گزرنے لگے تو ٹکٹ چیکر نے دوسرے مسافروں کا ٹکٹ لے لیا مگر جمشید کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔

وہ سٹیشن سے باہر آ گئے...... اس وقت آسمان پر بادل گھرے ہو گئے تھے اور سرد ہوا چلنے لگی تھی...... جمشید نے کہا۔

"میں اپنے مکان پر جانا چاہتا ہوں...... تم بھی میرے ساتھ چلو۔"

آرتی نے فضا میں ایک طرف منہ اُٹھا کر کچھ سونگھا اور جمشید کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"نہیں جمشید تم ابھی اپنے مکان پر نہیں جاؤ گے...... مجھے فضا میں خونی آسیب کی بو محسوس ہوئی ہے...... میں دیکھ رہی ہوں کہ خونی آسیب تمہارے مکان کے ارد گرد

منڈلا رہا ہے۔"

جمشید نے سخت مایوسی کے عالم میں سانس بھر کر کہا۔

"تو پھر میں کہاں جاؤں...... میری تو عقل جواب دے گئی ہے...... نہ جانے یہ بلائیں کب تک میرا پیچھا کرتی رہیں گی۔"

آرتی نے کہا۔

"میرے ہوتے ہوئے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے...... تم میرے ساتھ چلو گے...... میں تمہیں ایک ایسی جگہ لے جاؤں گی جہاں خونی آسیب کسی رُوپ میں بھی تم پر حملہ نہیں کر سکے گا۔"

جمشید بولا۔

"مگر تم نے تو کہا تھا کہ خونی آسیب جل کر راکھ ہو چکا ہے۔"

آرتی نے کہا۔

"یہ بڑی شکتی والا خونی آسیب لگتا ہے...... اس طرح کے آسیب جل کر راکھ ہونے کے بعد اپنے جادُو کی طاقت سے اس راکھ میں سے دوبارہ زندہ ہو جاتے ہیں۔ ٹیکسی لو اور اسے کہو کہ ہمیں دریا پار لے چلے۔"

جمشید نے خالی ٹیکسی دیکھ کر ڈرائیور سے کہا۔

"دریا پار لے چلو۔"

دونوں ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور ٹیکسی دریا کی طرف چل پڑی...... ٹیکسی ڈرائیور نہ تو آرتی کو دیکھ سکتا تھا اور نہ اس کی آواز ہی سن سکتا تھا، لیکن آرتی خاموش تھی...... دونوں گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے...... گاڑی شہر سے نکل کر دریا کے پل پر آ گئی، جب دریا کا پل گزر گیا تو ڈرائیور نے پوچھا۔

"اب کس طرف چلنا ہے آپ کو؟"

جمشید نے آرتی کی طرف دیکھا...... آرتی نے جمشید سے کہا۔

"اسے کہو آگے چل کر دریا کے ساتھ والی سڑک پر ہو جائے۔"

جمشید نے یہی کچھ ڈرائیور کو کہہ دیا...... ٹیکسی کچھ دُور آگے جاکر بائیں طرف مڑگئی...... یہ ایک چھوٹی کچی سڑک تھی جو دُور تک خالی پڑی تھی...... اس کی ایک جانب دریا تھا اور دوسری طرف درختوں کا ذخیرہ تھا...... ایک چھوٹی نہر کا پل آگیا۔ پل کی دوسری طرف آکر آرتی نے جمشید سے کہہ کر گاڑی ایک طرف رکوادی اور اپنی ساڑھی کے اندر سے سو روپے کا نوٹ نکال کر جمشید کو دیا اور کہا۔

"ہم یہاں اُتریں گے۔"

جمشید نے ٹیکسی ڈرائیور کو سو روپے کا نوٹ دے کر کہا۔

"باقی اپنے پاس ہی رکھو۔"

اور وہ ٹیکسی سے اُتر پڑا...... آرتی اس کے ساتھ تھی...... وہ دریا کے سامنے والے درختوں کے ذخیرے کی طرف چل پڑی...... جمشید اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اس وقت آسمان کو سیاہ بادلوں نے ڈھانپ دیا تھا اور لگتا تھا کہ کسی بھی وقت بارش شروع ہو سکتی ہے...... درختوں میں کچھ دُور تک دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔

پھر جمشید نے پوچھا۔

"یہاں کون سی جگہ ہے جہاں ہم جا رہے ہیں؟"

آرتی جمشید کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔

"کیا تم ڈر رہے ہو؟"

جمشید نے مسکرا کر جواب دیا۔

"تمہارے ساتھ چلتے ہوئے مجھے کبھی ڈر نہیں لگا...... تم ایک ہی تو میری دوست اور ہمدرد ہو۔"

آرتی نے جمشید کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بڑی محبت بھرے لہجے میں بولی۔

"میں بھی تمہیں اپنا سچا دوست سمجھتی ہوں جمشید! بس تھوڑی دُور ہی جانا ہے۔"

دریا کافی پیچھے رہ گیا تھا...... درختوں کے ذخیرے میں ایک جگہ جمشید کو ایک پرانی وضع کی کوٹھی دکھائی دی...... کوٹھی کے قریب آکر آرتی رُک گئی اور بولی۔

"یہ کوٹھی بالکل خالی پڑی ہے...... ہم کچھ دن یہاں رہیں گے...... یہاں میں ایک خاص چلّے کا یگ کروں گی، اس کے بعد میں تم پر ایک منتر پھونکوں گی جس کے اثر سے خونی آسیب اور عفریتی کا آسیب ہمیشہ کے لئے تم سے دُور بھاگ جائیں گے۔"

جمشید نے پرانی کوٹھی کا جائزہ لیا...... اس کوٹھی کو دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ وہ شاید ایک سو سال سے ویران پڑی ہے...... چھوٹی سی بوسیدہ کوٹھی تھی جس کا آدھا حصہ ڈھے چکا تھا...... برآمدے کے فرش پر گرد کی تہہ جمی ہوئی تھی اور سنسان صحن میں درختوں کے سوکھے پتے ہی پتے نظر آرہے تھے...... جمشید کو یہ جگہ بھی آسیب زدہ لگی...... مگر آرتی کے ہوتے ہوئے جمشید کو کسی آسیب سے ڈر نہیں لگ رہا تھا۔ برآمدے کے گرد آلود فرش پر قدم رکھتے وہ کوٹھی کے دروازے کے پاس آگئے...... آرتی نے دروازے کو اندر کی طرف دھکیل کر کھولا تو ایسی آواز آئی جیسے کسی بچے کی چیخ نکل گئی ہو...... جمشید چونک سا گیا...... آرتی نے کہا۔

"ڈرو نہیں...... یہ دروازہ پچاس برس سے بند پڑا ہے...... میں نے صرف تمہاری خاطر اسے کھولا ہے، ورنہ میں تو اسے کھولے بغیر بھی اس میں سے گزر سکتی تھی۔"

جمشید چونکہ اپنی نارمل انسانی حالت میں تھا اس لئے اسے تھوڑا سا خوف ضرور محسوس ہوا تھا، مگر اس نے بہت جلد اپنے خوف پر قابو پالیا...... اس نے آرتی سے پوچھا۔

"آرتی؟ کیا تم کبھی یہاں رہا کرتی تھیں"

آرتی کہنے لگی۔

"یہی سمجھ لو۔"

وہ اس آسیب زدہ کوٹھی کے جس کمرے میں داخل ہوئے تھے اس کے فرش پر بھی گرد جمی ہوئی تھی...... پرانی طرز کے آتش دان کے اُوپر دیوار پر ایک کالے ریچھ کا

کٹا ہوا سر لگا تھا...... آرتی نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"سو برس پہلے یہاں ایک شکاری رہا کرتا تھا جسے ریچھ کے شکار کا شوق تھا۔"

کمرے کی دیواروں کا پلستر جگہ جگہ سے اُکھڑا ہوا تھا...... روشندان کو مکڑی کے جالوں نے ڈھانپ رکھا تھا...... آرتی نے دروازہ بند کر دیا...... دروازہ بند کرتے ہوئے ایک بار پھر بچے کی چیخ کی آواز کمرے کی فضا میں گونج اُٹھی...... آرتی جمشید کو لے کر دوسرے کمرے میں آ گئی...... یہ دوسرا کمرہ چھوٹا تھا اور وہاں بھی ویرانی برس رہی تھی...... کونے میں ایک تنگ زینہ اُوپر کو جاتا تھا...... آرتی کہنے لگی۔

"اُوپر ایک شہ نشین ہے...... تم کچھ روز وہیں رہو گے...... میں آدھی رات کو دریا پر جا کر چلہ کروں گی...... مجھے تین راتیں چلہ کرنا ہو گا......اس دوران تم اس کوٹھی سے ہرگز باہر نہیں نکلو گے۔"

جمشید بولا۔

"مجھے تو لگتا ہے کہ یہاں بھی ضرور کسی آسیب کا بسیرا ہے۔"

آرتی نے کہا۔

"میں نے پوری تسلی کر لی ہے...... یہاں کوئی آسیب نہیں رہتا اور پھر جب میں رات کو چلہ کاٹنے دریا پر جاؤں گی تو کوٹھی کے دروازے کے باہر منتر پھونک جاؤں گی......اگر آس پاس کوئی بدرُوح یا آسیب ہوا بھی تو وہ یہاں داخل نہیں ہو سکے گا...... اب تم اُوپر جاؤ میں جنگل میں کچھ جڑی بوٹیاں لینے جا رہی ہوں، جن کی دھونی لگا کر مجھے چلے کے منتروں کا جاپ کرنا ہو گا......اگر میں شام تک نہ آئی تو رات کے پچھلے پہر چلہ ختم کر کے ہی آؤں گی۔"

یہ کہہ کر آرتی چلی گئی۔

جمشید کمرے کا تنگ زینہ طے کر کے اُوپر شہ نشین میں آ گیا۔

یہ شہ نشین بڑی چھوٹی سی تھی اور اس کی چھت بھی جمشید کے سر سے ذرا سی ہی

اُونچی تھی...... کونے کی جانب دیوار کے طاق میں ایک دیا جل رہا تھا جس کی پُراسرار دُھندلی روشنی میں شہ نشین کسی بڑی قبر کی طرح لگ رہی تھی...... وہاں صرف بانس کی ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی جس پر ریچھ کی کھال کی طرح کا ایک کالا کمبل پڑا تھا...... وہاں نہ کوئی روشن دان تھا اور نہ کوئی کھڑکی تھی...... وہ چارپائی پر بیٹھ گیا...... شہ نشین میں سردی کا احساس بھی کم ہو گیا تھا۔

بہت جلد جمشید نے محسوس کر لیا کہ اس کی بھوک اور پیاس بھی اس پرانی کوٹھی میں آنے کے بعد ساکت ہو گئی تھی...... نہ اسے بھوک لگ رہی تھی نہ پیاس محسوس ہو رہی تھی...... وہ وہیں چارپائی پر سمٹ کر لیٹ گیا...... آرتی کی وجہ سے اسے کچھ حوصلہ ضرور ہو گیا تھا......اسے آرتی پر یقین تھا کہ وہ چلہ کرنے کے بعد اس پر طلسمی منتر پھونکے گی تو اس کو خونی آسیب اور عفریتی ڈائن کے آسیبی سائے سے چھٹکارا مل جائے گا اور وہ اپنے گھر واپس جا کر نئی اور اچھی زندگی شروع کر سکے گا...... آرتی اگرچہ خود ایک گناہ گار آتما تھی مگر وہ جمشید کے ہمیشہ کام آتی تھی اور مصیبت کے وقت اس نے جمشید کی مدد کی تھی۔

یہی کچھ سوچتے سوچتے اس کی آنکھ لگ گئی۔

آرتی پرانی ویران کوٹھی سے نکلنے کے بعد ذخیرے کے جنگل میں آ گئی، یہاں ایک جگہ اسے خاص جڑی بوٹیوں کی بو آئی......وہ اس بو کے سراغ پر چلتے چلتے جھاڑیوں کے ایک جھنڈ کے پاس آ کر رُک گئی...... یہ بڑی گھنی کانٹے دار جنگلی جھاڑیاں تھیں، جن جڑی بوٹیوں کی اسے تلاش تھی وہ ان ہی جھاڑیوں کے اندر اُگی ہوئی تھیں...... آرتی جھاڑیوں میں گھس گئی...... وہ غائب تھی اس لئے جھاڑیوں کے کانٹے اسے چبھ نہیں رہے تھے...... آرتی نے خاص خاص جڑی بوٹیاں چن لیں اور جڑی بوٹیوں کو لے کر اُوپر کو اُٹھنے لگی......اُوپر کو اُٹھتے اُٹھتے وہ درختوں میں سے نکل کر ان کے اُوپر آ گئی، اس کے بعد اس نے مشرق کی طرف رُخ کر لیا۔

وہاں سے وہ ہندوستان کا بارڈر کراس کر کے بھارت کے ایک گھنے جنگل میں اُتر آئی...... اس جنگل میں کسی قدیم ہندو کا ایک کھنڈر تھا...... مندر ڈھے چکا تھا...... صرف اس کی ایک قد آدم مورتی باقی رہ گئی تھی جس کا رنگ بارشوں کی وجہ سے کالا پڑ چکا تھا، یہ بڑی ڈراؤنی مورتی تھی...... اس کا منہ کھلا تھا اور نوکدار سیاہ دانت باہر کو نکلے ہوئے تھے...... آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے جن میں چھپکلیاں رینگتی پھرتی تھیں...... آرتی نے جڑی بوٹیاں اس خوفناک مورتی کے سامنے زمین پر ڈال دیں اور دونوں بازو کھول کر بولی۔

کلش دیو! کلش دیو! مجھے شکتی دے...... کہ میں تیری بھینٹ تیرے چرنوں میں لا کر اس کے خون سے تمہاری پیاس بجھا سکوں...... تیرے ہونٹ صدیوں سے کسی مسلمان کے خون کو ترس گئے ہیں۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی خوفناک مورتی کے غار کی طرح کھلے منہ میں سے دھواں نکلنے لگا...... اس کے منہ میں سے چھ سات کالی چمگادڑیں جو اس کے حلق سے چمٹی ہوئی تھیں چیختی شور مچاتی پھڑ پھڑا کر جنگل میں اُڑ گئیں...... دھوئیں کے بعد ڈراؤنی مورتی کے حلق سے آگ کی چنگاریاں نکلنے لگیں، آرتی کے بازو اسی طرح کھلے ہوئے تھے......

اس نے دوسری بار بلند آواز میں کہا۔

”کلش دیو! تیرے دُشمن پر کسی طاقت کا اثر ہے...... اس طاقت کے طلسم کو جلا کر راکھ کر دے تا کہ میں تمہارے دُشمن کو، تماری بھینٹ کو تمہارے چرنوں میں لا کر تمہیں اس کا خون پلا سکوں۔“

ڈراؤنی مورتی کے حلق سے چنگاریوں کے ساتھ ہی ایک شعلہ نکلا جس نے آرتی کے آگے پڑی ہوئی جڑی بوٹیوں کی ڈھیری پر گر کر انہیں جلا کر راکھ کر دیا......

آرتی نے ایک فتح مندی کا قہقہہ بلند کیا اور مورتی کے آگے ماتھا ٹیک کر بولی۔

”جے ہو کلش دیو کی جے ہو...... میں تیری بھینٹ تیرے چرنوں پر قربان

کروں گی۔“

آرتی نے یہ کہہ کر جلی ہوئی جڑی بوٹیوں کی راکھ کو اپنی ساڑھی کے پلو میں باندھا اور واپس اُڑ گئی...... اس نے دوبارہ بھارت کی سرحد فضا میں ہی پار کی اور پاکستان کے شہر لاہور میں دریا کے کنارے نکل آئی...... دریا کے کنارے آگے جا کر ایک جگہ دریا کے اندر پتھر کا ایک تکونا چبوترا پانی سے باہر نکلا ہوا تھا...... دریا کے سیلابوں نے اسے ایک طرف جھکا دیا تھا...... تقسیم سے پہلے یہ جگہ کلش استھان کے نام سے مشہور تھی اور ہندو لوگ اپنے مردوں کی راکھ لا کر یہاں بہایا کرتے تھے۔

آرتی پتھر کے چبوترے پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی...... اس کے دونوں ہاتھ اس کے گھٹنوں کے ساتھ لگے ہوئے تھے، اسی حالت میں بیٹھے بیٹھے اس نے آنکھیں بند کر لیں اور ہزاروں برس قدیم طلسمی منتروں کا جاپ شروع کر دیا...... آسمان پر بادل اور زیادہ گہرے ہو گئے تھے اور دن کے وقت بھی اندھیرا ہو گیا تھا...... سرد ہوا چلنے لگی تھی...... دریا پر دُور دُور تک سناٹا چھایا تھا...... بادلوں میں بجلی چمکی...... بادلوں میں دھیمی گرج سنائی دی اور بوندا باندی شروع ہو گئی، مگر آرتی کے غیبی جسم کو نہ سردی کا احساس تھا نہ گرمی کا...... نہ اس کا جسم گیلا ہی ہو رہا تھا...... بوندا باندی ہوتی رہی...... سرد ہوا چلتی رہی...... آرتی منتروں کا جاپ کرتی رہی اور شام ہو گئی...... چاروں طرف اندھیرا ہو گیا...... جب رات کا اندھیرا اور زیادہ گہرا ہو گیا تو آرتی کا جاپ ختم ہو گیا۔

وہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور چبوترے کے کنارے پر آ کر کھڑی ہو گئی...... اس نے ساڑھی کے پلو سے راکھ نکال کر اس کی ایک مٹھی اپنے اُوپر ڈال دی اور دوسری مٹھی کی راکھ دریا میں بہا دی...... پھر اس نے دونوں بازو کھول دیئے اور بلند چیخ نما آواز میں بولی۔

”کلش دیو کی جے ہو...... میں تیری بھینٹ تیرے چرنوں میں بلی (قربانی) کے لئے لا رہی ہوں۔“

اس وقت بجلی کی کڑک کے ساتھ بادل زور سے گرجے اور ایک دم سے موسلا

دھار بارش شروع ہو گئی...... وہ بارش میں چلتی پرانی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئی، جہاں جمشید بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

شہہ نشین میں طاق میں جلنے والے دیئے کی لو مدہم ہو گئی تھی...... اسے بادلوں کی گرج اور موسلادھار بارش کی آواز سنائی دے رہی تھی، آرتی ابھی تک واپس نہیں آئی تھی...... وہ چاروں طرف سے بند قبر نما شہہ نشین کے ڈراؤنے ماحول میں خوف محسوس کرنے لگا تھا...... بادلوں کی گرج اور موسلادھار بارش کی آواز نے اس کے خوف میں اضافہ کر دیا تھا...... اچانک اسے تنگ زینے میں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی...... اس نے زینے کی طرف دیکھا...... زینے کی چوکھٹ پر دیئے کی دھیمی روشنی پڑ رہی تھی...... زینے کے اندر کی جانب اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

اچانک زینے کی تاریکی میں سے کوئی گول شے لڑھکتی ہوئی نکلی اور جمشید کی چارپائی کے پاس آ کر رُک گئی...... اس نے خوف زدہ آنکھوں سے جھک کر اسے دیکھا تو اس کے حلق سے ہلکی چیخ نکل گئی...... یہ کسی انسان کا کٹا ہوا سر تھا...... اس کی چیخ کی آواز پر کٹا ہوا انسانی سر فرش سے اُچھل کر اس کی گود میں آن پڑا...... دہشت کے مارے جمشید کی چیخ بھی نہ نکل سکی...... اس کا سارا بدن خوف سے سرد پڑ گیا...... اس میں اتنی سکت بھی نہ رہی کہ اُٹھ کر بھاگ سکے...... کٹا ہوا انسانی سر اس کی گود میں پڑا تھا اور اپنی کھلی ہوئی مردہ آنکھوں سے جمشید کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا...... جمشید تھر تھر کانپ رہا تھا...... اس نے آنکھیں بند کرنا چاہیں مگر اس کی آنکھیں جیسے پتھر ہو گئی تھیں...... وہ آنکھیں بند نہ کر سکا، اس کے دیکھتے دیکھتے کٹے ہوئے انسانی سر کے نیلے ہونٹوں سے خون نکل نکل کر بہنے لگا۔

جمشید کے حلق سے بے اختیار چیخ نکل گئی...... وہ اُچھل کر چارپائی سے دُور فرش پر جا کر گرا...... اس نے ڈرتے ڈرتے چارپائی کی طرف دیکھا، مگر وہاں کسی بھی جگہ کوئی کٹا ہوا انسانی سر نہیں تھا...... باہر بجلی اتنی زور سے کڑکی کہ جمشید ڈر کر دیوار کے ساتھ

لگ گیا...... اس کے ساتھ ہی قبر ایسی خاموشی چھا گئی...... اس خاموشی میں صرف باہر سے بارش کی آواز آ رہی تھی...... وہ آنکھیں پھاڑے شہہ نشین میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا، لیکن کٹا ہوا انسانی سر جیسے غائب ہو گیا تھا...... ایک لمحے کے لئے اسے خیال آیا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ اس کے وہم کا کرشمہ ہے...... وہ آہستہ سے اُٹھا اور چارپائی پر سمٹ کر بیٹھ گیا۔

اس وقت آرتی پرانی کوٹھی کے بارش میں بھیگتے ویران صحن میں پہنچ چکی تھی۔ بجلی دھماکہ خیز کڑک کے ساتھ چمکی تو اس کی چمک میں آرتی کا چہرہ صاف دکھائی دیا۔ اس کے چہرے کا رنگ جو پہلے گورا تھا اب گہرا سانولا ہو گیا تھا...... بجلی چمک کر بجھ گئی اور اندھیرا چھا گیا...... بارش تیز ہو گئی تھی مگر آرتی کی ساڑھی اور اس کے بال ویسے ہی خشک تھے، کیونکہ وہ غائب تھی اور سوائے جمشید کے اور کسی کو نظر نہیں آ سکتی تھی...... پرانی ویران کوٹھی کا دروازہ بند تھا...... وہ بند دروازے میں سے گزر گئی...... خالی سنسان کمرے میں آہستہ آہستہ چلتی وہ اُوپر جانے والے تنگ زینے کی طرف بڑھی۔

جمشید شہہ نشین میں سہما ہوا بیٹھا تھا...... اچانک اس نے ایک ناگوار سی بو محسوس کی، یہ بو ہمیشہ اسے اس وقت آیا کرتی تھی جب عفریتی ڈائن کا آسیبی سایہ اس کے قریب سے ہو کر گزر جاتا تھا...... وہ آنکھیں کھول کر شہہ نشین کے اندھیرے میں چاروں طرف دیکھنے لگا، مگر اسے آسیبی سایہ کہیں دکھائی نہ دیا...... اس کی نگاہ زینے کے دروازے کی طرف اُٹھی تو اسے آرتی نظر آئی...... وہ آرتی کو اندھیرے میں بھی دیکھ لیتا تھا...... آرتی کو دیکھ کر جمشید کا خوف کافی حد تک دُور ہو گیا...... اس نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے تم آ گئیں۔"

آرتی زینے کے دروازے میں ہی کھڑی جمشید کی طرف گھور کر دیکھتی رہی، پھر آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی اس کی طرف بڑھی...... جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہی تھی آسیبی سائے کی ناگوار بو تیز ہو رہی تھی...... جمشید بڑا حیران ہوا، اس نے آرتی سے کہا۔

"آرتی! مجھے لگتا ہے عفریتی ڈائن کا آسیبی سایہ یہاں کہیں موجود ہے، مجھے اس کی بو آ رہی ہے۔"

آرتی جمشید کی چارپائی کے پاس آکر کھڑی ہو گئی...... وہ اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی...... جمشید نے دیکھا کہ آرتی کا گورا رنگ گہرا سانولا ہو گیا ہوا ہے، اس نے تعجب کے ساتھ پوچھا۔

"آرتی! تمہارا رنگ سانولا کیوں ہو گیا ہے؟"

آرتی ابھی تک کچھ نہیں بولی تھی...... وہ خاموش کھڑی اس کی طرف دیکھتی جا رہی تھی۔

پھر اس نے جمشید سے کہا۔

"اُٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔"

آرتی کی آواز بھی جمشید کو کچھ بدلی ہوئی محسوس ہوئی، لیکن اسے آرتی پر مکمل اعتماد تھا...... وہ چارپائی سے اُتر کر کھڑا ہو گیا...... آرتی منہ ہی منہ میں کوئی منتر پڑھ رہی تھی...... اس نے آہستہ سے جمشید کے چہرے پر پھونک ماری اور بولی۔

"میں تمہیں لینے آئی ہوں۔"

جمشید نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"میں بھی یہاں سے جانا چاہتا ہوں آرتی...... تمہیں معلوم ہے ابھی تھوڑی دیر پہلے یہاں ایک کٹا ہوا انسانی سر لڑھکتا ہوا آکر میری جھولی میں گرا تھا۔"

آرتی نے کہا۔

"وہ بھی تمہیں لینے کے لئے آیا تھا۔"

جمشید نے حیرانی کے ساتھ کہا۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

آرتی نے دونوں بازو کھول دیئے، بولی۔

"میرے ساتھ آکر لگ جاؤ...... میں تمہیں تمہارے گھر پہنچا دوں گی۔"

جمشید کو اس سے کچھ خوف سا آنے لگا تھا...... اس کے دل میں کچھ شک بھی پیدا ہو گیا تھا، مگر اب وقت گزر گیا تھا...... آرتی نے ایک قدم آگے بڑھ کر جمشید کو اپنے ساتھ لگا لیا...... آرتی کے جسم کے ساتھ لگتے ہی جمشید کا سارا بدن سن ہو گیا...... اس نے کچھ کہنا چاہا، کچھ بولنا چاہا مگر اس کی آواز بند ہو چکی تھی...... آرتی نے جمشید کو اپنے دونوں بازوؤں کی گرفت میں جکڑ کر زور سے بھینچا...... اس کے ساتھ ہی جمشید غائب ہو گیا اور آرتی کا جسم ایک سائے کی شکل میں ظاہر ہو گیا...... یہ عفریتی ڈائن کا سایہ تھا جو آرتی کا رُوپ بدل کر جمشید کو اُٹھا کر لے جانے کے لئے آیا تھا...... عفریتی ڈائن جانتی تھی کہ جمشید صرف آرتی پر بھروسہ کرتا ہے اور اگر اس نے آسیبی سائے کو آرتی کے رُوپ میں بھیجا تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔

اور ایسا ہی ہوا...... عفریتی ڈائن کا منصوبہ کامیاب ہو گیا تھا...... اس نے کلش دیوتا کا خاص منتر آسیبی سائے کو بتا دیا تھا...... اس منتر کی وجہ سے آسیبی سایہ جمشید کو اپنے قبضے میں کرنے میں کامیاب ہو گیا...... جمشید غائب ہونے کے بعد دھوئیں کی ایک لہر بن کر وہیں سانپ کی طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا...... آسیبی سائے نے جمشید کے سائے کو اپنے سائے میں جذب کر لیا اور پرانی ویران کوٹھی کی شہ نشین سے غائب ہو گیا۔

غائب ہونے کے بعد آسیبی سایہ فضا میں اُڑتا ہوا پاکستان کے ملک سے نکل کر بھارت کے ملک میں داخل ہو گیا...... عفریتی ڈائن نے آسیبی سائے کو بتا دیا تھا کہ اسے جمشید کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے...... چنانچہ عفریتی کے حکم پر آسیبی سایہ جمشید کو لے کر بھارت کے اس جنگل میں آگیا جہاں ویران مندر کے کھنڈر میں کلش دیوتا کا سیاہ پڑ چکا شکستہ بت منہ پھاڑے کھڑا تھا...... آسیبی سائے کو اب آرتی کا رُوپ بدلنے کی ضرورت نہیں تھی...... وہ کلش دیوتا کے خوفناک بت کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور دوسرے لمحے اپنے اصلی ڈراؤنے رُوپ میں آگیا...... آسیبی سائے کا اصلی رُوپ بڑا

بھیانک تھا...... اس کا رنگ جلے ہوئے کوئلے ایسے سیاہ تھا...... ماتھے پر صرف ایک ہی آنکھ تھی...... دانت ہونٹوں سے باہر نکلے ہوئے تھے اور ہونٹوں کے ایک کنارے سے خون بہہ رہا تھا۔

آسیبی سائے نے ہاتھ باندھ کر کلش بت کو ارداس کرتے ہوئے کہا۔

"کلش دیوتا کی جے ہو...... میں دیوتا کی صدیوں کی خون کی پیاس بجھانے کے واسطے اس کی بھینٹ لے آیا ہوں۔"

آسیبی سائے نے اپنے جسم کے اندر ہاتھ ڈال کر باہر نکالا تو اس کے ہاتھ میں دھوئیں کی ایک لہر تھی جو سانپ کی طرح بل کھا رہی تھی...... یہ جمشید تھا جو آسیبی سائے کے منتروں کے اثر سے غائب ہو کر دھوئیں کی شکل اختیار کر گیا تھا...... آسیبی سائے نے اپنے ہاتھ کو اُوپر اُٹھا کر زور سے زمین کی طرف جھٹکا...... دھوئیں کی بل کھاتی لہر اس کے ہاتھ سے نکل کر زمین پر گری اور گرتے ہی جمشید کی شکل ظاہر ہو گئی، جمشید بے ہوشی کی حالت میں کلش دیوتا کے بت کے قدموں پہ پڑا تھا...... اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں پر ہے اور اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

جونہی جمشید انسانی جسم میں ظاہر ہوا آسیبی سائے نے جو اس وقت اپنے بھیانک رُوپ میں تھا اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھایا تو اس کے ہاتھ میں تیز دھار والا خنجر نمودار ہو گیا...... آسیبی سائے نے آگے بڑھ کر خنجر کو کلش دیوتا کے بت کے قدموں میں رکھ دیا اور دونوں بازو کھول کر بت کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جے ہو...... جے ہو کلش دیوتا کی...... مجھے آشیرواد دو کہ میں اس ملیچھ کے خون سے تیری پیاس بجھاؤں۔"

آسیبی سائے نے تین بار یہ جملے دہرائے اور پھر خنجر اُٹھالیا اور جمشید کی طرف بڑھا...... جمشید بے ہوشی کی حالت میں منحوس بت کے آگے پڑا تھا...... جمشید کو روشن ضمیر بزرگ نے جو دعا دی تھی اس کا اثر ضائع نہیں ہوا تھا...... بزرگ کی نورانی دعا کا اثر

کبھی ضائع نہیں ہو سکتا تھا، لیکن آسیبی سائے کے منتروں کی وجہ سے عارضی طور پر دب ضرور گیا تھا جس کے باعث جمشید پر وقتی طور پر آسیبی سائے کے منتروں کا اثر ہو گیا تھا، لیکن اب بزرگ کی دعا کے اثرات پوری طرح سے جمشید کے جسم میں بیدار ہو گئے تھے اور جمشید کو ہوش آ گیا تھا۔

اسے ہوش ضرور آ گیا تھا لیکن وہ اپنے جسم کو حرکت نہیں دے سکتا تھا...... اس کو سب کچھ یاد آ گیا تھا کہ کس طرح آرتی نے اسے اپنے ساتھ لگا کر اپنے قبضے میں کر لیا تھا، اس نے آنکھیں کھول دیں اور اپنے پاس ایک بھیانک شکل والی بد رُوح کو دیکھا تو اس کی خاص بو سے سمجھ گیا کہ یہ عفریتی ڈائن کا آسیبی سایہ ہے جو اس وقت اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہے اور اسی نے آرتی کا رُوپ بدل کر اسے دھوکہ سے اپنے قبضے میں کر لیا ہے، اس کے ہاتھ میں خنجر دیکھ کر جمشید کا ذہن جیسے سن ہو گیا...... وہ سمجھ گیا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے...... اس نے دل ہی دل میں کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔

عفریتی ڈائن کے آسیب نے جمشید کو ہوش میں آتا دیکھا تو اپنی ڈراؤنی آواز میں بولا۔

"ملیچھ انسان! آخر تم میرے قبضے میں آ گئے، میں عفریتی کے حکم پر تمہیں کلش دیوتا کے آگے قربان کر رہا ہوں...... تیرا خون دیوتا کی صدیوں کی پیاس بجھائے گا۔"

اور آسیبی سائے نے جھک کر خنجر کی نوک جمشید کی گردن کے ساتھ لگا دی اور اُونچی آواز میں منتر بولنے لگا...... دس بارہ مرتبہ منتروں کا جاپ کرنے کے بعد وہ جمشید کے پاس بیٹھ گیا...... خنجر کو جمشید کی شہ رگ پر رکھ کر ایک چیخ بلند کی اور زور زور سے خنجر اس کی گردن پر چلانے لگا...... جمشید نے دہشت کے مارے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں...... اس نے اپنی موت کو قبول کر لیا تھا، لیکن اب ایک عجیب کرشمہ ہوا...... آسیبی سایہ جمشید کی گردن پر خنجر پھیر رہا تھا مگر خنجر اس کے گلے پر ایسے پھر رہا تھا جیسے جمشید کی گردن پتھر بن گئی ہو۔

آسیبی سائے نے جھنجھلا کر خنجر والا ہاتھ اُوپر اُٹھایا اور پوری طاقت سے جمشید کے پیٹ میں گھونپنے کی کوشش کی مگر خنجر جیسے کسی چٹان سے ٹکرا کر اس کے ہاتھ سے دُور جا گرا...... آسیبی سائے نے غضبناک ہو کر خنجر کو اپنی گرفت میں لیا اور جمشید کے جسم پر جگہ جگہ مارنے لگا، مگر جمشید کا سارا جسم جیسے چٹان کی طرح پتھر کا ہو گیا تھا...... خنجر کی کسی ضرب نے جمشید کے جسم کو معمولی سا زخمی بھی نہیں کیا تھا...... آسیبی سائے نے کھڑے ہو کر غضبناک آنکھ سے جمشید کی طرف دیکھا...... جمشید بھی آنکھیں کھولے اسے دیکھ رہا تھا...... اب وہ بھی سمجھ گیا تھا کہ کلمہ پاک کے ورد اور بزرگ کی دُعا نے اسے بچا لیا ہے...... آسیبی سائے نے چیخ مار کر خنجر کا بھرپور وار جمشید کی کھلی آنکھ پر کیا، لیکن جمشید کی آنکھوں کے اُوپر جیسے پتھر کی سل کا غلاف سا کسی نے چڑھا دیا تھا، خنجر کی نوک جمشید کی آنکھوں میں گھسنے کی بجائے جیسے پتھر کی سل سے ٹکرا رہی تھی۔

آسیبی سائے نے اپنا ڈراؤنا چہرہ اُٹھا کر کلش دیوتا کے بت کی طرف دیکھا اور دونوں بازو پھیلا کر چلایا۔

”کلش دیوتا کی جے ہو...... یہ ملیچھ کالا جادوگر کیا کرتا تھا...... کالے جادو کے منتر سے اس نے اپنا جسم پتھر کر لیا ہے...... پرنتو یہ تیری بھینٹ ہے...... تیرے چرنوں میں اس کا بلیدان ضرور ہو گا...... میں اس پر گنگا کے پوتر جل کا یگ کروں گا، جس سے اس کا کالا جادو اتر جائے گا اور میں اسے تیرے چرنوں میں قربان کر دوں گا۔“

آسیبی سائے نے کوئی منتر پڑھ کر زمین پر پڑے جمشید پر پھونکا اور جمشید کا جسم ایک بار پھر دھوئیں کی لہر بن کر وہیں سانپ کی طرح بل کھانے لگا...... آسیبی سائے نے اسے اُٹھا لیا اور اپنا نوکیلے دانتوں والا منہ کھول کر اسے منہ میں ڈال کر نگل گیا...... اس کے فوراً بعد آسیبی سایہ بھی دھوئیں کی لہر بن کر غائب ہو گیا۔

آسیبی سایہ جمشید کو اپنے جسم کے اندر جذب کرنے کے بعد اسے وہاں سے لے کر پورب کی سمت روانہ ہو گیا جہاں دو پہاڑیوں کے درمیان گنگا کا دریا بہتا تھا...... وہاں

ایک گھاٹ تھا...... گھاٹ کی ایک جانب پہاڑی ٹیلے کے دامن میں درختوں میں گھرا ہوا ایک چھوٹا سا مندر تھا جس کو گنگا میا کا مندر کہتے تھے...... یہ گمنام سا چھوٹا مندر تھا جہاں کبھی کبھی وہاں سے گزرتا کوئی مسافر تھوڑی دیر رُک کر پوجا پاٹھ کر لیا کرتا تھا...... مندر میں گنگا میا کی ایک پتھر کی مورتی رکھی ہوئی تھی...... اِردگرد کوئی آبادی نہیں تھی، ہر طرف ویرانی برس رہی تھی۔

آسیبی سایہ جمشید کو لے کر اس مندر میں آ گیا۔

مندر کے نیچے ایک زیر زمین کوٹھڑی بنی ہوئی تھی، جہاں کبھی مندر کا کوئی پجاری رہا کرتا ہو گا...... اب یہ کوٹھڑی بھی مندر کے ساتھ ہی ویران ہو چکی تھی...... دریا کنارے چھوٹا سا گھاٹ تھا جہاں کبھی کبھار ہی کوئی کشتی آ کر لگتی تھی...... ایک آدھ مسافر اترتا تھا اور جنگل میں کسی طرف کو چل دیتا تھا...... آسیبی سایہ اس ویران مندر کی زیر زمین کوٹھڑی میں آ گیا...... یہاں آتے ہی وہ اپنے بھیانک آسیبی رُوپ میں ظاہر ہو گیا، اس نے اپنا پورا منہ کھول کر اپنا ہاتھ اپنے منہ کے اندر ڈالا اور جمشید کو باہر نکال لیا جو سیاہ دھوئیں کی بل کھاتی لہر کی شکل میں تھا...... آسیبی سائے نے کوٹھڑی کے کونے میں پڑے ہوئے ایک مٹی کے مٹکے کو اُٹھا کر اپنے سامنے رکھا...... مٹکے کے اُوپر جو ڈھکنا پڑا تھا اسے اُٹھایا اور جمشید کو جو دھوئیں کی لہر کی شکل میں تھا مٹکے کے اندر ڈال کر مٹکے کو ڈھکنے سے بند کر دیا۔

اس کے بعد آسیبی سائے نے ایک منتر پڑھ کر مٹکے پر پھونکا اور بولا۔

”کلش دیوتا کے منتر کی شکتی زبردست ہے...... گنگا میا! یہ کلش دیوتا کی بھینٹ ہے...... جب تک میں واپس نہ آؤں یہ مٹکے سے باہر نہ آنے پائے۔“

یہ کہہ کر آسیبی سایہ غائب ہو گیا۔

مٹکے کے اندر بند جمشید اگرچہ دھوئیں کی لہر کی شکل میں تھا، لیکن اس کا ذہنی شعور اس دھوئیں کی لہر کے اندر بیدار تھا...... اس نے آسیبی سائے کی آواز سن لی

تھی......اسے یہ احساس بھی تھا کہ اس کو ایک مٹکے میں بند کر دیا گیا ہے اور آسیبی سایہ گنگا میا کا کوئی خاص چلہ کرنے گیا ہے جس کے بعد وہ اسے دوبارہ انسانی رُوپ میں لا کر کلش دیوتا کے منحوس بت کے آگے قربان کرنے کی کوشش کرے گا...... جمشید کے ذہن میں یہ خوف ضرور تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے چلے کے اثر سے اس پر بزرگ کی دعا کا اثر زائل ہو جائے اور آسیبی سایہ اسے ہلاک کر ڈالے...... وہ نیا نیا مسلمان ہوا تھا......اس کے ایمان میں اتنی پختگی نہیں آئی تھی اور آتش پرست ذہنیت کے غالب آ جانے سے کسی لمحے اس کا ایمان متزلزل ہو جاتا تھا۔

آسیبی سایہ ویران مندر سے نکل کر آتش پرستوں کے قدیم قبرستان میں زمین کے اندر عفریتی ڈائن کے غار میں آ گیا جہاں عفریتی ڈائن اپنی لمبی گردن میں پھانسی کا پھندا لٹکائے پتھر کے چبوترے پر بیٹھی ہوئی تھی...... آسیبی سائے نے عفریتی ڈائن کے آگے تین بار اپنا سر جھکایا اور بولا۔

”ماتا! تیرے حکم پر میں نے تیرے دُشمن کو کلش دیوتا پر قربان کرنے کی کوشش کی تھی، مگر اس ملیچھ نے کالے جادُو کے اثر سے اپنا جسم پتھر کر لیا...... میں اسے گنگا میا کے مندر کی کوٹھڑی میں بند کر آیا ہوں اور گنگا میا کے جل منتر کا چلہ کرنے سے پہلے تیری آگیا (اجازت) لینے آیا ہوں۔“

عفریتی ڈائن کے حلق سے دبی دبی ڈراؤنی آوازیں نکلنے لگیں...... اس نے کہا۔

”اس ملیچھ پر ایک مسلمان بزرگ کی دُعا کا اثر ہے...... گنگا میا کے جل منتر کے چلے سے بھی یہ اثر ختم نہیں ہوگا۔“

آسیبی سائے نے کہا۔

”ماتا! تو دُنیا کے سارے کالے جادُوگروں کی ماتا ہے...... مجھے حکم دے کہ میں تیرے دُشمن کو کس طرح ہلاک کروں...... اس وقت وہ میرے قبضے میں ہے۔“

عفریتی ڈائن نے اپنی لمبی گردن میں پڑے ہوئے پھندے پر ہاتھ پھیرتے

ہوئے کہا۔

”اس کے لئے تمہیں ناگ ماتا کے غار میں جا کر دو راتوں کا چلہ کرنا ہوگا...... دوسری رات کی صبح کو تمہیں ناگ ماتا کالی ناگن کی راکھ دے گی...... وہ راکھ لا کر تم میرے دُشمن اور کلش دیوتا کی بھینٹ عامل جمشید کے جسم پر چھڑک دینا......اس کے بعد وہ عام انسان کے جسم میں واپس آ جائے گا اور اس پر سے بزرگ کی دُعا کا اثر ختم ہو جائے گا، اسی وقت یہاں سے ناگن ماتا کے غار کی طرف روانہ ہو جا۔“

آسیبی سائے نے جھک کر عفریتی ڈائن کے چرن چھوئے اور غائب ہو گیا...... کچھ ہی دیر بعد وہ وہاں سے ایک ہزار میل جنوب میں دریائے کاویری کے جنگل والی ناگن ماتا کے غار میں نمودار ہو گیا...... ناگن ماتا کے غار میں سینکڑوں ہزاروں چھوٹے بڑے سرخ زرد اور سیاہ سانپ رینگ رہے تھے...... ایک دیوار پر ناگن ماتا کی مورتی لگی تھی جس کا جسم عورت کا اور سر سانپ کا تھا جس کا پھن اُوپر کو اُٹھا ہوا تھا...... آسیبی سائے کو دیکھ کر ناگن ماتا تین مرتبہ پھنکاری...... آسیبی سائے نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

”ہے ناگن ماتا! میں تیرا سیوک عفریتی ڈائن کے کہنے پر تیرا چلہ کرنے آیا ہوں، مجھے اجازت دے۔“

ناگن ماتا کا سر آگے پیچھے دو بار ہوا اور اس نے ہلکی سی پھنکار ماری...... یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ ناگن ماتا نے آسیبی سائے کو اپنا چلہ کرنے کی اجازت دے دی تھی...... آسیبی سایہ وہیں بیٹھ گیا اور ناگن ماتا کے منتروں کا جاپ کرنے لگا...... اس دوران بے شمار سانپ آسیبی سائے کے جسم سے لپٹ گئے تھے اور اس کے جسم پر رینگ بھی رہے تھے اور اسے ڈس بھی رہے تھے، لیکن جیسے ہی اس نے ناگن ماتا کے منتر پڑھنے شروع کئے سارے کے سارے سانپ اس کے جسم سے اُتر گئے۔

دوسری طرف جمشید دھوئیں کی شکل میں گنگا میا کے ویران مندر کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں مٹی کے مٹکے میں بند پڑا تھا...... اس نے ایک دوبار دھوئیں کی لہر کی

شکل میں مٹکے سے باہر نکلنے کے لئے زور مارا مگر بہت جلد اسے محسوس ہو گیا کہ اس کے لئے مٹکے سے باہر نکلنا ناممکن ہے...... وہ خدا کو یاد کر کے صبر شکر کر کے بیٹھ گیا......
جب اس ویران مندر کے باہر رات ہو گئی اور پہاڑی ٹیلے تاریکی میں ڈوب گئے تو ہر طرف سناٹا چھا گیا...... صبح ہی سے آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے...... جب رات آدھی گزر گئی تو بادلوں میں بجلیاں چمکنے لگیں اور بادل گرجنا شروع ہو گئے...... اس وقت ایک کشتی دریا کے گھاٹ پر آ کر لگی اور اس میں سے ایک جوگن عورت اُتری اور ٹیلے کے دامن میں واقع گنگا میا کے ویران مندر کی طرف چلنے لگی۔

جوگن عورت کی عمر پچیس تیس برس کے درمیان تھی...... اس کے لمبے بال شانوں پر کھلے تھے...... اس نے گہرے زرد رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی...... کانوں میں پیتل کی مندریاں تھیں اور گلے میں کالے منکوں کی مالائیں تھیں...... ہاتھ میں پیتل کا ڈول لئے وہ ہری اوم کا جاپ کرتی ویران مندر کی طرف چلی جا رہی تھی، جس وقت وہ مندر کے کھنڈر بنے ہوئے دروازے کے پاس آئی تو بارش شروع ہو گئی......
جوگن مندر کی ڈیوڑھی میں داخل ہو کر دیوار میں بنی ہوئی مورتی کے سامنے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی...... یہ جوگن شیو بھگوان کی پجارن تھی جو تباہی اور بربادی کا دیوتا ہے......
شیو بھگوان کا ایک خفیہ منتر ہے جس کا نام گپت منتر ہے...... اگر شیو بھگوان کا کوئی پجاری اکیس راتیں اپنے اِرد گرد آگ جلا کر اس گپت منتر کا جاپ کرے تو ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق وہ امر ہو جاتا ہے، نہ اسے موت آتی ہے اور نہ اس کا دوسرا جنم ہوتا ہے...... اس جوگن نے اکیس راتیں منگلا ٹیم کے ایک جنگل میں آگ کے درمیان بیٹھ کر اکیس راتیں گپت منتر کا جاپ کیا تھا اور اب اپنے چلّے کا آخری چرن پورا کرنے کے لئے گنگا ماتا کے ویران مندر میں آئی تھی۔

جوگن نے اپنا ڈول سامنے رکھ لیا...... اس میں گنگا جل تھا...... اس نے آنکھیں بند کر لیں اور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنا شروع کر دیا...... کچھ ہی دیر بعد اس نے ایک

خاص قسم کی بو محسوس کی...... اس نے اس بو کو پہچان لیا...... یہ پاتال کی خوفناک بدرُوحوں کی بو تھی، اس نے آنکھیں کھول دیں اور مندر کی چھوٹی سی کوٹھڑی کے چاروں طرف دیکھا...... اسے وہاں کوئی شے دکھائی نہ دی...... جوگن نے آنکھیں بند کر لیں اور الوپ منتر کا جاپ کیا...... یہ وہ منتر تھا جو ہندوؤں کے اعتقاد کے مطابق تیسوں جوگیوں کو غیبی بدرُوحیں دکھا دیتا تھا۔

الوپ منتر کے جاپ کے بعد جوگن نے آنکھیں کھولیں تو اسے ایک سایہ نظر آیا جو دیوار کے ساتھ حرکت کرتا ہوا غائب ہو گیا...... جوگن اُٹھ کر دیوار کے پاس آ گئی...... وہاں ایک تاریک زینہ نیچے مندر کی خفیہ کوٹھڑی میں اترتا تھا...... بدرُوحوں کی مخصوص بو اسی زینے میں سے آ رہی تھی...... جوگن زینہ اُتر کر نیچے زیر زمین کوٹھڑی میں آ گئی...... یہاں کونے میں مٹی کا وہ مٹکا پڑا تھا جس میں جمشید کو دھوئیں کی شکل میں آسیبی سائے نے بند کر رکھا تھا۔

جوگن نے آگے بڑھ کر مٹکے کا ڈھکنا اُٹھا دیا...... جیسے ہی اس نے ڈھکنا اُٹھایا اندر سے دھوئیں کی ایک لہر نکل کر مٹکے کے اُوپر ہی چکر لگانے لگی۔

الوپ منتر کے جاپ کی وجہ سے جوگن نے دھوئیں کی لہر میں ایک انسان کو صاف دیکھ لیا...... یہ انسان جمشید تھا...... جمشید نے بھی جوگن کو دیکھ لیا تھا...... وہ خوش ہوا کہ آسیبی سائے کی قید سے آزاد ہو گیا ہے اور اب وہ وہاں سے کسی بھی طرف نکل جائے گا، لیکن بہت جلد اس پر یہ حقیقت کھلی کہ وہ کسی جادو کے شکنجے میں جکڑ دیا گیا ہے اور مٹکے کے اُوپر چکر لگاتے ہوئے اس دائرے سے باہر نہیں نکل سکتا۔

اس دوران جوگن ایک خاص انداز سے اسے دیکھ رہی تھی...... اس کے ذہن میں ایک نیا خیال ایک نئی ترشنا یعنی خواہش پیدا ہو گئی تھی...... جمشید کے دھوئیں کو دیکھتے ہی وہ جان گئی تھی کہ اس انسان کو اپنے قبضے میں کر لے تو خونی آسیب خود بخود اس کے قبضے میں آ جائے گا اور وہ امر ہونے کے علاوہ تین لوک یعنی زمین کے اندر، زمین سے

باہر اور آکاش کے دیوتاؤں کی سب سے بڑی طاقت والی جوگن بن جائے گی...... اُس لمحے جوگن نے اپنے دماغ میں ایک خطرناک منصوبہ بنالیا اور مٹکے کے اُوپر چکر لگاتے دھوئیں کی لہر کی طرف گھور کر دیکھا اور بولی۔

"اے منش (انسان) میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے...... میں جانتی ہوں تمہیں کسی نے اپنے طلسمی منتروں میں جکڑ رکھا ہے، مگر گھبراؤ نہیں...... میں تمہیں اس طلسمی منتروں کے چکر سے آزاد کر رہی ہوں۔"

جمشید جوگن کو دیکھ رہا تھا...... اس نے جو کچھ کہا تھا جمشید نے اسے سن لیا تھا اور وہ خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ آخر اسے خونی آسیب اور عفریتی ڈائن کے آسیبی سائے سے نجات ملنے والی ہے، مگر وہ بول نہیں سکتا تھا...... مٹکے کے اُوپر دھواں بن کر گردش کرتے ہوئے جوگن کو مدد طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا...... جوگن بڑی شکتی کی مالک تھی...... دس برس تک وہ اجودھیا کے جنگلوں میں شو بھگوان کی تپسیا کرتی رہی تھی۔

جوگن نے زمین پر سے مٹی کی چٹکی بھری...... اس پر خفیہ الوپ منتر پھونکا اور مٹی گردش کرتے دھوئیں پر پھینک دی...... اس لمحے جمشید اپنی انسانی شکل میں ظاہر ہو کر سامنے آگیا...... اس نے جوگن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"نیک دل جوگن! مجھے واپس انسانی شکل میں لا کر تم نے مجھ پر جو احسان کیا ہے اسے میں ساری زندگی یاد رکھوں گا۔"

جوگن نے آنکھیں سکیڑ کر جمشید کا بھرپور جائزہ لیا اور بولی۔

"میں نے اپنا انسانی کرتوے (فرض) ادا کیا ہے۔"

جمشید جوگن کے سامنے زمین پر بیٹھا تھا اور جوگن کو احسان مند نگاہوں سے دیکھ رہا تھا...... جوگن نے اسی وقت مٹی کے مٹکے کو توڑ ڈالا اور جمشید سے کہا۔

"تم ایک بڑے خطرناک آسیب کے قبضے میں تھے...... میں نے مٹکا توڑ دیا ہے...... اب وہ خطرناک آسیب تمہیں دوبارہ کبھی اپنے قبضے میں نہیں کر سکے گا۔"

جمشید بولا۔

"جوگن دیوی! یہ جگہ کون سی ہے...... میں اپنے گھر واپس جانا چاہتا ہوں۔"

جوگن نے بڑے غور سے جمشید کی طرف دیکھا...... وہ بھلا کیسے اس کو چھوڑ سکتی تھی...... ایسا انسان جس پر خونی آسیب کا سایہ ہو قسمت والی جوگن اور جوگی کو ملتا ہے...... خونی آسیب کے لکش (اثرات) کو جوگن صاف طور پر جمشید کے جسم کے اندر دیکھ رہی تھی...... یہی وجہ تھی کہ اسے جمشید کے جسم میں سے بدرُوحوں اور خاص طور پر خونی آسیب کے سائے کی بو آ رہی تھی...... جمشید نہیں جانتا تھا کہ وہ ایک مصیبت سے نکل کر دوسری اس سے بھی زیادہ خوفناک مصیبت میں پھنس گیا ہے...... جوگن نے کہا۔

"تم اپنے گھر کیسے جاؤ گے...... جس خونی آسیب نے تمہیں مٹکے میں بند کر رکھا تھا، وہ اس مندر کے باہر تمہیں پھر سے پکڑنے کے لئے تمہارا انتظار کر رہا ہے...... صرف میری شکتی کی وجہ سے وہ مندر میں داخل ہونے کی جرات نہیں کر رہا۔"

جمشید پریشان ہو گیا...... کہنے لگا۔

"جوگن دیوی! پھر میں کیا کروں؟ میں کیسے اس آسیب کی قید سے چھٹکارا پا سکتا ہوں؟"

جوگن نے کہا۔

"اس کا علاج میرے پاس ہے، مگر ابھی تمہیں میرے ساتھ رہنا ہوگا...... ایک لمحے کے لئے بھی مجھ سے الگ ہوئے تو خونی آسیب تمہیں وہیں دبوچ لے گا۔"

جمشید نے گھبرا کر کہا۔

"نہیں نہیں دیوی! میں تم سے الگ نہیں ہوں گا، مگر اپنے بھگوان کے لئے مجھے کسی طرح اس خونی آسیب سے نجات دلاؤ۔"

جوگن بولی۔

"چنتا نہ کرو...... میں تمہیں اس خونی آسیب سے ہمیشہ کے لئے بچالوں گی...... میرے ساتھ اُوپر آجاؤ۔"

جمشید تو جوگن کا بے دام غلام ہو چکا تھا...... اسے یقین ہو گیا ہوا تھا کہ جو عورت اسے مٹکے سے باہر نکال کر پھر سے انسانی شکل میں واپس لا سکتی ہے وہ اسے خونی آسیب سے نجات بھی دلا سکتی ہے...... وہ اتنی مصیبتیں بھگت چکا تھا کہ اب جوگن کی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اٹھانا چاہتا تھا...... وہ اس کے ساتھ اُوپر مندر کی کوٹھڑی میں آگیا...... یہاں اس نے دیکھا کہ بوسیدہ دیوار میں کسی دیوی کی مورتی لگی ہوئی تھی...... کوٹھڑی کا دروازہ غائب تھا اور باہر بارش ہو رہی تھی اور شام کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

جمشید نے جوگن سے پوچھا۔

"دیوی! کیا یہ بھارت کا ملک ہے؟"

جوگن نے کہا۔

"یہ بھارت کا ملک ہے اور یہاں سے منگلا ٹیم شہر بیس کوس دُور ہے۔"

جمشید نے کہا۔

"جوگن دیوی! جہاں تم نے مجھ پر اتنا احسان کیا ہے کہ مجھے پھر سے انسانی شکل دے دی ہے وہاں ایک مہربانی یہ کرو کہ مجھے کسی ایسے شہر تک پہنچادو جہاں سے بھارتی پنجاب کو ریل گاڑی جاتی ہو...... میں وہاں سے خود ہی پاکستان پہنچ جاؤں گا۔"

جوگن خاموش اور گہری نظروں سے جمشید کو دیکھ رہی تھی، اس نے بڑے پر سکون لہجے میں کہا۔

"سب کچھ ہو جائے گا...... چنتا کرنے کی ضرورت نہیں ہے...... ابھی رات کا وقت ہے، باہر مینہ برس رہا ہے...... دن نکلتے ہی ہم یہاں سے نکل پڑیں گے۔"

اس وقت جمشید کو پیاس محسوس ہوئی...... اس نے جوگن سے کہا۔

"مجھے بڑی سخت پیاس لگ رہی ہے۔"

جوگن نے ڈول اس کے آگے کر دیا اور بولی۔

"اس میں گنگا جل ہے...... یہ پی لو۔"

جمشید سمجھ گیا کہ ڈول میں گنگا دریا کا پانی ہے، مگر وہ اسے پیتے ہوئے ہچکچا رہا تھا، جوگن نے کہا۔

"ڈرو نہیں...... یہ پوتر جل ہے...... پاک صاف ہے۔"

جمشید نے تھوڑا سا پانی پی لیا اور ڈول نیچے رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"جوگن دیوی! آسیب کا سایہ پاکستان میں تو میرا پیچھا نہیں کرے گا۔"

جوگن نے جواب میں اسے تسلی دی اور کہا۔

"میں تم پر بدرُوحوں کو دُور کرنے کا ایک منتر پھونک دوں گی...... اس کے اثر سے تمہیں کبھی کوئی بدرُوح یا کسی آسیب کا سایہ تنگ نہیں کرے گا، لیکن اس کے لئے مجھے تمہیں اپنے سامنے بٹھا کر شوجی کے استھان پر پوری رات جاپ کرنا پڑے گا۔"

جمشید بولا۔

"میں اس کے لئے تیار ہوں...... شوجی کا استھان کس جگہ پر ہے۔"

جوگن نے کہا۔

"یہ تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا...... تمہیں انسان کے رُوپ میں لائی ہوں تو اب بدرُوحوں اور آسیبی سایوں سے بھی مکتی (نجات) دلا دوں گی۔"

جمشید دل میں خدا کا شکر ادا کرنے لگا کہ اس نے جوگن کی شکل میں اس کی مدد فرمائی ہے...... کچھ دیر کے بعد بارش رُک گئی...... جوگن اس آدمی یعنی جمشید کو جتنی جلدی ہو سکے شوکال کے استھان پر لے جا کر اس کو اپنے قبضے میں کرنا چاہتی تھی...... اسے ڈر تھا کہ اس کے ہاتھ لگی ہوئی سونے کی چڑیا کہیں اُڑ نہ جائے...... ابھی تک جمشید آزاد تھا...... جوگن اچھی طرح سے جانتی تھی کہ اس کے الوپ منتر کے اثر سے خونی

آسیب وہاں سے جاچکا ہے اور اب وہ جمشید کو دوبارہ اپنے قبضے میں نہیں کر سکتا...... اس نے محض اس خیال سے جمشید کو یہ کہہ دیا تھا کہ خونی آسیب اس کی تاک میں ہے اور اگر وہ اکیلا باہر نکلا تو خونی آسیب اسے دبوچ لے گا کہ وہ اس ڈر کے مارے جوگن کے ساتھ لگا رہے گا...... لیکن اس کے باوجود جوگن کو خطرہ تھا کہ یہ شخص کہیں فرار نہ ہو جائے، چنانچہ جب باہر بارش بند ہو گئی تو اس نے جمشید سے کہا۔

"مینہ برسنا بند ہو گیا ہے...... کیوں نہ ہم اسی وقت یہاں سے نکل کر شو جی کے استھان کی طرف روانہ ہو جائیں۔"

جمشید خود بھی یہی چاہتا تھا تاکہ جتنی جلدی ہو سکے وہ پاکستان جانے سے پہلے خونی آسیب اور عفریتی ڈائن کے آسیبی سائے سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا حاصل کر لے...... اس نے کہا۔

"بڑا اچھا خیال ہے دیوی جی...... میں تیار ہوں۔"



وہ جوگن کے ساتھ ویران مندر سے نکل آیا۔

باہر صرف ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی...... بڑی اندھیری بھیگی ہوئی رات تھی...... جوگن جمشید کو اپنے ساتھ لئے چل رہی تھی...... ان کی دونوں جانب جنگلی جھاڑیاں اور درخت تھے...... وہ چھوٹے چھوٹے پتھروں پر سے گزر رہے تھے...... جمشید کی آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو گئی تھیں...... اس علاقے میں سردی نہیں تھی...... درختوں میں سے نکل کر وہ سیاہ چٹانوں کے درمیان آگئے...... سیاہ چٹانیں زمین سے باہر آ کر کسی بھوت پریت کی طرح ساکت کھڑی تھیں...... جوگن نے چلتے چلتے جمشید سے کہا۔

"آگے دریا کا گھاٹ ہے...... وہاں سے ہمیں کوئی نہ کوئی کشتی مل جائے گی۔"

جمشید نے کوئی جواب نہ دیا تو جوگن نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر پوچھا۔

"تم ڈر تو نہیں رہے؟"

جمشید کو ایک ڈر سا ضرور لگا ہوا تھا، مگر وہ اسے جوگن کے آگے ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا...... اس نے کہا۔

"بالکل نہیں۔"

اندھیرے میں اسے جوگن کی آنکھیں کسی ناگن کی آنکھوں کی طرح چمکتی ہوئی

نظر آئیں...... اس کے بدن میں ایک سنسناہٹ سی دوڑ گئی...... وہ دریا کے گھاٹ پر آ گئے...... گھاٹ پر ایک جانب چھوٹی سی کشتی لگی ہوئی تھی...... جوگن نے آگے بڑھ کر کشتی کی رسی کھول دی اور جمشید سے کہا۔

"بیٹھ جاؤ۔"

جمشید کشتی میں بیٹھ گیا...... اس کے بعد جوگن بھی بیٹھ گئی...... کشتی میں صرف ایک ہی چپو تھا...... جوگن چپو چلانے لگی...... کشتی آہستہ آہستہ دریا کی سکون سے بہتی لہروں پر کنارے سے ہٹنے لگی...... کنارے سے کافی دُور جا کر کشتی دریا کے بہاؤ کے ساتھ آگے کی طرف بہنے لگی...... دریا کا پاٹ چھوٹا تھا...... دوسرے کنارے چھوٹی بڑی پہاڑیاں تھیں...... جوگن خاموشی سے چپو چلا رہی تھی اور کشتی کو دریا کے وسط میں رکھنے کی کوشش کر رہی تھی...... پہاڑی ٹیلوں میں ایک دو موڑ گھومنے کے بعد دریا کھلی جگہ پر نکل آیا...... جوگن کشتی کو آہستہ آہستہ بائیں کنارے کی طرف لا رہی تھی...... بائیں کنارے پر ایک جگہ اس نے کشتی کو کنارے پر لگا دیا...... اس نے جمشید سے کہا۔

"یہاں سے شوجی کا خفیہ استھان زیادہ دُور نہیں ہے۔"

جمشید بھی جوگن کے ساتھ کشتی سے اتر پڑا...... اس نے بھیگتی ہوئی رات کی تاریکی میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی...... اسے کہیں بھی دُور دُور تک کوئی روشنی جھلملاتی دکھائی نہ دی...... اس نے جوگن سے پوچھا۔

"یہ کون سی جگہ ہے دیوی؟"

جوگن نے کہا۔

"تم یہ سب کچھ کس لئے پوچھ رہے ہو؟ میں تمہارے ساتھ ہوں...... تمہارے لئے یہی کافی ہے۔"

ایک طرف اُونچے گھنے درختوں کی قطار کچھ فاصلے پر ایک پہاڑی ٹیلے کی جانب چلی گئی تھی، جوگن اسی طرف جا رہی تھی...... درختوں کے درمیان تنگ سا راستہ بنا ہوا

تھا...... وہ اس راستے پر چل رہے تھے...... جمشید خاموش تھا...... اس خیال سے کہ جوگن کو برا لگے گا وہ اس سے کچھ نہیں پوچھ رہا تھا...... آگے ٹیلے کی چڑھائی شروع ہو گئی...... ٹیلے کی چڑھائی زیادہ دشوار نہیں تھی...... ٹیلے کی ڈھلان کو بارش میں بھیگی ہوئی جھاڑیوں نے ڈھانپ رکھا تھا...... جوگن کہنے لگی۔

"یہ کالے چھتر والا ٹیلہ ہے...... اس ٹیلے کے اندر شوجی کا استھان ہے۔"

ٹیلے کی ڈھلان پر ایک جگہ پتھر کی ٹوٹی پھوٹی تنگ سیڑھیاں ٹیلے کے اندر اترتی تھیں...... جوگن نے کہا۔

"میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔"

جمشید جوگن کے پیچھے پیچھے سیڑھیاں اترنے لگا...... سیڑھیوں میں گھپ اندھیرا تھا...... وہ دیوار پر ہاتھ رکھ کر اتر رہا تھا، جہاں سیڑھیاں ختم ہوتی تھیں وہاں ہلکی روشنی تھی...... جمشید نے نیچے آکر دیکھا کہ وہ کالے کالے ستونوں والا ایک دالان ہے جس کے درمیان میں پانچ چھ کالے مٹکے ساتھ ساتھ رکھے ہوئے ہیں...... ان مٹکوں کے منہ پتھر کی سلوں سے بند ہیں...... اُبھرے ہوئے پتھروں کی سیاہ دیوار پر کسی ڈراؤنی مورتی نے اپنا سر باہر نکالا ہوا ہے اور اس کی سرخ زبان نیچے تک لٹک رہی ہے...... جمشید پر خوف سا طاری ہونے لگا، مگر اس نے اپنے خوف کو جوگن پر ظاہر نہ ہونے دیا...... جوگن نے جمشید کی طرف دیکھا اور بولی۔

"اس مٹکے کے پاس آکر بیٹھ جاؤ۔"

جمشید اس کے حکم کی تعمیل میں ایک مٹکے کے پاس آکر بیٹھ گیا...... جوگن نے کہا۔

"یہاں میں تمہاری خاطر شوجی کا وہ چلہ کروں گی جس کو کرنے کے بعد میرے منتر پھونکنے سے تم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بدرُوحوں اور خونی آسیب سے مکت (آزاد) ہو جاؤ گے۔"

جوگن لمبی زبان والی مورتی کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی...... مورتی کی زبان پر

اس نے تین بار ہاتھ پھیر کر اپنے چہرے پر پھیرا اور واپس آ کر جمشید کے سامنے بیٹھ گئی...... مٹکا ان دونوں کے درمیان تھا...... ان کی بائیں جانب دیوار کے طاق میں ایک دیا جل رہا تھا جس کی پراسرار دھیمی روشنی میں جوگن کا چہرہ بڑا عجیب سا لگنے لگا تھا۔

جوگن نے کہا۔

"اپنی آنکھیں بند کر لو اور جب تک میں نہ کہوں انہیں مت کھولنا۔"

جمشید نے آنکھیں بند کر لیں...... جوگن نے کوئی منتر پڑھنا شروع کر دیا...... منتر پڑھتے پڑھتے کبھی اس کی آواز اُونچی ہو جاتی اور کبھی دھیمی پڑ جاتی...... دالان میں حبس ہو رہا تھا...... اس کی وجہ یہ تھی کہ اس علاقے میں سردی نہیں پڑتی تھی اور دالان چاروں طرف سے بند تھا...... کچھ ہی دیر بعد جمشید کو گرمی محسوس ہونے لگی...... وہ یہی سمجھا کہ یہ وہاں جو حبس ہے اس کی وجہ سے ہے، لیکن جب اس نے اپنے جسم میں گرمی کی ایک لہر گردش کرتی محسوس کی تو وہ کچھ گھبرا گیا...... اس نے آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے...... کہیں جوگن نے اس کے اِرد گرد آگ تو روشن نہیں کر دی...... پھر اسے خیال آ گیا کہ جوگن نے اسے آنکھیں کھولنے سے منع کیا ہے......

وہ اسی طرح آنکھیں بند کئے بیٹھا رہا...... گرمی کی لہر نے اس کے سارے بدن کو گرم کر دیا تھا، مگر یہ گرمی قابل برداشت تھی۔

جوگن منتر پڑھتے پڑھتے جمشید کے چہرے پر پھونکیں مارنے لگی...... ان پھونکوں کی وجہ سے اس کے جسم کی حرارت ایک بار پھر بڑھنا شروع ہو گئی...... جب گرمی اس کی برداشت سے باہر ہو گئی تو اس نے گھبرا کر آنکھیں کھولنا چاہیں مگر اس کی آنکھیں نہ کھل سکیں...... جیسے بند حالت میں ہی آنکھیں پتھر ہو گئی ہوں...... اس نے بولنا چاہا مگر جب اس پر یہ بھیانک انکشاف ہوا کہ اس کی آواز بھی بند ہو گئی ہے تو وہ خوفزدہ ہو گیا...... اس نے ہاتھ کے اشارے سے سامنے بیٹھی جوگن کو بتانا چاہا کہ اس کی آنکھیں اور آواز بند ہو چکی ہے مگر وہ اپنے ہاتھ بھی نہ ہلا سکا۔

اس لمحے جوگن نے منتروں کا جاپ بند کر دیا اور جمشید کو مخاطب کر کے کہا۔

"اب نہ تمہاری آنکھیں کھلیں گی نہ تم بول سکو گے...... میں نے تمہیں ساکت کر دیا ہے...... تم میرے قبضے میں ہو۔"

اس وقت جمشید پر یہ ہولناک راز کھلا کہ یہ جوگن کوئی شیطانی بدرُوح تھی جس نے اپنے کسی شیطانی مقصد کو پورا کرنے کے لئے اسے اپنے منتروں کے طلسم میں جکڑ لیا ہے...... جمشید کا دل اندر ہی اندر مایوسی کے اندھیروں میں ڈوب گیا...... وہ سوائے خدا کے حضور دعا مانگنے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا...... اسے روشن ضمیر بزرگ کے الفاظ یاد آ گئے...... انہوں نے کہا تھا۔

"تم پر ایک اور مصیبت نازل ہونے والی ہے، مگر اس دُنیا میں تمہارے گناہوں کی سزا کا آخری مرحلہ ہو گا۔"

جمشید کچھ نہیں جانتا تھا کہ مصیبت کا یہ مرحلہ کتنا لمبا ہو گا اور کب اور کہاں ختم ہو گا...... اس نے اسے اپنے مقدر کا لکھا سمجھ کر قبول کر لیا اور پتھر کا بت بنا اپنی جگہ پر بیٹھا رہا...... وہ چاہتا بھی تو اپنے جسم کو حرکت نہیں دے سکتا تھا۔

جوگن نے ڈول میں سے گنگا جل کا چلو بھرا...... اس پر کوئی منتر پڑھ کر پھونکا اور پانی جمشید کے چہرے پر زور سے پھینک دیا...... جیسے ہی جمشید کے چہرے پر پانی کا چھینٹا پڑا وہ غائب ہو گیا...... جوگن نے جھک کر دیکھا، جہاں تھوڑی دیر پہلے جمشید بیٹھا ہوا تھا وہاں ایک چھوٹا کالا سانپ بالکل بے حس و حرکت پڑا تھا...... جوگن نے اپنے سر کے اُوپر کھلے بالوں کا جوڑا بنایا اور سانپ کو اُٹھا کر جوڑے کے اندر اچھی طرح سے جکڑ کر چھپا دیا...... وہ جانتی تھی کہ سانپ اس کے الوپ منتروں کے زبردست طلسم کے اثر میں ہے اور ذرا سی بھی حرکت کرنے کے قابل نہیں ہے...... جوگن نے لمبی زبان والی ڈراؤنی مورتی کو ماتھا ٹیکا اور گنگا جل کا ڈول ہاتھ میں لے کر شواستھان کے غار سے باہر نکل آئی۔

باہر ٹیلے کی ڈھلان پر بھیگی ہوئی رات کی تاریکی چھائی ہوئی تھی...... جوگن پہاڑی کی ڈھلان پر سے اُتر کر دریا کی طرف چل پڑی...... دریا پر گھاٹ کے قریب اس کی کشتی ایک طرف کنارے سے لگی ہوئی تھی...... وہ کشتی میں سوار ہو گئی اور کشتی دریا کے بہاؤ کی لہروں پر چل پڑی...... جمشید کالے سانپ کی شکل میں جوگن کے بالوں کے جوڑے میں جکڑا ہوا تھا، مگر اس کا جسم بے حس ہو چکا تھا...... صرف اس کا ذہن بیدار تھا اور وہ دیکھ بھی سکتا تھا...... اس کی آنکھوں کے آگے جوڑے کے بال تھے مگر ان کے درمیان سے وہ دیکھ سکتا تھا...... اسے چپو چلانے کی آواز سنائی دے رہی تھی...... اس نے اندازہ لگا لیا کہ جوگن اسے سانپ کے رُوپ میں تبدیل کرنے کے بعد کشتی میں سوار ہو کر کسی طرف لے جا رہی ہے۔

کچھ دُور جا کر دریا میں سے ایک چھوٹی ندی نکل کر دائیں جانب جنگل میں چلی گئی تھی...... جوگن نے کشتی دریا میں سے نکال کر ندی میں ڈال دی...... وہ بھیگی ہوئی رات کی تاریکی میں کشتی چلا رہی تھی...... جوگن نے جمشید کو اپنے قبضے میں کر لیا تھا اور اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے اندر وہ شکتی، وہ طاقت آ چکی ہے جس نے اسے امر بنا دیا ہے اور اس کے عقیدے کے مطابق وہ موت کی گرفت سے نکل گئی ہے، لیکن تین لوک کے اوتاروں کی سب سے بڑی پجارن اور دیوی بننے کے لئے ابھی اسے ایک اور چلہ کرنا تھا...... اسی مقصد کو لے کر وہ جمشید کو اپنے ساتھ لے جا رہی تھی، جہاں ندی جنگل میں ایک موڑ گھوم جاتی تھی وہاں آ کر جوگن کشتی کنارے سے لگا کر اتر پڑی اور جنگل میں چلنے لگی۔

یہ جنگل اتنا گھنا تھا کہ درختوں کی شاخیں ایک دوسرے میں اُلجھی ہوئی تھیں...... جوگن ان درختوں کے نیچے جھک کر جھاڑیوں کے درمیان سے گزر رہی تھی...... وہ ایک بہت بڑے درخت کے قریب آ کر رُک گئی...... اس نے گردن موڑ کر پہلے اپنے دائیں، پھر بائیں دیکھا...... درخت کا تنا اتنا بڑا تھا کہ اس کی بے شمار جڑیں زمین

سے باہر نکلی ہوئی تھیں...... درخت کے تنے کے اندر زمین سے لگا ہوا ایک تنگ ڈھلانی سرنگ نما راستہ اندر چلا گیا تھا...... جوگن اس سرنگ ایسے راستے سے اتر کر درخت کی جڑوں کے نیچے آ گئی...... یہاں گولائی نما کھلی جگہ تھی...... درخت کی ستونوں ایسی جڑیں زمین سے نکل کر اُوپر درخت کے تنے تک چلی گئی تھیں...... جوگن درخت کی جڑوں کے ستونوں کے درمیان بیٹھ گئی...... اس نے اپنا جوڑا کھول کر کالے سانپ کو اپنے بالوں کے جال میں سے نکالا اور اسے زمین پر لٹا دیا۔

جمشید نے دیکھا کہ وہ اُونچے اُونچے ستونوں کے درمیان زمین پر بے حس و حرکت پڑا ہے اور جوگن اس کے سامنے بیٹھی اپنے بالوں میں سے کچھ نکال رہی ہے...... یہ سیاہ رنگ کی لمبی سوئیاں تھیں...... جوگن نے کالی لمبی سوئیاں اپنے پاس ہی زمین پر رکھ دیں اور جمشید کے کالے سانپ پر گنگا جل کا چھینٹا مار کر ایک بار پھر منتروں کا جاپ شروع کر دیا...... یہ تینوں لوک کی سب سے بڑی پجارن بننے کا چلہ تھا...... جمشید سانپ کی شکل میں اس کے آگے زمین پر پڑا تھا اور چھوٹی چھوٹی سانپ کی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا...... اس نے جوگن کو اپنے بالوں میں سے لمبی نوکیلی سوئیاں نکالتے دیکھ لیا تھا...... وہ اس خیال سے سہما ہوا تھا کہ خدا جانے جوگن اس کے ساتھ کیا کرنے والی ہے۔ اتنا اسے علم ہو چکا تھا کہ وہ جوگن کی قید میں ہے اور جوگن اپنا کوئی مقصد حاصل کرنے کے واسطے اس کے ساتھ کوئی بھیانک سلوک کرنے والی ہے...... اب وہ اس کی دُشمن تھی اور جمشید کو اس سے نیکی اور ہمدردی کی توقع نہیں تھی۔

جوگن اُونچی آواز میں منتروں کا جاپ کر رہی تھی...... پھر منتر پڑھتے پڑھتے اس نے زمین پر سے ایک لمبی نوکیلی سوئی اُٹھائی اور جمشید کے دیکھتے دیکھتے کالے سانپ کی گردن میں اتنی زور سے داخل کی کہ سوئی جمشید سانپ کی گردن میں سے آر پار ہو کر آدھی زمین میں اتر گئی...... جمشید کو ایسے لگا جیسے کسی نے اس کی گردن کو اچانک دبوچ لیا ہو، لیکن ایک دو سیکنڈ کے بعد اس کا یہ احساس ختم ہو گیا...... جوگن نے ایک بار پھر منتر

پڑھتے پڑھتے دوسری نوکیلی سوئی اٹھائی اور اسے بھی جمشید کے سانپ ایسے جسم میں آرپار اتار کر اسے زمین میں گاڑ دیا، اسی طرح منتروں کی جاپ کے ساتھ جوگن نے ساری لمبی نوکیلی سوئیاں جمشید کے سانپ کے جسم میں گاڑ دیں...... اب کالے سانپ کی حالت ایسی تھی کہ جیسے اسے کیل ٹھونک ٹھونک کر زمین میں گاڑ دیا ہو۔

جمشید کا جسم پہلے بھی کوئی حرکت نہیں کر سکتا تھا...... اب تو وہ اگر ہوش میں بھی آجاتا تو حرکت نہیں کر سکتا تھا...... اسے لمبی نوکیلی سوئیوں کے ساتھ زمین میں ٹھونک دیا گیا تھا...... وہ اسی حالت میں پڑا جوگن کو دیکھ رہا تھا...... جوگن نے اس کے گرد سات چکر لگائے اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی درخت کے اندر سے باہر چلی گئی...... جمشید سانپ کی شکل میں زمین میں گڑا رحم طلب نگاہوں سے اُوپر درخت کے تنے کے اندر سے نکلی ہوئی جڑوں کے ستونوں کو تکنے لگا...... وہ پوری طرح سے جوگن کے جال میں پھنس چکا تھا اور اس کی رہائی کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی تھی...... رات گزر گئی...... درخت کے تنے کے شگاف میں سے دن کی روشنی اندر آنے لگی...... باہر دن نکل آیا تھا۔

شام تک دن کی روشنی اندر آتی رہی...... سورج غروب ہونے کے بعد روشنی ماند پڑنے لگی...... پھر رات کا اندھیرا چھا گیا...... دوسری رات آگئی...... جمشید اسی بے بسی کے عالم میں زمین میں گڑا درخت کی جڑوں کو تکتا رہا...... خدا جانے رات کتنی گزر چکی تھی کہ اس نے درخت کے شگاف کے باہر کسی کے قدموں کی آہٹ سنی...... اس نے اپنی چھوٹی چھوٹی سانپ کی سرخ آنکھوں سے شگاف کی طرف دیکھا...... شگاف پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی...... قدموں کی چاپ کی آواز خاموش ہو گئی تھی...... وہ سمجھا کہ جوگن آئی ہو گی...... کچھ دیر گزر گئی، مگر جوگن اندر نہ آئی...... اب اسے کپڑوں کی سرسراہٹ سنائی دی...... وہ اپنی آنکھوں کے ڈیلے گھما کر چاروں طرف دیکھنے لگا...... اسے اندھیرے میں بھی کچھ کچھ نظر آرہا تھا...... اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ

آدھا انسان اور آدھا سانپ تھا...... اس کی رُوح انسان کی تھی مگر جسم سانپ کا تھا اور سانپ اندھیرے میں بھی دیکھ لیتا ہے...... اسے یوں لگا جیسے کوئی اس کے قریب آکر رُک گیا ہے، مگر وہاں اسے کوئی انسان نظر نہیں آرہا تھا۔

جمشید کا دماغ سوچنے لگا کہ پہلے جو قدموں کی چاپ کی آواز اور پھر کسی کے لباس کی سرسراہٹ سنائی دی تھی وہ کس کی تھی...... اس نے سوچا کہ شاید کوئی مسافر باہر سے گزرا ہے اور قدموں کی چاپ کی آواز اسی کی تھی اور لباس کی سرسراہٹ کی آواز ممکن ہے جھاڑیوں میں سے گزرتی تیز ہوا کی ہو...... اچانک درخت کے شگاف کی تاریکی میں ایک سفید پر اڑتا ہوا آیا اور اندر آکر جہاں جمشید سانپ کے رُوپ میں زمین میں گڑا ہوا تھا وہاں اس کے اُوپر چکر لگانے لگا...... جمشید اسے حیرانی سے دیکھنے لگا...... پہلے تو جمشید نے اسے بھی باہر چلتی تیز ہوا کا کرشمہ سمجھا کہ تیز ہوا کسی پرندے کے سفید پر کو اڑا کر اندر لے آئی ہے اور وہ ہوا میں اس کے اُوپر چکر لگا رہا ہے، لیکن جب سفید پر جمشید کے سانپ کے سر کے عین اُوپر آکر ہوا میں رُک گیا اور وہاں سے نہ وہ کسی طرف اُڑ رہا تھا اور نہ نیچے گر رہا تھا تو جمشید کچھ چونکا اور بڑے غور سے سفید پر کو دیکھنے لگا۔

اب سفید پر آہستہ آہستہ نیچے آنے لگا...... یہ کسی سفید پرندے کا چھوٹا سا پر تھا...... نیچے آکر وہ جمشید کے سانپ کے سر کے اُوپر آکر ٹک گیا...... جمشید کو ایک عجیب خوشگوار سی کیفیت کا احساس ہوا...... اس کے ذہن پر سکون سا چھانے لگا...... جیسے جیسے سفید پر اس کے جسم کے ساتھ لگ کر آہستہ آہستہ اس کے سانپ کے جسم پر پھر رہا تھا جمشید کے جسم میں جان پڑتی جا رہی تھی...... تین بار جمشید کے جسم پر پھرنے کے بعد سفید پر اُوپر کو بلند ہوا اور اس کے اُوپر تین چار چکر لگانے کے بعد درخت کے تنے کے شگاف میں سے باہر اڑ گیا...... جمشید کا جسم اب پتھر کی طرح بے حس نہیں رہا تھا...... اس میں جان پڑ چکی تھی اور وہ اپنے جسم کو حرکت دے سکتا تھا...... ہلا جلا سکتا تھا، اس نے اپنے جسم کو دو تین بار ہلایا تو عین اس وقت جوگن شگاف میں سے اندر آگئی۔

اب اس کے ہاتھ میں گنگا جل والا ڈول نہیں تھا، بلکہ ایک چھوٹی کلہاڑی تھی جس کے پھل کی تیز دھار اندھیرے میں چمک رہی تھی۔

جمشید اسی طرح بے جان ہو کر پڑا رہا...... اس کا جسم زندہ ہو چکا تھا، مگر اس نے یہی ظاہر کیا کہ وہ بے جان ہے...... جوگن کے ہاتھ میں کلہاڑی دیکھ کر اس کا دل خوف سے ڈوبنے لگا تھا...... کلہاڑی سے ظاہر ہوتا تھا کہ جوگن اس کے جسم کے ٹکڑے کر کے اسے ہمیشہ کے لئے ختم کر دینے کا ارادہ رکھتی ہے...... جوگن جمشید کے قریب ہو کر بیٹھ گئی اور بولی۔

"منش! (انسان) سنسار میں تیری زندگی کے دن پورے ہو گئے ہیں...... تیری زندگی کی چند گھڑیاں باقی رہ گئی ہیں...... میں تمہیں یہاں سے واپس شوجی کے استھان پر لے جا رہی ہوں جہاں میں تیرے سات ٹکڑے کر کے انہیں شوجی کی بھینٹ چڑھا دوں گی اور اس کے ساتھ ہی میں پاتال، زمین اور آکاش کے اوتاروں کی سب سے بڑی پجارن بن کر جنم جنم کے چکر سے آزاد ہو جاؤں گی۔"

جوگن نے اتنا کہہ کر اپنی انگلی کلہاڑی کے پھل کی تیز دھار پر پھیری، اس کی انگلی میں سے خون ٹپکنے لگا...... جوگن نے اپنی انگلی کا خون جمشید کے سانپ ایسے بدن پر پھیر دیا...... جمشید کو انتہائی سخت ناگوار بو آنے لگی تھی، نہ جانے کیوں جمشید کے دل میں ایک خیال یقین بن کر بیٹھ گیا تھا کہ یہ جوگن اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی اور قدرت ضرور اس کی مدد کرے گی...... اگرچہ زندہ بچنے کی اسے بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی...... جوگن کی اُنگلی کے خون نے جمشید کے سانپ والے جسم کو ایک بار پھر سن کر دیا تھا...... اس نے ایک دوبارہ اپنے جسم کو ہلانے کی کوشش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔

جوگن ایک ایک کر کے اس کے جسم میں دھنسی ہوئی لمبی سوئیوں کو نکالنے لگی...... جب ساری سوئیاں جمشید کے جسم سے نکل گئیں تو ایک بار پھر اس نے اپنے

جسم کو حرکت میں لا کر وہاں سے فرار ہو جانے کی کوشش کی، مگر اس کا جسم بالکل نہیں ہل رہا تھا...... جوگن نے اسے اپنے لمبے بالوں میں لپیٹ کر بالوں کا جوڑا اپنے سر کے اُوپر کر کے باندھ لیا...... جمشید سانپ کی شکل میں اس کے جوڑے میں پھنس چکا تھا...... جوگن کلہاڑی ہاتھ میں لے کر اُٹھی اور رات کی تاریکی میں درخت کے تنے کے اندر سے نکل کر جنگل میں چل پڑی...... اس کا رُخ دریا کی طرف تھا، وہ جنگلی درختوں کے درمیان تنگ راستے سے گزر رہی تھی...... درخت کی کھوہ سے نکلنے اور باہر کی فضا میں آنے کے بعد جمشید نے اپنے بدن میں ہلکی سی گرمائش محسوس کی...... یہ گرمائش اس کے سارے بدن میں سرائیت کر گئی...... اب وہ اپنے جسم کو تھوڑی حرکت دے سکتا تھا...... جوگن درختوں کے درمیان چل رہی تھی...... جمشید اپنی پوری قوت ارادی کا زور لگا کر جوگن کے بالوں کے جوڑے سے آدھا باہر نکل آیا...... اب اس میں مزید باہر نکلنے کی سکت نہیں رہی تھی...... وہ چاہتا تھا کہ جوڑے میں سے پورا باہر نکل کر اندھیرے میں ایک طرف چھلانگ لگا کر جنگل میں غائب ہو جائے، مگر وہ صرف اپنا آدھا دھڑ ہی باہر نکال سکا تھا۔

چلتے ہوئے جوگن کا جوڑا اس کے سر کے ساتھ آہستہ آہستہ ہل رہا تھا...... جمشید کو ہلکے ہلکے دھچکے لگ رہے تھے...... وہ اپنے نچلے دھڑ کو بھی باہر نکالنے کی کوشش کرنے لگا جو جوڑے کے بالوں میں پھنسا ہوا تھا، مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو رہا تھا...... اس وقت جوگن نیچے کو جھکی ہوئی شاخوں والے درختوں میں سے گزر رہی تھی...... کبھی کبھی کسی درخت کی شاخ اس کے سر سے ٹکرا جاتی تھی...... قدرت کو جو منظور ہو وہ ہو کر رہتا ہے...... اب ایسا ہوا کہ ایک درخت کی شاخ کچھ اس طرح سے جوگن کے جوڑے سے ٹکرائی کہ جمشید کا باہر کو نکلا ہوا جسم شاخ میں اُلجھ گیا اور جوگن کے آگے بڑھتے ہی جمشید کے سانپ والے جسم کو درخت کی شاخ نے جوڑے میں سے نکال کر اُوپر اُٹھا لیا...... وہ شاخ میں اُلجھا ہوا رہ گیا اور جوگن آگے نکل گئی...... اسے پتہ ہی نہ چل

سکا کہ جمشید کا سانپ والا جسم اس کے جوڑے سے الگ ہو کر درخت کی شاخ کے ساتھ لپیٹ کر رہ گیا ہے۔

جمشید اسی طرح درخت کی شاخ سے چمٹا رہا...... اسے ڈر تھا کہ ذرا آگے جا کر جوگن کو ضرور معلوم ہو جائے گا کہ اس کا شکار اس کے جوڑے سے نکل چکا ہے اور وہ واپس آکر اسے درخت کی شاخ سے اُتار کر دوبارہ اپنے قبضے میں کر لے گی، اب جمشید کا نچلا دھڑ بھی کام کرنے لگا تھا...... وہ کسی طرح وہاں سے دُور نکل جانا چاہتا تھا...... اس نے اپنے آپ کو درخت کی شاخ سے نیچے گرا دیا...... زمین پر گرتے ہی جمشید نے ایک طرف رینگنا شروع کر دیا...... اگرچہ اس کے رینگنے کی رفتار بہت سست تھی مگر وہ رُکنے کی بجائے رینگتا چلا گیا اور کچھ ہی دیر بعد درختوں والے تنگ راستے سے دُور نکل گیا...... وہ جوگن کی شکتی دیکھ چکا تھا...... اسے سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ وہ انسان کی بجائے سانپ کا رُوپ دھار چکا تھا جس کی وجہ سے اسے سخت گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

اسے سفید پر کا خیال آگیا جس نے اسے جوگن کی قید سے آزاد کرایا تھا...... ضرور یہ سفید پر قدرت نے اس کی مدد کے لئے بھیجا تھا...... کاش وہ سفید پر اسے سانپ کے جسم سے بھی نجات دلا دیتا...... یہی کچھ سوچتے ہوئے وہ جھاڑیوں میں آہستہ آہستہ رینگتا چلا جا رہا تھا، اسی طرح رینگتے رینگتے وہ ندی کے کنارے پہنچ گیا...... یہ وہی ندی تھی جہاں سے جوگن اسے اپنے ساتھ لے کر آئی تھی...... وہاں کچھ دیر رُک کر وہ سوچنے لگا کہ کیا کرے...... آخر اس نے ندی پار کرنے کا فیصلہ کیا اور ندی میں اتر گیا۔

اسے اندازہ نہیں تھا کہ ندی کے پانی کا بہاؤ بڑا تیز ہے...... جیسے ہی وہ ندی میں اترا پانی کا تیز ریلا اسے آگے کی طرف لے گیا...... اس نے تیر کر دوسرے کنارے تک جانے کی بہت کوشش کی مگر پانی کا تیز بہاؤ اسے آگے ہی آگے لئے جا رہا تھا۔

وہ اپنے سانپ والے جسم کو زیادہ حرکت بھی نہیں دے سکتا تھا...... ندی کا بہاؤ اسے دیکھتے دیکھتے کہیں سے کہیں لے گیا...... ایک جگہ ندی موڑ مڑتی تھی...... جمشید

ندی کے بہاؤ کے ساتھ ہی موڑ مڑنے لگا تو پانی کے تیز ریلے نے اسے دوسرے کنارے کی جھاڑیوں کے قریب پھینک دیا...... اس نے فوراً جھاڑیوں کے گرد اپنے جسم کو لپیٹ لیا...... کچھ دیر وہ اسی طرح پڑا رہا...... وہ آدھا پانی میں ڈوبا ہوا تھا...... آخر اس نے ہمت کر کے ایک جھاڑی کو چھوڑ کر دوسری جھاڑی کی شاخوں کو پکڑ لیا...... یہ جھاڑی خشک کنارے پر تھی، وہاں سے وہ رینگتا ہوا ندی سے باہر آگیا...... ندی کے دوسرے کنارے پر بھی گھنا جنگل تھا...... بھیگی ہوئی رات کی تاریکی میں اسے دُھندلا دُھندلا اتنا ہی دکھائی دے رہا تھا جتنا ایک سانپ کو اندھیرے میں دکھائی دیتا ہے۔

اندھیرے میں اسے ایک جانب درختوں میں ایک بارہ دری سی نظر آئی...... وہ اسی کی طرف چلنے لگا...... بارہ دری کے قریب آکر وہ ٹھہر گیا...... اس نے دیکھا کہ بارہ دری ایک طرف کو جھکی ہوئی تھی...... یہ کسی پرانی تاریخی بارہ دری کا کھنڈر لگتا تھا...... اچانک اسے کسی سپیرے کے بین بجانے کی آواز سنائی دی...... وہ ایک جھاڑی میں چھپا بین کی آواز سننے لگا...... بین کی آواز قریب ہوتی جا رہی تھی...... اسے خطرے کا احساس ہوا کہ کہیں یہ سپیرا اسے پکڑ نہ لے...... وہ جلدی سے جھاڑی میں سے نکل کر دوسری طرف رینگنے لگا، مگر وہ زیادہ تیز نہیں رینگ سکتا تھا...... بین کی آواز اس کے اور قریب ہوتی جا رہی تھی...... جیسے بین کی آواز اس کا پیچھا کر رہی تھی...... جیسے ہی وہ ایک جھاڑی میں سے نکل کر تھوڑی سی کھلی جگہ پر آیا تو سپیرے نے اسے دیکھ لیا۔

یہ سپیرا منگلا ٹیم کے شیش ناگ کے مندر کا سپیرا تھا...... وہ رات کے وقت دریا پار کر کے شیش ناگ کے مندر کی طرف جا رہا تھا کہ اچانک جنگل میں اس نے ایک عجیب و غریب بو محسوس کی...... اس بو میں سانپ اور انسان کی ملی جلی بو تھی...... سانپوں کے سالہا سال کے تجربے نے اسے بتا دیا کہ یہ اس سانپ کی بو ہے جو آدمی کا رُوپ بھی دھار سکتا ہے...... ایسا سانپ کسی قسمت والے سپیرے کو ہی ملتا تھا...... سپیرے نے اسی وقت بین نکالی اور اسے بجاتے ہوئے اس طرف چلنے لگا جس طرف

سے اسے سانپ کی بو آ رہی تھی...... جمشید سانپ کے رُوپ میں جھاڑیوں سے نکل کر آہستہ آہستہ ایک طرف جا رہا تھا کہ سپیرا اس کے سر پر پہنچ گیا...... سپیرے نے سانپ کو دیکھ لیا تھا...... اس نے جھپٹ کر جمشید سانپ کی گردن پکڑ لی اور اسے اپنی ناک کے قریب لا کر سونگھا...... اس میں سے کسی انسان کی بو بھی آ رہی تھی...... سپیرے نے جلدی سے سانپ کو پٹاری میں بند کیا اور تیز تیز قدموں سے شیش ناگ کے مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس دوران جوگن کشتی کا چپو چلاتی دریا میں چلی جا رہی تھی...... اچانک اسے اپنے قبضے میں کئے ہوئے جمشید والے سانپ کا خیال آ گیا...... اس نے چپو چھوڑ کر اپنے جوڑے میں ہاتھ ڈالا تو معلوم ہوا کہ اس کے جوڑے میں سانپ نہیں ہے...... جوگن نے جلدی سے جوڑا کھول دیا اور اپنے کھلے بالوں میں سانپ کو تلاش کرنے لگی، مگر سانپ کہیں بھی نہیں تھا...... جوگن پریشان ہو کر اسی وقت کشتی کو کنارے پر لے آئی اور کشتی سے اُتر کر سانپ کی تلاش میں جس طرف سے آئی تھی اسی طرف جنگل میں چل پڑی...... اسے کسی جگہ سے بھی جمشید سانپ کی بو نہیں آ رہی تھی...... وہ درخت کے کھوہ میں آ گئی...... جمشید سانپ وہاں بھی نہیں تھا...... وہ سمجھ گئی کہ اس کا شکار اس کے ہاتھ سے نکل گیا ہے...... وہ غضبناک ہو کر شوجی کے استھان کی طرف چلنے لگی کہ استھان کی دیوار میں لگی ہوئی کلش دیوی کی مورتی سے آگاہی حاصل کرے کہ سانپ کہاں چلا گیا ہے...... جوگن کی ساری تپسیا، ساری محنت ضائع ہو گئی تھی اور یہ اسے کبھی گوارا نہیں تھا...... وہ ہر حالت میں جمشید کو تلاش کر کے اسے دوبارہ قبضے میں کرنا چاہتی تھی۔

شو کا استھان وہاں سے زیادہ دُور نہیں تھا...... وہاں پہنچ کر جوگن ٹیلے کے اندر سیاہ ستونوں والے دالان میں آ گئی جہاں کلش دیوی کی مورتی تھی...... منحوس مورتی کی لال زبان نیچے کو لٹک رہی تھی...... جوگن نے جاتے ہی ماتھا ٹیکا اور بولی۔

”دیوی! وہ انسان میرے ہاتھ سے نکل گیا ہے جس کی وجہ سے مجھے امر ہو کر جنم جنم کے چکر سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہونا تھا...... میری مدد کر اور مجھے بتا دے کہ یہ انسان اس وقت کہاں ہے۔“

جوگن نے آنکھیں بند کر لیں اور ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئی...... اسے جیسے کلش مورتی کی آواز سنائی دی...... مورتی نے کہا۔

”منگلا ٹیم شہر کی طرف جاؤ۔“

اس کے بعد آواز خاموش ہو گئی۔

جوگن کو جمشید کا سراغ مل گیا تھا...... اس نے آگے بڑھ کر کلش دیوی کی مورتی کی لٹکتی ہوئی زبان پر ہاتھ رکھ کر اپنے چہرے پر پھیرا اور جلدی جلدی وہاں سے نکل کر منگلا ٹیم شہر کا رُخ کر لیا...... جوگن بڑی شکتی والی عورت تھی لیکن ابھی اس کے پاس اتنی طاقت نہیں آئی تھی کہ الوپ منتر کے اثر سے وہ جمشید کو سانپ کے رُوپ میں پہچان ضرور سکتی تھی اور اسے اس کے اندر چھپے ہوئے خونی آسیب کے سائے کی بو بھی محسوس ہو سکتی تھی۔

منگلا ٹیم شہر پہنچنے کے لئے جوگن کو دریا میں دس کوس کا سفر طے کر کے ایک قصبے کے ریلوے سٹیشن سے گاڑی پکڑنی تھی...... وہ تیز تیز قدموں سے جنگل میں سے گزرتی ہوئی دریا کے گھاٹ پر آئی اور اپنی کشتی میں بیٹھ کر کشتی کو دریا کے بہاؤ پر ڈالا اور تیز تیز چپو چلانا شروع کر دیا، لیکن سفر کافی طویل تھا...... دریا میں سفر کرتے کرتے رات ڈھل گئی اور دن کی روشنی پھیل گئی...... دریا میں دس کوس کا سفر طے کرنے کے بعد وہ اس قصبے میں آ گئی جہاں سے اسے ریل گاڑی پکڑنی تھی...... وہ قصبے کے ریلوے سٹیشن پر آ کر ریل گاڑی کا انتظار کرنے لگی...... ریل آئی تو وہ اس میں سوار ہو کر منگلا ٹیم شہر کی طرف روانہ ہو گئی۔

دن نکلتے نکلتے سپیرا ابھی منگلا ٹیم شہر پہنچ گیا تھا۔

وہ سیدھا شہر کے سب سے پرانے شیش ناگ کے مندر میں آگیا...... اس مندر میں سانپوں کی پوجا ہوتی تھی اور شیش ناگ سانپ کا بہت بڑا بت رکھا ہوا تھا...... مندر کا پجاری سپیرے کو جانتا تھا...... اس وقت مندر کا پجاری منہ اندھیرے کی پوجا پاٹھ سے فارغ ہو کر اپنی کوٹھڑی کے باہر چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا کہ سپیرا آگیا...... سپیرے نے پجاری سے کہا۔

"مہاراج! آج میں آپ کے لئے ایک ایسی شے لایا ہوں کہ جس کو دیکھ کر آپ حیران رہ جائیں گے۔"

پجاری نے پوچھا۔

"ایسی کون سی شے لائے ہو؟ میں بھی تو دیکھوں۔"

سپیرا پجاری کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا اور بند پٹاری زمین پر رکھ دی اور بولا۔

"مہاراج! آپ کو کھول کر بتانے کی ضرورت نہیں ہے...... آپ گیانی گیان ہیں...... سب کچھ جانتے ہیں...... اس پٹاری میں شیش ناگ دیوتا کا اوتار بند ہے۔"

پجاری کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں...... اس نے کہا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو ناتھن؟"

سپیرے کا نام ناتھن تھا...... سپیرا بولا۔

"مہاراج! میں سچ کہہ رہا ہوں...... آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔"

سپیرے ناتھن نے پٹاری کا منہ کھول دیا اور جمشید سانپ کو گردن سے پکڑ کر باہر نکالا اور زمین پر رکھ دیا...... جمشید زمین پر پڑا رہا...... اس پر نقاہت طاری تھی...... وہ زیادہ ہل جل بھی نہیں سکتا تھا...... پجاری نے سانپ کو دیکھا تو فوراً جان گیا کہ یہ منش سانپ ہے اور یہ سینکڑوں برس گزر جانے پر کسی قسمت والے کو ہی ملتا ہے...... پجاری اس سانپ کو بھارت کے سب سے بڑے ناگ مندر کے پجاری کے ہاتھ لاکھوں روپے کے عوض بیچ سکتا تھا، مگر وہ سپیرے کو اس منصوبے میں شامل نہیں کرنا چاہتا

تھا...... اس نے سانپ کو دیکھنے کے بعد کسی قسم کی خوشی یا حیرانی کا اظہار نہ کیا اور سپیرے سے کہا۔

"ناتھن! یہ مجھے شیش ناگ کا اوتار منش سانپ نہیں لگتا...... یہ تم کہاں سے پکڑ لائے ہو۔"

سپیرا بولا۔

"مہاراج! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں...... میری ساری عمر اس کام میں گزر گئی ہے...... آپ اس کو سونگھ کر دیکھیں...... اس میں سے منش کی بو آرہی ہے۔"

پجاری نے کہا۔

"لاؤ...... دیکھتا ہوں۔"

سپیرے نے سانپ کو اُٹھایا اور پجاری کو پکڑا دیا...... پجاری نے جمشید سانپ میں سے آتی انسانی بو کو اسی وقت محسوس کر لیا تھا جب سپیرے نے پٹاری کا منہ کھولا تھا...... اس نے سانپ کو ناک کے قریب لا کر دو تین بار سونگھا اور بولا۔

"ناتھن! مجھے تو اس میں سے منش سانپ کی بو نہیں آرہی...... تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے...... یہ جنگل کا معمولی سانپ ہے...... اسے لے جاؤ۔"

سپیرے نے سانپ کو پٹاری میں بند کرتے ہوئے کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی مہاراج! میں اسے بڑے ناگ مندر کے پجاری کے پاس لے جاتا ہوں...... وہ ضرور اسے پہچان جائیں گے۔"

لاکھوں روپے کا سانپ ہاتھ سے نکلتے دیکھ کر پجاری بولا۔

"ناتھن! تمہاری ہماری دوستی بڑی پرانی ہے...... تم اتنی محبت سے سانپ پکڑ کر لائے ہو تو ایسا کرو کہ اسے دو ایک دن کے لئے میرے پاس چھوڑ جاؤ، میں اسے شوراتری کی رات کو شیش ناگ دیوتا کے آگے پیش کروں گا...... اگر یہ منش ناگ نکلا تو تمہیں منہ مانگا انعام دے کر یہ سانپ اپنے مندر میں شیش ناگ کی سیوا کرنے کے لئے

رکھ لوں گا۔"

سپیرے ناتھن نے کہا۔

"مہاراج! شوراتری کی رات کو تو ابھی پندرہ دن رہتے ہیں۔"

عیار پجاری نے مسکراتے ہوئے سپیرے کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا۔

"ناتھن! تمہاری ہماری دوستی بڑی پرانی ہے اور پھر یہ شیش ناگ کی سیوا کا معاملہ ہے...... تم پندرہ دن انتظار نہیں کر سکتے؟"

شیش ناگ کی سیوا کا سن کر سپیرا ہاتھ باندھ کر بولا۔

"میں شیش ناگ دیوتا کا سیوک ہوں مہاراج! آپ اسے اپنے پاس رکھ لیجئے...... میں پندرہ دن کے بعد آؤں گا۔"

سپیرے نے جمشید سانپ کو پٹاری میں بند کیا اور پٹاری پجاری کے حوالے کر دیا جمشید نے سپیرے اور پجاری کی ساری گفتگو سن لی تھی...... یہ جان کر وہ پریشان ہو گیا تھا کہ یہ لوگ اس کا سودا کر رہے ہیں اور یہ کسی شیش ناگ کا مندر ہے جس کا بڑا پجاری اسے پندرہ دن اپنی قید میں رکھ کر اسے شیش ناگ دیوتا کے آگے پیش کرنے والا ہے...... خدا جانے ان کافر لوگوں سے اسے چھٹکارا بھی مل سکے گا یا نہیں...... اگر اس میں چلنے پھرنے کی زیادہ سکت ہوئی تو وہ وہاں سے بھاگنے کی کوشش کر سکتا تھا، مگر وہ بڑی مشکل سے ایک گھنٹے میں پچاس ساٹھ گز دُور تک ہی رینگ سکتا تھا...... اس کے باوجود اس نے دل میں طے کر لیا تھا کہ وہ موقع کی تلاش میں رہے گا اور موقع ملتے ہی یہاں سے بھاگ نکلنے کی کوشش کرے گا۔

سپیرا ناتھن پٹاری پجاری کے حوالے کر کے چلا گیا۔

پجاری کو تو جیسے بیٹھے بٹھائے ایک خزانہ مل گیا تھا...... اس نے پٹاری کو بغل میں دبایا اور مندر کے پیچھے اپنی کوٹھڑی میں لا کر لوہے کے ٹرنک میں بند کر دیا...... چار دن کے بعد مندر میں شیش ناگ کی بڑی پوجا ہونے والی تھی...... وہ ان چار دنوں میں مندر

چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا...... اس نے سوچ لیا کہ بڑی پوجا کے بعد پانچویں دن وہ سانپ کو لے کر بھارت کے سب سے بڑے شیش ناگ مندر میں جائے گا اور سب سے بڑا مہا پجاری کے ہاتھ اس منش سانپ کو بیچ دے گا...... اسے معلوم تھا کہ اس کے عوض کم از کم پانچ لاکھ روپے کی رقم اسے ضرور مل جائے گی...... بڑا مہا پجاری اس منش ناگ کی مدد سے کافی دولت کما سکتا تھا۔

اس دوران میں جوگن بھی منگلا ٹیم شہر میں پہنچ گئی تھی...... شہر میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنے جال سے بھاگے ہوئے شکار یعنی جمشید کی تلاش شروع کر دی...... کلش مورتی نے اس خاص شہر کا جو نام لیا تھا اس کا مطلب یہی نکلتا تھا کہ چونکہ جمشید سانپ کے رُوپ میں ہے اس لئے اسے منگلا ٹیم شہر کے ناگ مندروں میں تلاش کرو...... یہ شہر زیادہ بڑا نہیں تھا اور جوگن کا دیکھا ہوا تھا...... شہر میں چھ سات ہی ایسے مندر تھے جہاں سانپوں کی پوجا ہوتی تھی...... جوگن نے ان مندروں میں جمشید کی تلاش شروع کر دی وہ جس مندر میں جاتی وہاں جمشید کے اندر خونی آسیب کی جو بدرُوح کا سایہ تھا اس کی بو لینے کی کوشش کرتی...... اسے ہر مندر میں سانپوں کی بو آتی مگر خونی آسیب کی بدرُوح کی بو نہ آتی۔

مندروں کی چھان بین کرتے اسے رات ہو گئی۔

صرف شیش ناگ کا مندر دیکھنا رہ گیا تھا...... وہ اس مندر کی طرف چل پڑی......

یہ کافی پھیلا ہوا مندر تھا جو اُونچی چار دیواری میں گھرا ہوا تھا...... جوگن شیش ناگ کے مندر میں پہنچی تو وہاں سانپوں کی پوجا کرنے والے ہندو فرقے کے مرد اور عورتیں پوجا پاٹھ کرنے آ رہی تھیں...... گھنٹیوں کی آوازیں گونج رہی تھیں...... جوگن نے مندر میں داخل ہو کر مندر کی تمام چھوٹی بڑی کوٹھڑیوں کو جا کر دیکھا...... اسے کہیں سے بھی خونی آسیب کی بدرُوح کی بو نہ آئی...... اس نے ایک بار پھر چل پھر کر مندر کی تمام کوٹھڑیوں کا جائزہ لیا جہاں مختلف سانپوں کی پوجا کی جا رہی تھی، لیکن جس شے کی

اسے تلاش تھی وہ اسے نہ مل سکی...... جوگن مایوس ہو گئی اور واپس جانے کا سوچ رہی تھی کہ یونہی اس کو خیال آ گیا کہ مندر کے باہر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہئے...... وہ مندر کے احاطے کی چار دیواری کا چکر لگا رہی تھی کہ ایک جگہ اچانک آسیب کی بدرُوح کی بو محسوس ہوئی۔

جوگن وہیں رُک گئی۔

اس نے ایک بار پھر فضا میں گہرا سانس لیا...... خونی آسیب کی بدرُوح کی بو برابر آ رہی تھی...... بہت جلد اسے پتہ چل گیا کہ یہ بو ایک کوٹھڑی سے آ رہی ہے جو مندر کے پچھواڑے ذرا ہٹ کر بنی ہوئی تھی...... اس جگہ اندھیرا چھایا ہوا تھا، جس کوٹھڑی سے خونی آسیب کی بو آ رہی تھی اس کا دروازہ بند تھا...... جوگن دروازے کے قریب آ گئی...... دروازے کی درزوں میں سے ہلکی ہلکی روشنی آ رہی تھی...... جوگن کو یقین تھا کہ جمشید سانپ کے رُوپ میں اس کوٹھڑی کے اندر موجود ہے، اس نے دروازے کی درز میں سے جھانک کر دوسری طرف دیکھا تو اس کا چہرہ خوشی سے لال ہو گیا...... اس نے دیکھا کہ ایک موٹا پجاری لکڑی کے تخت پر بیٹھا ہے...... اس کے سامنے ایک پٹاری پڑی ہے جس کا منہ کھلا ہوا ہے...... پجاری کے ہاتھ میں ایک کالا سانپ ہے جس کو وہ بجلی کے بلب کی روشنی میں کبھی غور سے دیکھتا ہے اور کبھی اس کو ناک کے قریب لا کر سونگھنے لگتا ہے...... ایسا کرتے ہوئے وہ خوشی سے لہک لہک کر گردن ہلاتا جاتا ہے۔

جوگن نے سانپ کو فوراً پہچان لیا تھا۔

یہ وہی انسان تھا جس کو جوگن نے اپنے منتر پھونک کر سانپ میں بدل دیا تھا اور جو اس کے جوڑے سے نکل کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا...... جوگن کو اپنا کھویا ہوا خزانہ واپس مل گیا تھا...... وہ دروازے کی درز میں سے پجاری کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے اپنے سانپ کو غور سے دیکھ رہی تھی...... اتنے میں پجاری نے سانپ کو پٹاری میں بند کر کے اسے کپڑے میں اچھی طرح سے لپیٹا اور تخت پوش کے نیچے چھپا دیا......

وہ دروازے کی طرف بڑھا...... جوگن جلدی سے دروازے سے ہٹ کر ایک درخت کی اوٹ میں ہو گئی۔

پجاری نے باہر نکل کر دروازہ بند کر کے تالا لگایا اور مندر کی طرف چلا گیا...... جب پجاری جوگن کی نگاہوں سے اُوجھل ہو گیا تو وہ دروازے کی طرف بڑھی...... تالے کو دیکھا...... تالا عام قسم کا تھا...... جوگن کے پاس تالا کھولنے کا کوئی منتر نہیں تھا، لیکن وہ اسے کسی پتھر کی ضرب سے توڑ ضرور سکتی تھی...... تھوڑی سی تلاش کے بعد اسے ایک اینٹ مل گئی...... اس نے اینٹ کو زور سے تالے کے اُوپر مارا تو تالا کھل گیا...... اس نے دروازہ کھول کر کوٹھڑی میں سے جلدی سے تخت پوش کے نیچے سے سانپ کی پٹاری اُٹھائی...... کوٹھڑی سے باہر نکلی اور مندر کے پچھلے دروازے سے گزر کر درختوں کی طرف چلنے لگی...... وہاں اندھیرا تھا...... جوگن تیز تیز قدموں سے چلتی شہر سے باہر نکل گئی۔

ایک جگہ رُک کر اس نے پٹاری کو کھول کر دیکھا...... سانپ اندر موجود تھا، جمشید نے بھی جوگن کو دیکھ لیا...... سمجھ گیا کہ جوگن آخر اس کا تعاقب کرتے ہوئے اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے اور اب وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گی، لیکن جوگن شو بھگوان کا تین راتوں کا چلہ پورا کرنے سے پہلے جمشید کو ہلاک نہیں کر سکتی تھی...... یہ اس کی مجبوری تھی...... اسے ہر حالت میں تین راتیں جمشید کو زندہ رکھنا تھا اور اپنے قابو میں رکھنا تھا...... اس نے پٹاری کا منہ اچھی طرح سے بند کر دیا اور یہ فیصلہ کیا کہ وہ چلے کی تین راتوں کے دوران سانپ کی پٹاری کو اپنے سامنے رکھے گی اور اسے اپنے سے جدا نہیں کرے گی...... اسے اندیشہ تھا کہ جمشید کے اندر خونی آسیب کا سایہ اسے جوگن سے چھین کر لے جانا چاہتا ہے...... جوگن نے وہیں سے اپنا راستہ بدلا اور ریلوے سٹیشن کی طرف چل پڑی جہاں سے گاڑی پکڑ کر اسے جنگل میں جانا تھا، جہاں وہ تین راتوں کا چلہ پورا کرنے والی تھی...... یہ جنگل منگلا ٹیم شہر سے آگے دو سٹیشن چھوڑ

کر آتا تھا...... وہ چلتے چلتے ریلوے لائن پر آ گئی۔

دُور سے اسے منگلا ٹیم کے سٹیشن کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں...... وہ ریلوے لائن کی اُونچی پٹڑی پر لائن کے ساتھ ساتھ جا رہی تھی...... سانپ کی پٹاری اس نے بغل میں دبائی ہوئی تھی...... جمشید سانپ کے رُوپ میں پٹاری میں بند تھا اور یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ یہ جوگن اب اسے زندہ نہیں چھوڑے گی...... اب ایسا ہوا کہ جمشید کا جسم اپنے آپ گرم ہونا شروع ہو گیا...... ساتھ ہی اس کے جسم میں حرکت کرنے کی طاقت پیدا ہو گئی...... وہ پٹاری کے اندر ہی چکر لگانے لگا۔

جوگن نے بھی چلتے چلتے محسوس کیا کہ پٹاری کے اندر سانپ حرکت کرنے لگا ہے...... چند قدم چلنے کے بعد پٹاری اپنے آپ اس طرح ہلنے لگی جیسے وہ اس کی گرفت سے نکل جانا چاہتی ہو...... اس نے پٹاری کو دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے پکڑ لیا اور وہیں بیٹھ گئی...... پٹاری کے اندر سانپ جیسے اُچھل اُچھل کر باہر آنے کی کوشش کر رہا تھا...... جوگن کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ خونی آسیب کی بدرُوح بیدار ہو گئی ہے...... اس نے بیٹھے بیٹھے ایک طلسمی منتر پڑھنا شروع کر دیا...... یہ منتر ہر جاندار شے کو پتھر بنا دیتا تھا...... منتر پڑھ کر جیسے ہی جوگن نے پٹاری پر پھونکا ایک زوردار پھنکار کے ساتھ پٹاری کا ڈھکنا کھل کر دُور جا گرا اور اس میں سے سانپ اُچھل کر باہر نکلا اور جوگن کے سامنے پھن کھول کر پھنکارنے لگا...... جوگن نے تین بار منتر پڑھ کر ایک بار پھر سانپ پر پھونکا...... منتر کے پھونکتے ہی سانپ جمشید کی شکل میں ظاہر ہو گیا...... جمشید کی آنکھیں سرخ تھیں...... بال بکھرے ہوئے تھے...... چہرے سے وحشت برس رہی تھی...... جوگن فوراً سمجھ گئی کہ اس انسان پر خونی آسیب کا سایہ غالب آ گیا ہے......

جمشید اپنی خونی آنکھوں سے جوگن کو دیکھ رہا تھا...... جوگن نے اپنی پوری طاقت کے ساتھ بلند آواز میں آتشی منتر پڑھنا شروع کر دیا...... وہ بڑے جوش کے ساتھ منتر پڑھ رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ جمشید پر پھونکتی بھی جا رہی تھی...... جمشید اپنی جگہ پر

کھڑے کھڑے آگے پیچھے ہلنے لگا تھا...... جوگن نے آخری بار پھونک مار کر گرج دار آواز میں کہا۔

”میرے حکم سے دوبارہ سانپ کے رُوپ میں آ جا۔“

اس کے جواب میں جمشید نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر جوگن کی گردن پکڑی اور زور سے جھٹکا دیا، نہ جانے اس کے اندر اتنی طاقت کہاں سے آ گئی تھی...... یہ اس کی طاقت تھی یا اس کے اندر چھپے ہوئے خونی آسیب کی طاقت تھی کہ جھٹکے کے ساتھ ہی جوگن کی گردن دھڑ سے الگ ہو کر جمشید کے ہاتھ میں آ گئی...... جوگن کا بغیر سر کے دھڑ نیچے گر پڑا اور تڑپنے لگا اور پھر بے جان ہو گیا...... جمشید نے شدید غضب کے عالم میں جوگن کے سر کو ریلوے لائن کے پار پھینک دیا اور خود اس طرف چلنے لگا جس طرف منگلا ٹیم ریلوے سٹیشن کی روشنیاں جھلملا رہی تھیں...... جمشید کی سرخ آنکھیں بالکل سامنے دیکھ رہی تھیں...... وہ ایسے چل رہا تھا جیسے کسی نے اسے چابی دے رکھی ہو۔ اس کا لباس وہی تھا جسے پہن کر وہ گھر سے نکلا تھا، یعنی پرانی جیکٹ پتلون اور پرانے بوٹ...... پچھلی رات کے اندھیرے میں وہ ریلوے لائن کے ساتھ چلا جا رہا تھا...... سٹیشن کی روشنیاں قریب ہوتی جا رہی تھیں۔

اس وقت سٹیشن پر کہیں کہیں کوئی مسافر نظر آ رہا تھا...... پلیٹ فارم پر کچھ مسافر اپنے اپنے سامان کے پاس بیٹھے ٹرین کا انتظار کر رہے تھے...... جمشید کے ذہن کی یہ حالت تھی جیسے کسی نے اسے نیم مدہوشی کا انجکشن لگا دیا ہو...... ماضی کی یادیں دُھند کی لہروں میں کبھی ڈوب رہی تھیں...... کبھی اُبھر رہی تھیں...... گزرے ہوئے زمانے کی ایک لہر آئی تھی اور دوسرے لمحے غائب ہو جاتی تھی...... یہ ایسی ہی حالت تھی جیسے وہ اپنے ماضی کو فراموش کر چکا ہو...... چلتے چلتے کسی کسی وقت اس کے جسم میں گرمی کی ایک لہر سی اُٹھتی تھی اور اس کے سارے بدن میں گردش کرتی ہوئی اس کے سانس کے ساتھ باہر نکل جاتی تھی...... ایک پل کے لئے اسے احساس ہوا کہ وہ خود نہیں چل

رہا...... کوئی اسے چلا رہا ہے، لیکن فوراً ہی وہ اس احساس کو بھی بھول گیا۔

وہ پلیٹ فارم پر آ کر ایک بنچ پر بیٹھ گیا...... اتنا اسے یاد تھا کہ اس کو کسی ایسی گاڑی میں سوار ہونا ہے جو شمال کی طرف جا رہی ہو...... یعنی اس طرف جا رہی ہو جس طرف بھارتی پنجاب ہے...... اس نے سٹیشن کا نام منگلا ٹیم لکھا ہوا بھی پڑھ لیا تھا...... وہ ایک بت کی طرح بنچ پر بیٹھا اپنی سرخ آنکھوں سے بالکل سامنے دیکھ رہا تھا جہاں دوسرے پلیٹ فارم پر ایک گاڑی آ کر رُکی تھی...... ایک مسافر نے وہاں سے گزرتے ہوئے جمشید سے پوچھا۔

"یہ گاڑی کس طرف جائے گی؟"

جمشید نے نہ تو اس کی طرف دیکھا اور نہ اس کے سوال کا کوئی جواب ہی دیا...... مسافر جلدی میں تھا، وہ آگے نکل گیا...... کچھ دیر کے بعد ایک ٹرین آ کر پلیٹ فارم پر کھڑی ہو گئی...... اس کا رُخ شمال کی طرف تھا...... جمشید نے ایک ڈبے کے اُوپر ناگ پور دلی لکھا ہوا بھی پڑھ لیا تھا...... یہ گاڑی دلی جا رہی تھی...... وہ بنچ سے اُٹھا اور ایک ڈبے میں آ کر بیٹھ گیا...... ڈبے میں کچھ دوسرے مسافر بھی تھے...... اکثر سو رہے تھے...... جمشید کھڑکی کے پاس بیٹھا باہر دوسرے پلیٹ فارم کو دیکھ رہا تھا...... پھر ٹرین چل پڑی...... جمشید اسی طرح بیٹھا باہر دیکھتا رہا۔

ٹرین دیر تک چلتی رہی، اس نے کئی سٹیشن چھوڑ دیئے تھے...... صبح کا اُجالا ہونے لگا تھا کہ ٹرین ایک بڑے سٹیشن پر ٹھہر گئی...... جمشید ویسے ہی کسی بت کی طرح بیٹھا رہا...... تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد اس کے اندر گرمی کی ایک لہر اُٹھتی تھی اور اس کے بدن میں گردش کرنے کے بعد گرم سانس بن کر باہر نکل جاتی تھی...... اس لمحے جمشید کی مٹھیاں اپنے آپ ایسے بند ہو جاتی تھیں جیسے وہ کسی شے کو دبوچ کر اسے مروڑ رہا ہو...... ایک لڑکا چائے کے مٹی کے آبخورے لے کر کھڑکی کے پاس آ گیا، اس نے جمشید سے پوچھا۔

"ناشتہ صاحب ناشتہ۔"

جمشید نے گردن تھوڑی سی گھما کر لڑکے کی طرف دیکھا...... اس کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی تاثر نہیں تھا...... لڑکا جمشید کی لال لال آنکھیں دیکھ کر کچھ ڈر سا گیا اور آگے چلا گیا...... ٹرین وہاں سے بھی چل پڑی...... ٹرین ایک اور سٹیشن پر رُکی تو ایک ٹکٹ چیکر ڈبے میں آ گیا...... وہ مسافروں کے ٹکٹ چیک کرنے لگا...... ٹرین چل پڑی، ٹکٹ چیک کرتے کرتے وہ جمشید کے پاس بھی آ گیا...... ٹکٹ چیکر کے ہاتھ میں صرف پنسل تھی جس سے وہ ٹکٹ پر نشان لگا دیتا تھا...... اس نے معمول کے مطابق جمشید سے ٹکٹ طلب کیا۔

"ٹکٹ دکھائیں۔"

جمشید نے جیسے کچھ نہیں سنا تھا...... وہ کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا...... ٹکٹ چیکر ذرا اُونچی آواز میں بولا۔

"ٹکٹ دکھائیں۔"

جمشید نے گردن موڑ کر ٹکٹ چیکر کی طرف دیکھا...... وہ زبان سے کچھ نہ بولا، اس کی لال لال آنکھیں دیکھ کر ٹکٹ چیکر یہی سمجھا کہ اس آدمی نے کوئی نشہ کر رکھا ہے...... اس نے ایک بار پھر زوردار آواز میں جمشید سے ٹکٹ طلب کیا اور جب جمشید نے نہ تو ٹکٹ دکھایا اور نہ ہی اپنی آنکھیں اس کے چہرے سے ہٹائیں تو ٹکٹ چیکر نے جمشید کے بازو کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"میں تم سے بات کر رہا ہوں۔"

جمشید کے حلق سے ایک عجیب سی غراہٹ کی غیر انسانی آواز نکلی اور اس نے ٹکٹ چیکر کی کلائی پکڑ لی...... ٹکٹ چیکر کو یوں لگا جیسے اس کی کلائی لوہے کے کسی شکنجے میں پھنس گئی ہو...... جمشید کی گرفت میں فولاد کی سختی تھی...... جمشید نے ٹکٹ چیکر کو ہلکا سا جھٹکا دیا...... ٹکٹ چیکر کا اندر سے انجر پنجر ہل گیا...... جمشید نے اس کی کلائی

چھوڑ دی اور ٹکٹ چیکر خوفزدہ سا ہو کر اپنی کلائی کو مسلتا ہوا آگے چل دیا...... ٹرین سارا دن ساری رات چلتی رہی، دوسرے دن سورج غروب ہونے کے وقت دلی پہنچی...... اس دوران نہ جمشید نے آنکھ جھپکی تھی، نہ اس نے کچھ کھایا پیا تھا...... اسے نہ بھوک لگ رہی تھی نہ پیاس محسوس ہو رہی تھی...... وہ ٹرین سے اُتر کر مختلف پلیٹ فارموں پر چلنے پھرنے لگا...... ایک پلیٹ فارم پر ایک ٹرین کھڑی تھی جس کے ڈبے کے اُوپر ہندی اور انگریزی میں امرتسر لکھا تھا...... جمشید کو اتنا یاد تھا کہ اسے امرتسر جانا ہے اور وہاں سے سرحد پار کر کے اپنے اسلامی وطن پاکستان پہنچنا ہے۔

وہ اس ڈبے میں بیٹھ گیا...... شام کا اندھیرا رات کے اندھیرے میں گھل مل گیا تھا...... دلی کے سٹیشن پر ہر طرف روشنیاں تھیں...... ہر طرف مسافر ہی مسافر تھے، مگر جمشید ان سب سے بے نیاز ڈبے میں خاموش بیٹھا باہر ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا...... وہ کچھ بھی نہیں سوچ رہا تھا...... ٹرین چل پڑی...... ساری رات ٹرین چلتی رہی...... راستے میں کوئی ٹکٹ چیکر اس کے ڈبے میں نہ آیا...... دن کافی نکل آیا تھا، جب ٹرین امرتسر کے سٹیشن پر آ کر رُک گئی...... دوسرے مسافروں کے ساتھ جمشید بھی ڈبے سے اُتر گیا...... اتنا اسے احساس تھا کہ اگر وہ پلیٹ فارم کے گیٹ سے باہر نکلا تو ٹکٹ چیکر اس سے ٹکٹ طلب کرے گا جو اس کے پاس نہیں تھا...... وہ پلیٹ فارم سے اتر کر ریلوے لائن کے ساتھ چلنے لگا...... جب سٹیشن کافی پیچھے رہ گیا تو وہ لائن کی پٹڑی سے اتر کر نیچے کھیتوں میں آگیا...... کھیت ختم ہو گئے...... ایک پکی سڑک آگئی جس کی دونوں جانب اُونچے اُونچے درخت تھے...... ایک جگہ بس سٹاپ تھا...... وہاں دو تین سکھ سردار پہلے سے کھڑے تھے...... جمشید بھی ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا...... اسے کسی ایسی بس میں سوار ہونا تھا جو بھارت کی سرحد کی طرف جا رہی ہو...... ایک بس آ کر رُکی...... کنڈیکٹر نے باہر نکل کر آواز لگائی۔

"یہ بس صرف اٹاری تک جائے گی۔"

جمشید کو یاد آگیا کہ اٹاری کے بعد واہگہ آتا ہے جہاں سے پاکستان کی سرحد شروع ہو جاتی ہے...... وہ بس میں سوار ہو گیا...... بس چلی تو کنڈیکٹر نے مسافروں کو ٹکٹ دینے شروع کر دیئے...... وہ جمشید کے پاس بھی آیا...... اس نے ٹکٹ کے پیسے طلب کئے...... جمشید اس کی طرف بھی ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا...... کنڈیکٹر اس کے بکھرے ہوئے بال اور لال لال آنکھیں دیکھ کر ذرا ٹھٹکا...... اس نے دوبارہ جمشید سے ٹکٹ کے پیسے طلب کئے تو جمشید نے اس کی بھی کلائی پکڑ لی...... جمشید کا پنجہ فولاد سے بھی زیادہ سخت تھا...... کنڈیکٹر کچھ بولنے لگا تو جمشید کے حلق سے غراہٹ کی آواز نکلی اور اس نے اسے ذرا سا دھکا دے دیا...... کنڈیکٹر پیچھے کو لڑکھڑا گیا...... اس نے جھنجھلا کر کہا۔

"کیسے کیسے پاگل آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔"

اس نے جمشید کو کوئی پاگل سمجھ کر اسے چھوڑ دیا۔

بس اٹاری کے سٹاپ پر رُکی تو جمشید اتر کر سڑک پر بھارت کی سرحد کی طرف چل پڑا...... سڑک پر سے دو تین ٹرک گزر کر سرحد کی طرف گئے...... ان میں ایک فوجی ٹرک بھی تھا...... جمشید اپنے آپ سڑک سے ہٹ کر کھیتوں میں آگیا...... وہ سڑک سے دُور ہٹ کر سرحد کی طرف کھیتوں میں ہی چلنے لگا...... کھیت خالی پڑے تھے...... کہیں کہیں کوئی سکھ کسان ہل چلاتا نظر آ جاتا تھا...... جیسے جیسے بھارت کا بارڈر قریب آ رہا تھا علاقہ ویران ہوتا جا رہا تھا...... ایک جگہ اسے کھیتوں میں انڈین بارڈر سکیورٹی فورس کی جیپ تیزی سے جاتی دکھائی دی...... اس کے نیم بیدار شعور نے اسے خبردار کر دیا کہ وہ سرحد کے خطرناک زون میں داخل ہو چکا ہے...... وہ ایک کھیت میں بیٹھ گیا...... یہ کماد کی فصل تھی...... وہ فصل کی اوٹ میں بیٹھا تھا...... وہاں اس پر کسی کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی...... وہ رات کا اندھیرا پھیلنے کا انتظار کرنے لگا...... وہ رات کے اندھیرے میں بارڈر کراس کرنا چاہتا تھا...... وہ بھوک پیاس سے بے نیاز ہو چکا تھا...... سارا دن وہ کھیت میں بیٹھا رہا...... سورج غروب ہو گیا...... شام کا سرمئی اندھیرا چاروں

طرف پھیل گیا...... وہ اُٹھ کر چلنے لگا۔

اندھیرے میں اسے سمت کا اندازہ نہ رہا...... وہ ایک درخت کے قریب سے گزرا تو انڈین بارڈر سکیورٹی فورس کا ایک سپاہی اچانک درخت کے پیچھے سے نکل کر اس کے سامنے آ گیا...... اس نے زوردار آواز میں ہالٹ کیا...... جمشید رُک کر سپاہی کی طرف دیکھنے لگا...... بارڈر فورس کا سپاہی اس کے قریب آ گیا، اس کے ہاتھ میں سٹین گن تھی...... اس نے پوچھا۔

"اِدھر کیا کر رہے ہو؟"

جمشید نے کوئی جواب نہ دیا...... سپاہی کی گن کا رُخ جمشید کی طرف تھا...... اس نے زیادہ زوردار آواز میں پوچھا۔

"کون ہو تم؟"

جمشید پھر بھی خاموش رہا اور انڈین سپاہی کو اپنی سرخ آنکھوں سے ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا...... بھارتی سکیورٹی فورس کے سپاہی نے آگے بڑھ کر سٹین گن کی نالی جمشید کے سینے کے ساتھ لگا دی اور بولا۔

"میرے آگے آگے چلو...... بھاگنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا۔"

جمشید کے اندر گرم لہو کا گولا سا اُٹھا اور اس کا جسم اس کی تپش سے بے انتہا گرم ہو گیا...... ایک بجلی سی اس کی آنکھوں میں چمکی اور اس نے سٹین گن پر اتنی زور سے ہاتھ مارا کہ وہ سپاہی کے ہاتھ سے اُچھل کر دوسرے تیسرے کھیت میں جا کر گری...... بھارتی سپاہی گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹا ہی تھا کہ جمشید کے حلق سے غراہٹ کی ڈراؤنی آواز بلند ہوئی اور اس نے سپاہی کی گردن اپنے آہنی پنجے میں لے کر ایک ہی جھٹکے سے تن سے جدا کر کے ہوا میں اُچھال دی...... اس لمحے جمشید نے پورا منہ کھول کر ایک ایسی بھیانک چیخ بلند کی کہ جس کی گونج سے رات کی تاریکی بھی لرز اُٹھی۔

اس کی سرخ آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں...... وہ ایک طرف کو چل

پڑا...... وہ دو خون کر چکا تھا مگر ایسے چل رہا تھا جیسے کچھ بھی نہیں ہوا...... اسے سمت کا کچھ اندازہ نہیں تھا کہ وہ کدھر جا رہا ہے اور بھارت کا بارڈر کس طرف ہے...... کوئی آسیبی طاقت اسے چلا رہی تھی اور وہ چلتا جا رہا تھا...... وہ ایک بار پھر سڑک پر نکل آیا...... سڑک پر سے دو تین گاڑیاں آگے کو گزر گئیں...... جمشید گردن سیدھی اُٹھائے چلتا رہا، اسی حالت میں وہ کئی میل طے کر گیا...... سامنے جگہ جگہ روشنیاں نظر آنے لگیں...... وہ واہگہ بارڈر کی بھارتی سرحد پر پہنچ گیا تھا...... روشنیاں بھارتی چیک پوسٹ کی تھیں...... اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ کن حالات میں کہاں پر آ گیا...... بھارتی سرحد کا گیٹ بند تھا اور دو بھارتی سپاہی پہرے پر کھڑے تھے...... ایک جانب بھارت کا جھنڈا لگا ہوا تھا۔

جمشید کو صرف اتنا احساس تھا کہ سامنے جو گیٹ نظر آ رہا ہے اس کی دوسری طرف اس کا وطن پاکستان ہے اور وہ پاکستان پہنچنا چاہتا تھا...... ابھی وہ چیک پوسٹ کے قریب ہی پہنچا تھا کہ دائیں بائیں سے تین بھارتی سکیورٹی فورس کے سپاہی دوڑتے ہوئے نکلے اور انہوں نے گن پوائنٹ پر جمشید کو گھیر لیا۔

"کون ہو تم؟ کہاں جا رہے ہو؟"

یہ سوال بھارتی سکیورٹی فورس کے حوالدار موہن چند نے پوچھا تھا...... جمشید اس کو اپنی سرخ انگارہ آنکھوں سے تکنے لگا...... حوالدار نے آگے بڑھ کر جمشید کو بازو سے پکڑا کر چیک پوسٹ کے برآمدے کی طرف دھکا دیا...... جمشید کے اندر گرم لہر کا بگولا سا اُٹھا...... اس کے منہ سے غراہٹ کی آوازیں نکلنے لگیں...... اس نے اپنا بازو چھڑا کر بھارتی حوالدار کی کنپٹی پر اُلٹا ہاتھ مارا...... اس کے فولادی ہاتھ کی ضرب سے حوالدار کی آدھی کھوپڑی اُڑ گئی اور وہ پیچھے کو جا گرا...... یہ دیکھ کر دوسرے سپاہیوں نے جمشید پر فائرنگ شروع کر دی...... سٹین گن کی گولیاں جمشید کے جسم سے پار ہو رہی تھیں اور وہ اپنی جگہ پر اسی طرح کھڑا تھا...... چیک پوسٹ میں سے دوسرے سپاہی بھی

نکل کر باہر آ گئے اور جمشید پر چاروں طرف سے گولیاں برسنے لگیں...... یہ دیکھ کر بھارتی سپاہیوں کے بھی رنگ پیلے پڑ گئے کہ سینکڑوں گولیاں جسم سے آر پار ہونے کے باوجود وہ شخص اپنی جگہ پر اسی طرح کھڑا نہیں تک رہا تھا...... وہ خوفزدہ ضرور ہوئے تھے مگر وہ پیچھے نہ ہٹے اور فائرنگ کرتے رہے...... جمشید نے گردن گھما کر انڈین بارڈر کے گیٹ کی طرف دیکھا...... وہ گیٹ کی طرف چلنے لگا...... پیچھے سے اس پر مسلسل فائرنگ ہو رہی تھی...... گولیاں اس کے جسم سے آر پار ہو رہی تھیں مگر جمشید کو ایک بھی گولی نہیں لگ رہی تھی...... اسے گیٹ کی طرف آتا دیکھ کر گیٹ پر کھڑے گارڈر بھی چوکس ہو گئے اور انہوں نے رائفلیں تان لیں...... جمشید ایک ایک قدم بڑے اطمینان سے چلتا گیٹ کے قریب آیا تو سکیورٹی گارڈر نے بھی فائرنگ شروع کر دی، لیکن جمشید آگے بڑھتا چلا گیا۔

اسے کوئی آسیبی طاقت چلا رہی تھی اور وہ چل رہا تھا...... گیٹ کے پاس آ کر جمشید کے منہ سے بے اختیار بھیانک چیخ نکل گئی اور اسے محسوس ہوا کہ اس کا جسم اس کے شعور اس کی رُوح سے الگ ہونے لگا ہے، جیسے اس کا جسم چھوٹے چھوٹے ذروں میں تبدیل ہو رہا ہے...... وہ رُک گیا...... اس نے گردن جھکا کر اپنے جسم پر نگاہ ڈالی...... اس کا نچلا دھڑ اسے نظر آنا بند ہو گیا تھا...... صرف اسے اپنا سینہ اور بازو ہی نظر آ رہے تھے، کوئی شے اس کے دماغ میں گونجدار آواز کے ساتھ گھوم رہی تھی...... پھر اس کا اُوپر والا دھڑ بھی غائب ہو گیا...... جمشید کا شعور اور اس کے احساسات اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے...... وہ جیسے کسی خلا میں گم ہو گیا تھا...... یہ حالت اس پر کب تک طاری رہی؟ اس کی اسے کوئی خبر نہیں تھی...... جب اس کے ذہن میں شعور کی لہریں حرکت کرنے لگیں تو اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ وہ زمین پر پڑا ہے...... وہ آہستہ آہستہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا...... اس نے گردن گھما کر آس پاس نگاہ ڈالی...... ہر طرف رات کی تاریکی چھا رہی تھی...... اندھیرے میں اسے درخت اور کھیت صاف دکھائی دے رہے تھے۔

جس طرف اس کا منہ تھا وہ اسی طرف چلنے لگا۔

اچانک اس کی بائیں جانب سے ایک انسانی سایہ نکل کر اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا...... اس نے سائے کی طرف کوئی دھیان نہ دیا...... پراسرار انسانی سایہ فضا میں بلند ہو کر جمشید کے سر کے گرد گھومنے لگا...... اس وقت جمشید کو دُور سے آتی ایک آواز سنائی دی...... کوئی اسے کہہ رہا تھا۔

دائیں جانب سڑک پر آ جاؤ...... دائیں جانب سڑک پر آ جاؤ۔"

جمشید اس پراسرار آواز کے حکم پر دائیں جانب مڑ گیا...... انسانی سایہ اس کے سر کے اُوپر اسی طرح گردش کر رہا تھا...... دو تین کھیتوں میں سے گزرنے کے بعد وہ ایک سڑک پر آ گیا...... سامنے سے ایک آدمی چلا آ رہا تھا...... جمشید کے کان میں پراسرار آواز نے حکم دیا۔

"اس آدمی کی گردن تن سے جدا کر دو۔"

جمشید پراسرار آواز سن کر سامنے سے آتے ہوئے آدمی کی طرف بڑھا...... جب وہ قریب آ گیا تو جمشید نے اس کا سر تن سے جدا کرنے کے واسطے اس کی گردن کی طرف ہاتھ بڑھایا...... ابھی اس کا ہاتھ اس آدمی سے ایک فٹ کے فاصلے پر ہی تھا کہ جمشید کو جیسے بجلی کا شدید جھٹکا لگا اور وہ لڑکھڑا گیا...... سامنے سے آنے والے آدمی نے حیرت زدہ آنکھوں سے جمشید کی طرف دیکھا اور پھر ڈر کر بھاگ اُٹھا...... اس وقت جمشید کے سر پر گردش کرتا سایہ بھی غائب ہو گیا تھا...... جمشید سنبھل کر چل پڑا...... پراسرار سایہ دوبارہ نمودار ہو کر اس کے سر کے اُوپر گھومنے لگا...... اسے پراسرار آواز آئی۔

"آگے بستی ہے...... بستی کے پہلے مکان میں جا کر وہاں سوئے ہوئے مرد بچوں، عورتوں کی گردنیں کاٹ ڈالو۔"

جمشید ذرا آگے بڑھا تو اسے چند ایک مکان نظر آئے...... یہ چھوٹی سی بستی تھی...... وہ بستی کے پہلے مکان کے دروازے کے سامنے آ کر رُک گیا...... مکان

کادروازہ بند تھا...... اس نے ایک ہی ضرب سے مکان کے دروازے کو توڑنے کے لئے ہاتھ اُوپر اٹھایا ہی تھا کہ اسے ایک بار پھر ویسے ہی بجلی کا شدید جھٹکا لگا اور وہ لڑکھڑا گیا...... اس نے دوسری بار دروازے کو توڑنا چاہا اور اس بار اسے پہلے سے زیادہ شدید جھٹکا لگا اور وہ پیچھے گر پڑا...... اس نے دیکھا پراسرار انسانی سایہ اس سے دس قدم دُور ہٹ کر کھڑا تھا...... جمشید کو معلوم نہ ہو سکا کہ پہلے جس آدمی پر اس نے حملہ کیا تھا وہ مسلمان تھا اور اس مکان کے مکین بھی مسلمان تھے اور کسی مسلمان پر یا کسی مسلمان کے مکان پر خونی آسیب کے آسیبی سائے کا منتر نہیں چل سکتا تھا۔

ابھی جمشید کا شعور دبا ہوا تھا...... وہ یہ معلوم نہیں کر سکتا تھا کہ کسی بھی کلمہ گو مسلمان پر آسیب کا اثر نہیں ہو سکتا...... ہر مسلمان اللہ پاک کی رحمت کے سائے میں ہوتا ہے...... جمشید اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بستی کے دوسرے مکان کی طرف بڑھا...... اس مکان کے بند دروازے پر بھی اسے ویسے ہی شدید جھٹکا لگا...... تب جمشید نے بستی سے منہ موڑ لیا اور ایک طرف کھیتوں میں آگیا...... خونی آسیب کا سایہ ایک بار پھر اس کے سر کے اُوپر آکر گھومنے لگا...... جمشید کو چلتے چلتے پراسرار آواز سنائی دی۔

"کس طرف جا رہے ہو؟ اس طرف مت جاؤ...... اس طرف مت جاؤ۔"

مگر اب جمشید کے اندر ایک اور خفیہ طاقت بیدار ہو چکی تھی اور یہ خفیہ طاقت اس کے ایمان کی طاقت تھی...... اس نے آسیبی آواز پر کوئی توجہ نہ دی اور کھیتوں میں چلتے ہوئے اپنا رُخ ایک دوسری بستی کی طرف کر لیا جس کی دو تین جھلملاتی روشنیاں اس کو دکھائی دینے لگی تھیں...... آسیبی سایہ اس کے سر سے اُتر کر سامنے آگیا...... جمشید کو سامنے سے دھکا لگا...... جیسے کوئی اسے دوسری بستی کی طرف جانے سے روک رہا ہو...... لیکن کوئی دوسری طاقت اسے آگے ہی آگے لئے جا رہی تھی...... یہاں تک کہ وہ دوسری بستی میں داخل ہو گیا...... بستی کے شروع میں ہی ایک جانب درختوں میں ایک کوٹھڑی کے باہر چھوٹا سا بلب روشن تھا...... جمشید کے قدم اپنے آپ اس

کوٹھڑی کی طرف مڑ گئے...... آسیبی سایہ اس کے سامنے سے ہٹ کر اس کے پیچھے آگیا...... جمشید کو کوئی طاقت پیچھے کی طرف کھینچنے لگی، مگر وہ رکا نہیں...... دوسری طاقت زیادہ زبردست تھی...... وہ اسے کوٹھڑی کے پاس لے آئی۔

آسیبی سایہ ایک دم سے جمشید کے سامنے آکر اپنی اصلی بدرُوح کی شکل میں ظاہر ہو گیا...... بدرُوح نے جمشید کو اپنے دونوں بازوؤں میں جکڑنے کے لئے بازو جمشید کی طرف بڑھائے...... جمشید نے اپنا فولادی پنجہ آگے بڑھا کر بدرُوح کی گردن کو دبوچ لیا بدرُوح کے حلق سے بھیانک چیخ بلند ہوئی...... جمشید نے اسے گردن سے پکڑ کر زمین سے دو فٹ اُوپر اُٹھا لیا اور پھر زبردست جھٹکا دیا...... بدرُوح کا ڈراؤنا سر اس کے جسم سے الگ ہو کر جمشید کے ہاتھ میں آگیا...... بدرُوح کا جسم شعلہ بن کر جلنے لگا...... پھر بدرُوح کے سر کو بھی آگ لگ گئی...... آگ کے شعلے بدرُوح کے سر کو جلا رہے تھے مگر جمشید کا ہاتھ ان شعلوں سے محفوظ تھا...... جب بدرُوح کا ڈراؤنا منحوس سر جل کر راکھ ہو گیا تو جمشید نے اپنا ہاتھ نیچے کر لیا...... اسے ایک چکر سا آیا اور وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔

اسی وقت کوٹھڑی کا دروازہ کھلا اور اندر سے وہی نورانی صورت والا روشن ضمیر بزرگ نمودار ہوا جس نے جمشید سے جدا ہوتے وقت اسے کہا تھا کہ یہ تمہارے گھناؤنے گناہوں کی سزا کا آخری مرحلہ ہے...... اس کے بعد اگر تم نے گناہوں سے توبہ کر لی اور اس عہد پر قائم رہے تو پھر خدا تمہارے دوسرے گناہوں کو بھی معاف کر دے گا اور پھر تم ایسے ہو جاؤ گے جیسے تم نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا۔

روشن ضمیر بزرگ نے جھک کر جمشید کے ماتھے پر شہادت کی انگلی رکھ کر کلمہ شریف پڑھا اور کہا۔

"اُٹھو بیٹا بچانے والے نے تمہیں بچا لیا ہے۔"

جمشید نے آنکھیں کھول دیں...... اپنے اُوپر جھکے ہوئے روشن ضمیر بزرگ کے

نورانی چہرے کو دیکھا تو بے اختیار کلمہ پاک کا ورد کرنے لگا اور کلمہ پڑھتے پڑھتے اُٹھ کھڑا ہوا...... جمشید بالکل پہلے جیسا نارمل انسان بن چکا تھا...... اس کے دل ودماغ پر وہی نورانی کیفیات طاری ہو گئی تھیں جو اس وقت طاری تھیں جب اس نے روشن ضمیر بزرگ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا اور جادو ٹونا اور آتش پرستی سے توبہ کر لی تھی، بزرگ نے جمشید کا بازو تھاما اور اسے کوٹھڑی میں لے گئے...... کوٹھڑی میں روشنی ہی روشنی تھی...... کوٹھڑی کی فضا خوشبوؤں سے مہک رہی تھی...... زمین پر سادہ سی دری بچھی ہوئی تھی...... بزرگ نے جمشید کو دری پر اپنے سامنے بٹھا لیا اور فرمایا۔

"بیٹا! تمہارے بعض سنگین گناہوں کی سزا کا آخری مرحلہ بھی کٹ گیا ہے...... تم خوش نصیب ہو کہ تمہیں تمہارے گھناؤنے گناہوں کی سزا دُنیا میں ہی مل گئی ہے، آج سے اگر تم سچے دل سے عہد کرو کہ آئندہ سے تم کوئی گناہ نہیں کرو گے اور نیک پاک اور بلند کردار والے صاحب ایمان مسلمان کی زندگی بسر کرو گے اور اللہ کے احکامات کی پابندی کرو گے تو اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے...... وہ تمہارے دوسرے چھوٹے گناہوں کو بھی معاف کر دے گا۔"

جمشید پر رقت طاری تھی...... اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، اس کے ہونٹ خشیت الٰہی سے کپکپا رہے تھے...... اس نے رقت بھری آواز میں کہا۔

"میں خدا کے حضور سچے دل سے عہد کرتا ہوں کہ آج کے بعد کبھی کوئی گناہ نہیں کروں گا...... اسلام نے جن چیزوں سے روکا ہے میں ان کے قریب بھی نہیں جاؤں گا...... کسی برے خیال کو کبھی دل میں نہیں آنے دوں گا...... اپنے وطن پاکستان سے محبت کروں گا اور ہمیشہ اللہ پاک اور نبی پاکؐ کے دکھائے ہوئے سچے راستے پر چلوں گا۔"

روشن ضمیر بزرگ نے فرمایا۔

"اگر تم اس عہد پر قائم رہے تو یاد رکھو تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں گی...... کوئی شیطانی طاقت تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گی...... خدا تمہیں اپنی حفاظت میں

لے لے گا، جس طرح وہ مومنوں کو ہمیشہ اپنی حفاظت میں رکھتا ہے، تمہاری رُوح دُنیا میں ہی گناہوں کے بوجھ سے آزاد ہو جائے گی اور جب تم اس عالم فانی سے رُخصت ہو گے اور تمہارا جسد خاکی قبر میں اتارا جائے گا تو تمہاری قبر روشن ہو جائے گی اور تم پر جنت کے دروازے کھل جائیں گے۔"

جمشید روشن ضمیر بزرگ کی ایمان افروز باتیں سن رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے...... بزرگ اُٹھ کھڑے ہوئے...... انہوں نے جمشید کا ہاتھ تھام کر اٹھایا اور فرمایا۔

"جاؤ اور اپنے بلند کردار اور نیک اعمال سے خطہ پاک کی فضاؤں میں اسلام کی روشنی پھیلاؤ...... خدا تمہارا نگہبان ہو۔"

جمشید نے بزرگ کے ہاتھوں کو چوم لیا اور کوٹھڑی سے نکل آیا...... اس کا دل ایمان کے زور سے جگمگا رہا تھا...... اسے اپنا جسم صبح کی لطیف ہوا کی طرح ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا...... آسمان پر سحر کا نور پھیل رہا تھا...... اس وقت ایک قریبی مسجد سے صبح کی اذان کی آواز بلند ہوئی۔

جمشید کے قدم کلمہ پاک کا ورد کرتے ہوئے بے اختیار مسجد کی طرف بڑھنے لگے۔